ناول پر مبنی ٹی وی سیریل کی عنقریب پیشکش

یہ راستے

رفیعہ منظور الامین

ناشر: انجمن ترقی اُردو آندھرا پردیش
اُردو ہال۔ حمایت نگر حیدرآباد

یہ راستے

(ناول)

مصنف ـــــــ رفیعہ منظور الامین

سرورق ـــــــ رفیعہ منظور الامین

ناشر ـــــــ انجمن ترقی اردو آندھرا پردیش

سن اشاعت ـــــــ ۱۹۹۵ء

قیمت ـــــــ ۱۲۵/ روپے

تعداد ـــــــ ایک ہزار

مطبع ـــــــ بیکن پبلیکیشن اینڈ کمیونکیشن حیدرآباد

ملنے کا پتہ : انجمن ترقی اردو آندھرا پردیش

گلشن حبیب اردو ہال، حمایت نگر

حیدرآباد ۲۹-۵۰۰۰

ان ساری لڑکیوں کے نام جنہیں
اس قابل نہیں بنایا جاتا کہ ان
میں خود اعتمادی پیدا ہو —

— رفیعہ

عرض ناشر

زیر نظر ناول کی مصنفہ کا نام ہندوستان کے ادبی حلقوں میں جانا پہچانا ہے یہ ان کا تیسرا ناول ہے اس سے پہلے ان کے دو ناول مقبول ہو چکے ہیں۔ پہلا ناول "سارے جہاں کا درد" اور دوسرا "عالم پناہ"۔ موخر الذکر ناول کے تین ایڈیشن شائع ہوئے ہیں اور چوتھا زیر طبع ہے۔ "عالم پناہ" کو ہندوستان گیر شہرت ہوئی یہ ہندی اور کنڑی زبانوں میں بھی شائع ہوا اور ہاتھوں ہاتھ بک گیا۔ ہندی میں اب اسکا دوسرا ایڈیشن شائع ہونے کو ہے۔ عالم پناہ پر مقبول عام ٹی وی سیریل "فرمان" کے نام سے دوردرشن سے چودہ قسطوں میں پیش کیا گیا نیشنل چینل پر اور پھر میٹرو چینل پر بھی اسے دکھایا گیا۔ اس سیریل نے قومی سطح کے چار ایوارڈ جیتے۔

انہوں نے ڈیڑھ سو سے زائد کہانیاں لکھی ہیں جو ملک کے مقتدر رسالوں میں شائع ہو چکی ہیں۔ بیرون ملک بھی ان رسائل میں چھپی ہیں جو امریکہ اور یورپ سے نکلتے ہیں۔ ان کہانیوں کا ملک کی کئی زبانوں میں ترجمہ ہوا۔ ان میں تلگو، کنڑی، ملیالم، مراٹھی، ہندی اور انگریزی قابل ذکر ہیں۔ انگریزی ترجمے Indian Express اور Times of India جیسے مقتدر روزناموں میں شائع ہو چکے ہیں۔ اور انگریزی زبان میں جلد ہی کتابی شکل میں منظر عام پر آرہے ہیں۔ اردو میں ان کہانیوں کا مجموعہ "دستک سی در دل پر" شائع ہو چکا ہے۔

انہوں نے اسٹیج، ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے لئے بھی ڈرامے لکھے۔ ریڈیو اور ٹی وی ناٹک ملک کے کئی ریڈیو اسٹیشنوں اور دوردرشن کیندروں سے نشر ہوچکے ہیں اور بہت مقبول ہوئے ہیں۔آل انڈیا ریڈیو کے قومی پروگراموں میں ناول عالم پناہ پر مبنی ریڈیائی سیریل (۱۸) قسطوں میں نشر ہوچکا ہے۔انھیں یوپی اردو اکیڈیمی اور آندھرا پردیش اردو اکیڈیمی سے اوارڈ بھی مل چکے ہیں۔

یہ سائنس کی طالبہ ہیں انھوں نے عام فہم زبان میں سائنس کے کئی موضوعات پر مضامین لکھے جو "سائنسی زاویئے" کے نام سے کتابی شکل میں شائع ہوچکے ہیں ان مضامین کا تیسرا ایڈیشن ترقی اردو بورڈ کی طرف سے دلی سے شائع ہونے جارہا ہے۔

موصوفہ ایک اچھی براڈکاسٹر ہیں۔ان سے لئے گئے انٹرویو ملک کے کئی ریڈیو اسٹیشنوں اور دوردرشن کیندروں سے نشر ہوتے رہتے ہیں۔پچھلے دنوں جب وہ لندن گئیں تو BBC نے بھی ان سے انٹرویو لیا جو ان کی General Overseas Service میں نشر ہوا۔

مصنفہ دنیا کے کئی ملکوں میں گئی ہیں امریکہ اور انگلستان میں کافی عرصہ رہی ہیں اور ہمارے ملک کی اہم media personalities میں ان کا شمار ہوتا ہے

ناشر

برصغیر ہند میں مغربی گھاٹ کا سلسلہ دور دور تک چلا گیا ہے ۔ بائیس سو چھیاسی میٹر کی بلندی پر خوشگوار نیلگری پہاڑیوں میں ایسا لگتا ہے جیسے وہاں قدرت کی چابکدستی کے کئی راز پوشیدہ ہیں ۔۔۔۔۔بحیرہ عرب سے چھاگلیں بھر بھر کر بادل اڈتے پھرتے چائے اور کافی کے باغات پر فراخ دلی سے برس جاتے ہیں ۔یوکلپٹس کے جھنڈ جب ہلکی ہوا میں سرسراتے ہیں تو وہاں ماحول پراسرار اور رنگین ہوجاتا ہے ۔یہاں نہ گرمی سوختہ گلو ہے نہ سردی تیخ بستہ ۔سال بھر ٹمپریچر بارہ اور بیس ڈگری سیلسیس کے مابین ہی اٹھکیلیاں کرتا ہے ۔

برگیڈیر اختر بخت جب اپنے عہدے سے سبکدوش ہوئے تو انہوں نے مغربی گھاٹ میں واقع ، خوبصورت ہل اسٹیشن اوٹی میں ہی سکونت اختیار کرلی ۔اس کی ایک وجہ ان کی بیگم تھیں جن سے گرمی بالکل برداشت نہیں ہوتی تھی ۔اپنے شوہر کے دوران ِ ملازمت تو انہوں نے کٹھن سے کٹھن تعیناتی کو خندہ پیشانی سے برداشت کرلیا تھا جس کا احساس اختر بخت کو تھا۔ عام طور پر نوکری سے سبکدوش ہونے پر لوگ اپنے وطن مالوف کا رخ

کرتے ہیں لیکن اختر بخت کا تعلق شمالی ہندوستان سے ہونے کے باوجود انہوں نے جنوب کو اپنا مسکن بنایا۔ الہ آباد میں ان کا آبائی بزنس تھا اور جائیداد بھی تھی لیکن شروع ہی سے انہیں کُھرے کوڑیوں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ بیگم کے ماسوا خود انہیں نیلگری کے نیلگوں ماحول سے عشق ہوگیا تھا۔ ان کا قول تھا کہ:

پوتھی پڑھ پڑھ جگ موا پنڈت بھیا نہ کوئے

ڈھائی اکشر پریم کا پڑھے سو پنڈت ہوئے

(کبیر)

خاندانی مخالفت کے باوجود انہوں نے ڈیفنس اکیڈیمی کا کڑا امتحان دیا تھا اور پاس بھی ہوگئے۔ مگر جہاں ہر وقت لین دین، روپیہ پیسہ معرض بحث میں آتا، وہاں اختر بخت کا فیصلہ ان کی قوت ارادی اور ثابت قدمی کو ظاہر کرتا تھا۔ یہ ان کی زندگی کا سب سے بڑا فیصلہ تھا۔ کیونکہ ان کی زندگی نے بزنس کی پوتھیوں کو پھلانگ کر ایک نیا موڑ لیا تھا۔ اکیڈیمی کا یہ قابل فخر کیڈٹ، ترقی کی منزلیں طے کرتا گیا۔ پھر محبت اور شادی بھی کی تو بیگم نے ان کی زندگی کی رہی سہی کسر پوری کردی۔ شادی کے بارے میں بھی ان کے پیمانے نپے تلے تھے۔ اس لئے جب تک بیگم جیسی ہستی ان کے پیمانے پر پوری نہ اتری انہوں نے کئی ممکنات و مسماۃ کو رد کر دیا۔ یہی وجہ تھی کہ شادی شدہ زندگی کی سرحد میں انہوں نے کافی توقف کے بعد ہی قدم رکھا۔

جب نوکری سے سبکدوشی کا وقت آیا تب قدرت نے اوٹی جیسا مرغزار ان کی ہتھیلی پر رکھ دیا۔

وطن واپس ہوتے ایک انگریز سے انہوں نے اس کی کوٹھی جوں کی توں معہ سازوسامان خریدلی۔۔ نہ صرف یہ بلکہ اطراف واکناف میں چائے کے باغ بھی انہیں حاصل ہوگئے۔ اپنی بیوی کے علاوہ اگر انہوں نے کسی حسین چیز سے محبت کی تھی تو وہی کوٹھی اور اس سے ملحق باغات تھے۔ وہ کشادہ اور ہوادار کوٹھی چائے کے سبزہ زار میں نگینے کی طرح جڑی تھی۔۔۔۔ جالی دار بالکونیاں۔ فرانسیسی دریچے اور اونچی چھتوں والا بنگلہ، مشرق اور مغرب کے آرکیٹیکچر کا بہترین امتزاج تھا۔ آنچل پسارے دوب کی چادریں ہزار ہا رنگین پھولوں کو سمیٹے رہتیں۔ شوقین بدیسی نے جہاں فیض آباد گلاب باڑی کے گلاب سجا رکھے تھے وہیں ہالینڈ کے ٹیولیپ بھی تھے جن کے کٹورے پاکیزہ تابندہ شبنم سے بھر جاتے۔ ہائی سینتھ کے جھنڈ کے جھنڈ بھی ضرور اس کے پسندیدہ پھول رہے ہونگے۔ مغربی بالکونی سے سورج کے غروب ہونے کا نظارہ قابل دید ہوتا۔

شام کی چائے وہ اور بیگم وہیں لیا کرتے۔

ان کی لڑکی شاہ نور اسی ماحول کی دین تھی جبکہ لڑکا التمش جبلپور میں پیدا ہوا تھا۔ التمش، شاہ نور سے پورے چھ سال بڑے تھے۔ شاہ نور نازک حسین گلعذار طرحدار اور اپنی ماں جیسی تھیں جبکہ التمش بالکل اپنے والد پر گئے تھے۔ قد اور وجاہت میں وہ بے لاگ بڑھتے گئے۔ کہتے ہیں کہ انسان لاکھ

بدل جائے لیکن اس کا خمیر وہی رہتا ہے۔ التمش جبل پور کی پیداوار تھے جہاں کے بھیڑا گھاٹ، مشہور زمانہ ہیں۔ سنگ مرمر کی سنگلاخ چٹانیں اور ان کی آغوش میں نربدا کا ساکت پانی جو بزبان خود اپنی گہرائی کا غماز ہے جو کہیں نیلگوں نظر آتا ہے تو کہیں سبز گوں، کہیں اس میں سرخی کی شوخی جھلکنے لگتی ہے ناؤ میں بیٹھے، جھک کر اس پانی میں دیکھئے تو عکس نظر نہیں آتا، وہ ان رنگوں میں پگھل کر مدغم ہو جاتا ہے۔۔۔۔۔۔ ایسے ہی تھے التمش بچپن سے! خود سر، زبردست قوت ارادی کے مالک، مطلق العنان یہ سب کچھ ان کی نکھرتی ہوئی شخصیت پر سجتا بھی تھا۔ ان کی یہی تہہ دار شخصیت، اختر بخت کے لئے فکر کا باعث تھی کیونکہ وہ نہیں چاہتے تھے کہ بیٹے کے یہ اوصاف انا کی بلندیوں کو چھو جائیں۔

کوٹھی میں تیسرا بچہ مسیح تھا۔ بڑی بڑی نیلی آنکھوں اور گوری گوری رنگت والا۔۔۔ اسے بھی بیگم اور اختر بخت کا پیار حاصل تھا۔ اس کی آنکھیں تھیں ہی ایسی جو غیروں کو بھی ملتفت کر دیتی تھیں لیکن ان آنکھوں میں ایک عجیب سا ٹھہراؤ تھا۔ ایک بے نام سی جھجک۔۔۔۔۔ التمش، شاہ نور اور مسیح جیسے ماؤتھ آرگن کے تین سر تھے جس میں مسیح مدھم تھا لیکن ایسا سر جس کے بغیر راگنی مکمل نہیں ہوتی کئی موقع ایسے آتے تھے جب کسی احساس کے تلے وہ دب کر رہ جاتا تھا کبھی اختر بخت اور بیگم بالکونی میں بیٹھے چائے پی رہے ہوتے اور تینوں بچے اچھل پھاند کرتے وہاں پہنچ جاتے۔ ان کے تمتمائے چہرے بتاتے کہ وہ ابھی دوڑ لگا کر آرہے ہیں۔ سانس پھولا ہوا، قدم لڑکھڑائے۔۔۔ آتے ہی

التمش اور شاہ نور بسکٹ کی پلیٹ پر ہاتھ مارتے لیکن مسیح وہیں ریلنگ کے پاس ٹھٹک جاتا اور جب تک بیگم یا اختر بخت خود اسے بسکٹ اٹھا کر نہیں دیتے وہ اس پلیٹ کی طرف دیکھتا تک نہیں۔

کیونکہ مسیح، ڈورا کا بیٹا تھا جو اس کوٹھی کی ملازمہ تھی۔ اس دنیا میں خدا نے سب کو مساوی بنایا ہے۔ لیکن کچھ لوگ دوسروں کے مقابلے میں شاید زیادہ، مساوی، ہوتے ہیں۔

جب اختر بخت اپنی بیوی اور بیٹے کے ساتھ اس پر فضا کوٹھی میں فروکش ہونے کو آئے تو بیگم اچانک بیمار پڑ گئیں۔ چائے باغاں میں شہر سے دور کوئی خاص طبی سہولتیں میسر نہیں تھیں۔ تب ڈاکٹر نارٹن کی تجویز پر مشن ہسپتال سے ڈورا کو طلب کیا گیا۔ ڈاکٹر نارٹن کو اس پر پورا بھروسہ تھا بیگم کے صحت یاب ہونے پر ڈورا انعام واکرام کیساتھ واپس ہوئی لیکن اپنی خدمت گذاری کی یاد بیگم اور اختر بخت کے دلوں میں چھوڑ گئی۔ اس کے جانے کے بعد بیگم کو اور کوئی پسند ہی نہیں آتا تھا۔ باغ میں کام کرنے والی کئی عورتیں خدمت کے لئے تیار تھیں لیکن ان میں اور ڈورا میں اتنا ہی فرق تھا جو ایک خود رو بوٹی اور ایک سینچے ہوئے پودے میں ہوتا ہے۔ ڈورا کا احساس ذمہ داری، چستی اور کارکردگی اسی کا حصہ تھی، جس کی بیگم عادی ہو گئی تھیں۔ پھر شاہ نور پیدا ہوئیں۔ کئی آیائیں بدلی گئیں، کوئی بھی ڈورا کی جگہ نہ لے پایا۔ ڈورا کو بلایا گیا لیکن اس نے عذر داری کر دی۔ پھر بھی بیگم کی خاطر اختر بخت نے ہمت نہیں ہاری۔ پتہ نہیں کیوں انہیں یقین تھا کہ

ڈورا ضرور آئے گی۔

"ہم اسے اس کی توقع سے زیادہ تنخواہ دیں گے" ۔۔۔ انہوں نے اپنے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

لیکن جب وہ خود ڈورا کو لینے کے لئے پہنچے تو پتہ چلا کہ ڈورا کی مجبوری پیسہ نہیں بلکہ اس کا دو سال کا بچہ تھا۔

"سرکار میں آتا تھا" ۔۔۔۔ ڈورا نے چادر سے ہاتھ پونچھتے ہوئے کہا۔
"مگر یہ، میرا بچہ مسیح ۔۔۔۔" اس نے پاس بیٹھے گول مٹول، سرخ و سپید رنگت والے بچے کی طرف اشارہ کیا ۔۔ بچہ اپنی بڑی بڑی نیلی آنکھوں سے کبھی اختر بخت اور کبھی ڈورا کو دیکھتا رہا۔

"۔۔۔ یہ تمہارا بچہ ہے؟" ۔۔۔۔۔ اختر بخت اپنا تعجب نہ چھپا سکے۔
انہوں نے سمجھا تھا کہ ڈورا کس بدیسی کے بچے کی آیا گری کر رہی ہے۔
رات کے بطن سے صبح ہوتی تو سب دیکھتے ہیں لیکن مسیح ڈورا کا بچہ ہے یہ ماننا ذرا مشکل ہی تھا۔

"سرکار!" ڈورا نے کچھ کھسیا کر کچھ زچ ہو کر کہا ۔۔۔ وہ لوگوں کی نظروں میں حیرت و استعجاب اور غیر یقنی دیکھ دیکھ کر تنگ آگئی تھی ۔۔۔
"اسے ہی تو کہیں نہیں چھوڑ سکتی!"

"اس میں پریشانی کی کیا بات ہے" ۔۔۔۔ اختر بخت کا برسوں کا ڈسپلین کام آیا "تم اسے ساتھ لے آؤ۔ التمش اور شاہ نور کو ایک ساتھی مل جائے گا۔"

"بے بی کسکا مالک ہے ؟" ــــــــ ڈورا نے بات کا دھارا موڑا "آپ کا یا میم صاحب کا" ۔ ؟

"اب تم خود چل کر دیکھ لو" ــــــــ اختر بخت نے مسیح کے موٹے پیٹ میں انگلی گھسیڑ کر کہا اور گدگدی سے وہ کھلکھلا کر ہنس پڑا۔

"چلے گا ہم" ــــــ ڈورا نے غور سے مسیح کو دیکھا اور حامی بھرلی۔ گویا اس کا جانا یا نہ جانا مسیح کی قبولیت پر منحصر تھا۔

اور اختر بخت ڈورا اور مسیح کو ساتھ لے آئے۔ طے یہ پایا کہ ڈورا مسیح کے ساتھ انیکسی میں رہے گی جو کچن کے پچھواڑے سے سیڑھیاں اتر کر جانے پر کچھ ہی دور بنی تھی۔ ڈورا کو اب مسیح کی کوئی فکر نہیں تھی کیونکہ وہ اختر بخت اور بیگم کی فراخدلی سے واقف تھی۔

اسی خوشگوار ماحول میں مسیح بھی پرورش پانے لگا۔ حتیٰ کہ جب وہ اسکول جانے کے قابل ہوا تو اختر بخت اس کے گارڈین بن کر التمش ہی کے اسکول Love Dale میں اسے پڑھانے کے لئے تیار تھے۔ جہاں متمول گھرانوں ہی کے لڑکے تعلیم پاتے تھے۔ لیکن ڈورا نے اسے عیسائی مشن اسکول میں داخل کروانے پر زور دیا۔ چنانچہ اختر بخت اور بیگم نے اس کی خواہش کا احترام کیا۔

جب اختر بخت اور بیگم کسی پارٹی میں گئے ہوتے تو شاہ نور پیانو پر جا بیٹھتی، مسیح بانگو سنبھالتا اور التمش گٹار اور پھر وہ موسیقی جنم لیتی کہ باخ اور بیتھوون بھی خجل ہو جاتے ہونگے۔ وہ دھما چوکڑی مچتی کہ ڈورا کا احتجاج

نقارخانے میں طوطی کی آواز بن کر رہ جاتا۔ دوسری مصروفیات میں شاہ نور کو صاف کاٹ دیا جاتا ۔۔۔۔ مثلاً دوپہر میں گرگٹوں کی دم پکڑ کر چک پھیریاں دینا یا نیلگری کی اودی اودی پہاڑیوں میں گھوڑے دوڑاتے وقت شاہ نور کو اس کے عورت ہونے کا شدید احساس دلایا جاتا۔ میسح کی سفارش کا بھی التمش پر اثر نہیں ہوتا اور آخر کار ٹھنکتی۔ بسورتی شاہ نور کو میسح چمکار کر یقین دلاتا کہ بلندیوں سے واپس ہوتے ہوئے اس کے لئے آرکڈ کے پھول لائے گا۔ کمسن شاہ نور آرکڈ اور سورج مکھی کے فرق سے ناواقف تھی لیکن چونکہ بیگم آرکڈ کی دلدادہ تھیں تو وہ بھی اس کی اہمیت کو آنکھ بند کر کے مان لیتی۔

"پریوں والا پھول ہوتا ہے یہ!" میسح اسے سٹھارتا۔

" اور تم کیا لاوگے تامش ؟" میسح کو آزاد کر کے وہ التمش سے بھی تاوان وصول کرنا چاہتی۔

"تربوز ۔۔۔۔چڑیل کہیں کی" ۔۔۔التمش گھوڑے کو ایڑ لگا کر یہ جا وہ جا ہو جاتے اور وہ پہاڑی بلندیوں کے سبزہ زار میں دور تک سفید گھوڑوں کی ہوا میں لہراتی دمیں دیکھتی رہ جاتی اور دل ہی دل میں تازہ ترین قسم کھاتی کہ "اگر آج ممی سے اس تامش کے بچے کی شکایت نا کی ہو تو شاہ نور نام نہیں" ۔۔۔وہ التمش کو تامش ہی کہا کرتی تھی ۔۔۔لیکن ایسا کبھی نہیں ہوتا کیونکہ جب وہ ہانپتی گھر پہنچتی تو پیاس کی شدت اسے ریفریجریٹر کی طرف کھینچ لے جاتی اور پھر پانی میں سارا غصہ ڈھل جاتا۔ ایک روز تو اس نے طے کر لیا

تھا کہ وہ اپنی جگہ سے ٹلے گی نہیں ۔ التمش اور مسیح کے جانے کے بعد وہ اسی طرح پتھر پر ڈٹی رہی کہ غصہ اپنی جگہ بنا رہے ۔۔ ملزموں کو کیفر کردار تک پہنچانے کا یہی طریقہ ہو سکتا تھا ۔

" التمش جب واپس آئے تو دیکھا شاہ نور وہیں پتھر پر تتلی کی طرح جمی سو گئی تھی ۔ مسیح اور التمش نے ایک دوسرے کو دیکھا اور گھوڑوں سے اتر آئے ۔ مسیح کی نظر کہہ رہی تھی ، ہم نہ کہتے تھے لے چلو اسے بھی ، التمش کو بھی احساس جرم تھا لیکن وہ اسے ظاہر نہیں کرنا چاہتے تھے ۔ انہوں نے گھوڑے کی لگام مسیح کو تھمائی اور جھک کر بہن کو اٹھالیا ۔ انہیں سوئی ہوئی شاہ نور پر بڑا محبت بھرا ترس آیا شاہ نور نے آنکھیں کھولیں اور بھائی کے گلے میں بانہیں ڈالے لپٹ گئی ۔ شاید اس نے التمش کے دل کی کیفیت جان لی تھی ۔۔ لیکن انہیں سزا دلوانے کا زرین موقع ہاتھ سے جاتا رہا ۔

" ان تینوں کا بچپن بانہوں میں بانہیں ڈالے گزرا لیکن ہوشمندی نے طبقاتی فرق کی بنیاد رکھی ۔

" کھلنڈرا زمانہ ختم ہوا تو اختر بخت نے فیصلہ سنایا کہ التمش کو اعلیٰ تعلیم کے لئے انگلستان جانا ہوگا ۔ بیگم اپنے کچی عمر کے لڑکے کو ہر قید و بند سے آزاد انگلستان بھیجنے کی سخت مخالف تھیں اور خود التمش عمر کے اس دور سے گزر رہے تھے جہاں مانباپ اور فیملی کے بندھن بہت مضبوط ہوتے ہیں اور گھر جنت مقام ۔ انہوں نے خود اس ظلم کے خلاف آواز اٹھائی ، لیکن اختر بخت کے ارادے پتھر کی لکیر ہوتے تھے ان کا خیال تھا کہ آنچل کی اوٹ میں دیا بن

کر جلنے والا لڑکا مردانگی سے دور ہو جاتا ہے ــــــ ایک حد تک ذہنی نشو و نما کے بعد ہر لڑکے کو اس وسیع و عریض دنیا میں جھونک دینا چاہئیے جہاں تجربوں ہی سے وہ اپنی شخصیت بنا کر خود کو مستقبل کے لئے تیار کر سکتا ہے۔ انہوں نے خود اپنی فوجی تربیت انگلستان میں سینڈ ہرسٹ کے شہرہ آفاق ادارے میں حاصل کی تھی ۔ ان کی تمنا تھی کہ انکا بیٹا بھی ان کی طرح ایک کامیاب فوجی بنے لیکن انہوں نے ایک سلجھا ہوا اور متین دماغ پایا تھا ۔ وہ گھوڑ دوڑ میں غلط گھوڑے پر داوں لگانے کے نتائج سے واقف تھے ۔ زبردستی التمش پر اپنی آرزو کا بوجھ لادنا، التمش کے مستقبل کو ہلاک کرنے کے مترادف ہوتا ۔ گو التمش میں ایک کامیاب فوجی بننے کی ساری ہی صلاحیتیں موجود تھیں ۔ لیکن انکا رحجان آرکیالوجی کی طرف تھا ۔ انکی دلچسپی دیکھ کر اختر بخت نے اپنی بیش بہا لائبریری کے آرکیالوجی گوشے میں کارآمد اور مشہور کتابوں کا اضافہ کیا تھا ۔ ان دنوں انگلستان کے مشہور آرکیالوجسٹ سر مارٹیمر وہیلر کی کتاب انڈس ویلی سویلائزیشن کا بڑا چرچا تھا ۔ اخباروں میں اس پر کافی بحث مباحثے ہو رہے تھے ۔ اپنی چھوٹی عمر میں ہی آرکیالوجی کے ایک سیمینار میں التمش نے اس پر اپنا پیپر پڑھا ۔ پیپر بہت پسند کیا گیا تب اختر بخت کو یقین آیا کہ التمش میں واقعی ایک اچھے آرکیالوجسٹ بننے کی صلاحیت موجود تھی، التمش نے وطن چھوڑ دیا ۔

اوٹی کی رنگین ماحول سے دور سطح مرتفع دکن میں کاکل رہتی تھی ــ کاکل کا اصلی نام کاکل اسکے شاعر والد فدا حسین فدا نے ہی رکھا تھا ۔ زندگی میں

شاید یہی ایک کام انہوں نے قرینے کا کیا تھا۔ کیونکہ اس خوبصورت لڑکی کا نام جس کی ریشمی شب گیر زلفیں تھیں کچھ اور ہو ہی نہیں سکتا تھا۔

زندگی کے نام پر جو کچھ بھی کاکل کو میسر تھا، کچھ ایسا برا بھی نہیں تھا۔ گو باپ امیر کبیر نہیں تھے لیکن اسکی ماں شاہدہ کی تنخواہ میں بھلی بری گزر ہو جاتی تھی ۔ ہم اگر خود خوش رہنا چاہیں تو یہ بہت آسانی سے ہو سکتا ہے لیکن جب ہم دوسروں سے زیادہ خوش رہنا چاہیں تب مشکل پیش آتی ہے کیونکہ ہم جنہیں خود سے زیادہ خوش سمجھتے ہیں درحقیقت وہ اتنے خوش نہیں ہوتے شاہدہ خوشی کی اس گردان کو زرین قول سمجھتے ہوئے صبر اور شکر کے ساتھ زندگی کا تانا بانا جوڑتی رہیں۔

فدا حسین جیسے بھی تھے شاہدہ نے ان سے دل کا سودا کیا تھا۔ کالج کی بہت سی ایسی لڑکیاں تھیں جو ان پر مرتی تھیں ۔ انکی رومانی شاعری کو کلیجے سے لگائے رکھتی تھیں لیکن جیت شاہدہ کی ہی ہوئی تھی۔

یہ تو شاہدہ کو بعد میں پتہ چلا کہ فدا حسین نے شاعری کے علاوہ کچھ سیکھا ہی نہیں تھا۔ شاعری بھی ان کی اتنی جاندار کہاں تھی ۔ بس ترنم انکا غضب ڈھاتا تھا۔ سننے والوں کو مسحور کر دیتا اور پھر ان کی جاذب نظر شخصیت اس لئے جہاں سامعین کو اکٹھا کر کے مشاعرے برپا کرنے والی بات ہوتی وہاں فدا حسین کو ضرور مدعو کیا جاتا۔ ان کی شراب ، شباب ، کباب والی شاعری پر ٹکٹ خرید کر آئے لوگ بل کھا کھا کر " پھر سے پڑھئے جی " کے تابڑ توڑ نعرے لگاتے ۔۔ اچھے اچھے شاعروں کی چھٹی ہو جاتی اور میدان ان کے ہاتھ

رہتا۔ وہ شراب کا ذکر کچھ اس طرح کرتے کہ معمولی ٹھرا بھی نشیلا غبار بنکر محفل پر چھاجاتا۔ شباب، زلف ورخسار کی تکرار پر عورتوں کی محفل میں پٹس پڑجاتی جیسے فدا کا ہر شعر ان پر چسپاں ہورہا ہو۔

زندگی میں کوئی کام فدا نے سنجیدگی سے نہیں کیا۔ ایک بار کسی تاجر کی نوکری کی۔ شومئ قسمت سے وہ بھی شاعری میں مبتلا نکلا۔ فدا نے اسکی شاعری پر تصحیح کے وہ وہ کوڑے برسائے کہ وہ ادھ موا ہوگیا پھر بھی شاعری کے میدان میں ڈٹا رہا لیکن فدا کی چھٹی ہوگئی۔

اچھا کھانے اور اچھا پہننے کا انہیں بہت شوق تھا۔ جامہ زیب تھے۔ ہر لباس میں سجیلے لگتے تھے۔ ان کے سارے ہی شوق بیوی کے سہارے پورے ہوتے۔ پھر بھی کاکل نے اپنی ماں سے کبھی کوئی حرف شکایت نہیں سنی۔ دراصل انسانوں میں بھی کچھ اکاس بیلیں ہوتی ہیں جو کسی پیڑ کے سینے میں اپنی جڑیں گڑو دیتی ہیں اور سدا اپنے میزبان کی زندگی کا رس چوستی ہیں۔ پھر بھی وہ پیڑ انہیں جھٹک نہیں پھینکتا۔ اپنا دامن نہیں چھڑاتا Empathy ایمپیتھی اسے ہی تو کہتے ہیں۔ پتہ تو اس وقت چلتا جب میزبان پیڑ اپنی زندگی کے لہو کی آخری بوند بھی خود غرض مہمان کو سونپ دیتا ہے۔۔ سوکھ جاتا ہے

کاکل کی ماں کی زندگی سے صرف اسکے والد ہی استحصال نہیں کرتے رہے بلکہ دروازہ کھلا دیکھا تو ایک رہزن اور بھی گھس پڑا جس نے بالاخر انکی جان ہی لیکر چھوڑی۔ پیٹ کا درد بہانہ بن گیا جسے وہ ٹالتی رہیں۔ شاہدہ کی ذمہ داریاں ہی کچھ ایسی تھیں کہ وہ چھٹی لیکر آرام نہیں کرسکتی تھیں، علاج

تو درکنار فدا نے خود کے علاوہ کب کسی اور کو قابل توجہ سمجھا تھا؟ شاہدہ تو ایسی مشین تھی جو انکے خیال میں کبھی خراب ہی نہیں ہو سکتی تھی ۔ یہ بھی نہیں تھا کہ فدا بیوی اور بیٹی کو پیار نہیں کرتے تھے ــــــــ کرتے تھے، لیکن انکا اپنا ڈھنگ تھا ۔ کبھی کبھار مشاعروں سے سو دو سو کما لاتے تو شراب کی دوکان کے سامنے سے للچاتے ہوئے گذر جاتے ۔ کیونکہ اس پیسے پر انکی بیوی اور بیٹی کا حق تھا ۔ یہ انکے تئیں بہت بڑی قربانی تھی ۔ اور یوں لاکر پیسے شاہدہ کے ہاتھ میں تھما دیتے جیسے کسی امیر کبیر کے خزانے پر ہاتھ صاف کر آئے ہوں ۔ شاہدہ کبھی تھکی ہوئی اور اداس نظر آتیں تو کندھے پر پیار سے ہاتھ رکھکر کہتے "شاہدہ تم بس ہنستی رہا کرو ۔ تمھاری مسکراہٹ کے دیوانے ہیں ہم تو ۔۔" وہ اس حقیقت سے بے بہرہ تھے کہ بعض وقت ہنسی خریدنا کتنا مہنگا پڑتا ہے ۔ شاہدہ پھر بھی انکی خاطر گھاٹے کا سودا کرتی رہیں حتیٰ کہ پیٹ کا کینسر لاعلاج ہو گیا ۔ اور ایک دن وہ مسکراہٹ جسکے فدا دیوانے تھے شاہدہ کے ہونٹوں پر دوامی ہو گئی ۔

شاہدہ کے مرنے پر فدا نے دردناک شاعری ضرور کی لیکن بیوی کی موت سے جو کٹھنائیاں کھڑی ہوئیں انکے لئے سینہ سپر نہیں ہو سکے ۔

زندگی کا جو ڈھانچہ شاہدہ نے تیار کیا تھا بہت دنوں تک افتاد زمانہ سہہ نہ سکا ۔ کچھ پیسہ جو انکے مرنے پر ہاتھ آیا تھا اس سے کام چلتا رہا ۔ جب جمع پونجی برف کی طرح پگھل کر ختم ہو گئی تب زندگی کی حقیقتوں نے سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھا ۔ لیکن تب بھی فدا حسین نے آنکھیں بند کر لیں ۔۔ وہ

اور کچھ کر بھی نہیں سکتے تھے۔ قدرت نے انہیں گوندھا ہی ایسی مٹی سے تھا کہ ہمیشہ انہیں سنوارے رکھنے کیلئے کسی اور کے دو ہاتھوں اور فدائیت کی ضرورت تھی۔ شاہدہ کمال خوبی سے یہ فرض انجام دیتی رہی تھیں۔ ایک غیر مشروط فدائیت ــــــــ کبھی فدا حسین کی نااہلی کی وجہ سے شاہدہ کے ابرو پر بل نہیں آیا۔ شائد سچی محبتیں ایسی ہی ہوتی ہیں کہ انسان کانٹوں کو بھی پھولوں کی طرح سینے سے لگا لیتا ہے۔

بیٹیاں ماں کے اوصاف بڑی خاموشی سے اپنا لیتی ہیں۔ کاکل نے بھی ماں کا حوصلہ پایا تھا۔ چھوٹی سی عمر میں وہ اپنے گھر کے حالات بہت اچھی طرح سمجھ گئی تھی اس نے اپنی ماں کا استحصال ہوتے دیکھا تھا۔ لیکن یہ بھی جانتی تھی کہ اسکے والد نے جان بوجھ کر اسکی ماں سے لاپرواہی نہیں کی تھی۔ ایک بار جب اسکی ماں بیمار ہوئیں تو اسنے اپنے والد کی پریشانی دیکھی تھی۔ وہ رات بھر شاہدہ کے سرہانے بیٹھے رہے لیکن انہیں سلیقہ تک نہیں تھا کہ دوائی کب اور کتنی دینی ہوگی۔

اور اب، شاہدہ کی موت کے بعد وہ تاش کے پتوں کا گھر ہو کر رہ گئے تھے جسے ہوا کا ہلکا سا جھونکا بھی لرزا دیتا ہے۔

کاکل نے بھی ماں کا غم جھیلا تھا لیکن کتنا فرق تھا دونوں کے المیہ میں بجائے اسکے کے فدا حسین بیٹی کے لئے ڈھال بن جاتے۔ ڈھارس بندھاتے، خود کاکل کو اپنا غم سینے میں دبائے باپ کی دل جوئی کرنی پڑی۔ ان ہی حالات میں اسنے جیسے تیسے بی۔ اے کا امتحان دیا۔ وہ جانتی تھی وہ ہرگز کامیاب نہیں

ہو گی لیکن امتحان دینا تو بہر حال ضروری تھا۔ فیس دی جا چکی تھی۔ اور آثار بتاتے تھے کہ وہ اب کبھی فیس دینے کے قابل نہیں ہو گی۔ لیکن جب نتیجہ نکلا تو کاکل کی خوشی کا ٹھکانا نہ رہا کیونکہ وہ اچھے نمبروں سے پاس ہو گئی تھی۔

اب سب سے بڑا سوال آمدنی کا تھا۔ شاہدہ کی ملازمت اور کارکردگی کا جو کچھ معاوضہ ملتا تھا۔ اسی پر گزر بسر ہو رہی تھی۔ چند ہی مہینوں میں اسکی تمت بالخیر ہو گئی۔ یہ بات بھی نہیں کہ فدا حسین وقت کے ہاتھ میں ننگی تلوار نہیں دیکھ رہے تھے۔ وہ اچھی طرح سمجھتے تھے کہ اچکن میں پہلا پیوند ابھرنے سے پہلے انہیں کچھ کرنا ہو گا۔ ٹانکا تو پہلے ایک ہی ادھڑتا ہے اور پھر دامن کو تار تار ہوتے دیر کہاں لگتی ہے! ۔ لیکن جدوجہد اور چھینا جھپٹی کی اس دنیا میں وہ بالکل اجنبی تھے صبح کام کی تلاش میں جاتے اور شام میں تھکے ہارے گرد راہ سفر جوتوں پر لئے واپس آتے۔ لمبے لمبے لیٹ کر اپنے جوتوں کو تاسف کی نظر سے دیکھتے جن کا بخیہ ایک ایک کر کے ادھڑنے لگا تھا۔ کاکل کو ان پر ترس آجاتا۔ جوتے اتار کر وہ ان کے پاؤں دباتی تو سکون سے آنکھیں بند کر لیتے۔ یہ آنکھیں بھی عجیب چیز ہیں کبھی تو ان میں دنیا سما جاتی ہے اور کبھی دنیا اور اس کا ہر خطرہ پلکوں پر ہی ٹھٹک جاتا ہے۔

کاکل سوچتی کاش وہ خود کسی قابل ہوتی لیکن اسے تو اپنی ٹائپنگ اور شارٹ ہینڈ کی ٹریننگ ادھوری چھوڑنی پڑی تھی۔ اسے لکھنے پڑھنے کا شوق تھا۔ تاریخ اس کا محبوب سبجیکٹ تھا۔ عام مطالعے نے اسے کچی عمر میں غضب کا شعور دے دیا تھا۔ وہ اپنے باپ اور ان کی کمزوریوں کو اچھی طرح سمجھتی تھی

کچھ رشتے، کچھ بندھن کسی کی نااہلی سے ٹوٹ نہیں جاتے۔ لیکن دوسروں کی کمزوریوں کو اپنا سہارا نہیں بنایا جاسکتا۔ وہ جانتی تھی کہ اس کے باپ اسے وہ پدرانہ سہارا کبھی نہیں دے پائیں گے۔ جس کی اسے ضرورت تھی بلکہ یا بجائی اسے خود کرنی ہوگی۔ لیکن کاکل کا خیال غلط نکلا۔

ایسے میں الہ آباد کے ایک مشاعرے نے فدا حسین کو ایک ایسے موڑ پر لا کھڑا کیا جس کے آگے بس چین ہی چین تھا۔

الہ آباد کے مشاعرے ان کے لئے کوئی نئی بات نہیں تھی۔ نہ ہی وہ حویلی جہاں مشاعرے منعقد ہوتے۔ اس حویلی کی مالک حور بانو ایک متمول بیوہ تھیں۔ وہ ایک تاجر شاہ احمد حسین کی تیسری بیوی تھیں۔ پہلی دو بیگمات اپنا مہر لئے بغیر ہی دار فانی سے کوچ کر گئی تھیں۔ لیکن وہ خود حور بانو کے لئے اپنا سب کچھ چھوڑ کر سدھار گئے۔ حور بانو شاعری کی دلدادہ تھیں۔ شکل وصورت سے اچھی اور عمر میں بس دوپہر کی دہلیز چھونے کو تھیں۔ انہوں نے فدا حسین کو پہلے بھی سنا تھا۔ مل بھی چکی تھیں۔ ان کے ترنم ہی نہیں تبسم کی بھی دلدادہ تھیں۔ لیکن انہوں نے کبھی فدا حسین کو اس نظر سے نہیں دیکھا تھا جیسے ان کی بیوی کے مرنے کے بعد دیکھا۔

شاہدہ کو مرے چار مہینے گزر چکے تھے۔ چار مہینے ــــــ طویل چار مہینے جبکہ چار گھنٹے ہی مرد کے مچل جانے کو کافی ہوتے ہیں۔ کچھ تو چار منٹ میں ہی چھلک جاتے ہیں۔ اسی لئے بیوی کی موت کو کہنی کی چوٹ کہا جاتا ہے۔ لگی تو کاری۔ پل بھر میں بساری۔

فدا حسین حور بانو کی لگاوٹ کی نظر پہچان گئے۔ شاہدہ کے مرنے کے بعد وقت کے اہرمن نے انہیں یوں کس کس کر پچھاڑا تھا کہ الامان۔ نا اہل اور کاہل دماغ بھی کبھی اس تیزی سے چل پڑتا ہے جیسے کئی برسوں سے بند مشین میں نو من تیل ڈال دیا گیا ہو۔ اور یہاں تو رادھا بھی تیار تھی۔ حور بانو کا التفات دیکھ کر انہوں نے بڑی انکساری سے خود کو نکاح کے لئے پیش کر دیا۔

خود اپنے ملک میں جہاں ہم وطنوں کی لیاقت کو استہزا و استحقا کی نظر سے دیکھا جاتا ہے اور اکثر اس کا اعتراف ہوتے چل چلاؤ کا وقت آجاتا ہے وہاں مغرب میں کھلے دل سے کسی کی لیاقت کو تسلیم کیا جاتا ہے۔ التمش بھی کامیابی کی منزلیں طے کرتے رہے۔ وہ انگلستان میں تھے لیکن ہندوستان کے دور غلامی کے خاتمے کے بعد انگلستانی ذہنیت میں تبدیلی کی رفتار سست تھی اہل انگلستان اب بھی اس فراخدلی سے کسی ہندوستانی کی کامیابیوں کو تسلیم نہیں کر رہے تھے جس کا وہ مستحق تھا۔ التمش کو وہاں دنیا کچھ تنگ سی لگ رہی تھی اسی لئے بہتر مرغزاروں کی تلاش میں وہ انگلستان سے امریکہ چلے گئے جہاں انہیں زیادہ صحت بخش ماحول میں کام کرنے کا موقع ملا وہاں وہ آر کیالوجسٹوں کے ایک ایسے گروپ سے منسلک ہو گئے جو بڑی سنجیدگی سے اپنی ذمہ داری نبھاتا تھا۔ اس گروپ کو فیڈرل سرپرستی حاصل تھی۔ التمش کی مصروفیات بڑھتی گئیں اپنے کام کے سلسلہ میں انہیں دنیا بھر کا تجربہ حاصل

ہونے لگا حتیٰ کہ شاہ نور کی شادی میں بھی وہ مشکل سے دو دن کے لئے آپائے کیونکہ آثار قدیمہ کے ایک ایکسپڈیشن کے سلسلہ میں وہ سیریا میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ مصروف کار تھے۔ ان چند برسوں میں ان کی شخصیت نکھر کر کچھ اور ہی ہو گئی تھی لڑکپن کی چربی مکمل طور پر چھٹ چکی تھی۔ دراز قد اور ستا ہوا بدن اور چہرے کی گولائیوں نے زاویوں کا روپ دھار لیا تھا۔ آنکھوں کی شرارت میں ٹھہراؤ آگیا تھا۔ لیکن ان کی مغرورانہ کشش وہی تھی۔ صرف جب وہ مسکراتے تھے تو ان کی آنکھوں میں ایک گرمجوشی امڈ آنے لگی تھی جو ان کے مخاطب کو دوستانہ حدود میں کھینچ لاتی۔ نیچر سے مسلسل یگانگت کی وجہ سے انکا سرخ و سفید رنگ سانولا ہو گیا تھا۔ لیکن ٹی شرٹ کی آستین کھسکنے پر ان کے مضبوط بازوں سے وہی گورا رنگ جھلکتا تھا گھنے ابرو جب وہ غور و فکر میں ڈوبے رہتے تو عقاب کے پروں کی طرح تن جاتے جن کے مابین ایک شکن سی ابھر آتی۔

"مسیح تم کافی بدل گئے ہو" مسیح کے ساتھ گھوڑ سواری نے انہیں ماضی میں لوٹا دیا مسیح نے ان چند سالوں میں نوجوانی کی منزلیں طے کرلی تھیں۔ اب وہ بھی ایک وجیہہ شخصیت بن کر ابھرا تھا۔

"آپ بھی تو بدل گئے ہیں تامش" مسیح نے گھوڑا روک کر نیچے اترتے ہوئے جواب دیا۔ وہ دونوں غیر ارادی طور پر اس مقام پر پہنچ کر رک گئے تھے۔ جہاں ماضی میں ہمیشہ رک کر گھوڑوں کو ستانے کا موقع دیا جاتا تھا وہیں قریب ہی ایک جھرنا تھا جہاں گھوڑے اپنی پیاس بجھاتے۔

"شادی کی مصروفیات میں تم سے بات ہی نہیں ہو سکی اور کل صبح میں چلا جاؤں گا۔" التمش کو واقعی افسوس تھا کہ بچپن کے ساتھی کے ساتھ زیادہ وقت نہ گذار سکے۔

"اتنی جلد" مسیح نے تعجب سے کہا۔

"ہاں، سنا تم پادری بننے جا رہے ہو" التمش نے اچانک پوچھا۔

"بس یہی انسان اور خدا کے بیچ فاصلہ پاٹنے کی کوشش کر رہا ہوں" مسیح نے ہنس کر کہا۔

منصور کا حشر جانتے ہو" التمش نے منصور حلاج کی طرف اشارہ کیا" وہ مشہور شعر یاد ہے۔

فتویٰ دے کر کفر کا تم نے قتل کیا اک عاشق کو
لفظ انا الحق بول کے بے خود، دار کے اوپر تمہیں تو ہو

"ہاں: حشر تو سبھی کا ایک ہے راستے الگ الگ ہیں" مسیح نے ہنس کر بات کو ٹالتے ہوئے کہا، لیکن التمش نے مزید کریدا۔

"ڈورا کا کیا خیال ہے؟"

"آنٹی نہیں چاہتیں کہ میں پادری بنوں" مسیح ڈورا کو "آنٹی" ہی کہا کرتا تھا۔" وہ چاہتی ہیں میں شادی کر لوں"

"تو کر لو شادی ------ تم سے تو کوئی بھی لڑکی شادی کرنا اپنی خوش قسمتی سمجھے گی" التمش زیر لب مسکرائے۔

"اور آپ خود؟" مسیح، التمش کے فیصلے سے واقف تھا کہ وہ شادی کو زنجیر سمجھتے تھے۔

"میری بات اور ہے ـــــ میں کسی لڑکی کے ساتھ ناانصافی نہیں کرنا چاہتا"

"ناانصافی؟ میں سمجھا نہیں"

"مسیح میں ایک آرکیالوجسٹ ہوں"

"تو کیا آرکیالوجسٹ شادی نہیں کرتے۔؟"

"اگر کرتے ہیں تو پچھتاتے بھی ہیں۔ ایک آرکیالوجسٹ کی زندگی کھنڈروں کی کھدوائی اور سیمناروں میں بسر ہوتی ہے۔ وہ خود کو گھر کی بھول بھلیوں میں گم نہیں کر سکتا۔ اور مجھے اپنے پیشے سے محبت ہے"

عجیب بات ہے لوگوں نے محبت کی خاطر پیشے بلکہ تاج و تخت کو ٹھکرا دیا اور آپ پیشے کو محبت بنائے ہوئے ہیں"

"محبت کئی طرح کی ہوتی ہے۔ محبت کسی عورت ہی سے کی جائے میں اسے ضروری نہیں سمجھتا اسے اردو میں تضیعِ اوقات کہتے ہیں" التمش نے مسکرا کر جملہ پورا کیا۔

""اسے انگریزی میں Male Chauvinism بھی کہہ سکتے ہیں" مسیح نے اپنا سنہری فریم کا چشمہ درست کر کے کہا۔

"کوئی نئی بات کہو، یہ الزام مجھ پر کئی بار لگ چکا ہے"، التمش نے ہنس کر بات کو ٹال دیا۔

ان کا کہنا درست تھا، التمش راہب نہیں تھے کہ نسوانی قربت سے دور بھاگتے کئی عورتیں ان کی گرویدہ تھیں۔ مغرب میں جہاں کھلے عام اظہار عشق معیوب نہیں سمجھا جاتا وہاں التمش جیسے وجیہہ شخص کا صنفِ نازک سے گریز مشکل تھا۔ انکے دوستوں میں کچھ عورتیں ایسی بھی تھیں جو خوبصورت تھیں بلکہ عقل وزیرکی میں بھی ان کا جواب لانا مشکل تھا التمش ان کے مداح بھی تھے لیکن اب تک کوئی دام ایسا نہیں تھا جس میں وہ پھنس کر رہ گئے ہوں۔

کاش، کوئی لڑکی، کبھی ان کا یہ مغرور سر نیچا کر دے! مسیح نے التمش کو یہ خوبصورت بددعا دی، وہ جو خود گرہست زندگی سے دور پادری بننے جا رہا تھا۔

"ڈاکٹر نارٹن کہہ رہے تھے ڈیڈی کو اب رائیڈنگ نہیں کرنی چاہیئے" التمش نے موضوع بدل کر کہا۔

"ہاں پچھلے دنوں ان کا بی پی بہت ہائی ہو گیا تھا، میں نے بڑی مشکل سے ان کا ٹینس کھیلنا بند کروایا" مسیح دونوں گھوڑوں کو واپس لاتے ہوئے بولا۔

وہ التمش کو کسی خیال میں ڈوبے گھوڑے کی لگام تھامے آگے بڑھتا دیکھتا رہا ان کی سماجی حیثیت میں طبقاتی فرق ہو تو ہو پھر بھی دونوں نے بچپن اور لڑکپن ساتھ گذارا تھا۔ کتنا فرق تھا اس التمش اور اس التمش میں ـــــــ بھرے بھرے جسم کی جگہ ایک سنگلاخی نے لے لی تھی، برتاؤ میں

ٹھہراؤ آگیا تھا، مسیح اپنے لڑکپن کی بیتابی یاد کر کے مسکرا دیا جب وہ اور التمش
ہر روز اپنا قد ناپا کرتے تھے کہ چوبیس گھنٹوں میں کون کتنا بڑھا۔ اس کے
لئے صاف ستھری دیوار پر پنسل سے لکیریں بنائی جاتیں۔ ڈورا دونوں کو
ڈانٹ ڈپٹ کرتی اور بڑبڑاتے ہوئے لکیریں صاف کرتی، اب التمش کا قد چھ
فٹ سے تجاوز کر گیا تھا۔ جبکہ مسیح کو اپنے درمیانی قد سے کوئی شکایت نہیں
تھی اس کی سرخ و سپید رنگت ویسی ہی باقی تھی جبکہ التمش کا گورا رنگ جو
سردیوں میں سرخی پر اتر آتا تھا اب تپا ہوا گندمی لگ رہا تھا۔ یہ تبدیلی یقیناً ان
کی مصروفیات کا عطیہ تھی۔ ان کے بال البتہ اب بھی لتنے ہی گھنے تھے لیکن
شاید دھوپ میں زیادہ رہنے کی وجہ سے کہیں کہیں ان میں سنہرا پن جھلکنے لگا
تھا۔ بیگم ان کے احتجاج کے باوجود انہیں چھوٹا ترشوا دیتی تھیں کیونکہ جس
اسکول میں التمش پڑھتے تھے وہاں کا یہی ڈسپلین تھا۔ شائد یہی ڈسپلین تھا جس
نے انہیں اپنی راہ معین کرنے کا شعور دیا تھا۔

دراصل متمول بیوائیں ہی ایسی نایاب جنس ہوتی ہیں جن کے سکنڈ
ہینڈ ہوتے ہوئے بھی نئے کے دام لگتے ہیں۔ حور بانو خوش مزاج و خوش شکل
تھیں۔ کئی ٹٹ پونجئے شاعر جو ان سے عمر میں کئی کئی سال چھوٹے تھے، ان سے
نکاح کے خواہشمند تھے۔ حور بانو گو متوسط گھرانے سے تعلق رکھتی تھیں لیکن
ان کی کچھ صفات تھیں۔ مالدار شوہر ملنے پر بھی ان میں دولتیا پن نہیں جاگا تھا۔
وہ ٹھسے سے رہتی تھیں۔ بوڑھے شوہروں کی جوان بیویاں ہمیشہ چالاکی کی
حد تک سمجھدار ہوتی ہیں سو وہ بھی تھیں۔ انہوں نے غنڑ غوں کرنے والے

کبوتروں کو دانہ ہی نہیں ڈالا۔ انکا کیا! پیروں میں ہوا بھری کہ شوئیں، شوئیں یہ جا وہ جا! ۔۔۔۔ان لونڈوں کی نظران پر نہیں ان کی دولت پر تھی۔ حور بانو کو تو اپنی چوکھٹ پر سنگ آستاں کی ضرورت تھی ۔۔۔۔۔اور فدا کو انہوں نے کسوٹی پر کس لیا تھا۔

لیکن حور بانو اس وقت تک نہیں جانتی تھیں کہ کوئی کاکل شبگیر، بھی فدا کی دامن گیر تھی۔ یہ ان کے لئے لمحہ فکر یہ تھا ۔۔۔۔وہ تو فدا کو بلاشرکت غیرے اپنانا چاہتی تھیں۔ قرین قیاس یہ بات تھی کہ فدا نانا یا دادا ہونے کی بزرگی پا چکے ہونگے۔ لیکن ظاہر ہے ان کا خیال غلط نکلا۔ ادھر فدا حسین خوش تھے کہ ان کی موثر شاعری نے ان کا مسئلہ حل کر دیا۔ جب انہوں نے بڑی مسرت سے حور بانو کے گوش گزار کیا کہ "جہیز" میں وہ اپنی ایک عدد بیٹی بھی ساتھ لا رہے ہیں تو حور بانو کا ماتھا ٹھنکا۔ وہ اپنی اقلیم کی سرتاج تھیں۔ ایک جوان چھوکری (جو یقیناً خوبصورت بھی ہوگی) ان کی عالیشان چھت کے نیچے مسلسل انہیں ان کی عمر رفتہ کی یاد دلاتی رہے۔ انہیں کیسے گوارا ہوتا۔! ہاں اگر وہ چھوٹی سی گڑیا جیسی پیاری بچی ہوتی تو وہ اس سے اپنی خالی گود ہری کر لیتیں۔ جس سے ان کے مرحوم شوہر نے انہیں محروم رکھا تھا۔

وہ کچھ دیر اپنی نازک جوتی سے زمین بجاتی رہیں۔

"آپ اس کی شادی کیوں نہیں کر دیتے؟" حور بانو نے فدا حسین سے کہا۔

" اسے آگے پڑھنے کا بہت شوق ہے ۔۔۔۔ ہاسٹل میں رہ جائیگی "

۔۔۔۔فدا حسین نے اپنی متمول منگیتر کا تامل دیکھ کر اپنی دانست میں بڑی صائب رائے دی۔

حور بانو نے انہیں دزدیدہ نظروں سے تولا۔۔۔۔۔۔یعنی ابھی بنئے نے تولا بھی نہیں اور گاہک کہتا ہے جھکتا تول۔۔۔۔۔واہ!، انہوں نے سوچا۔

"ہاسٹل اور فیس کا تو خرچہ بیٹھے گا"۔۔۔۔۔انہوں نے ہونٹ بھینچ لئے۔اور فدا حسین بغلیں جھانکنے لگے "بہتر یہی ہوگا کہ اس کی شادی کر دی جائے"۔حور بانو نے کچھ دیران کے چہرے کا تاثر پڑھ کر کہا۔

"شادی؟"۔۔۔۔فدا حسین چونکے۔۔۔جیسے حور بانو نے کوئی انوکھی بات کہ دی ہو۔

"جب لڑکیاں پیدا ہوتی ہیں تو بڑی ہونے پر ان کی شادی کرنی پڑتی ہے"حور بانو نے تحمل سے کام لیکر کہا۔۔۔۔۔ویسے فی الحال انہیں فدا کی یہ کھوئی ہوئی ادا بھائی تھی۔

"لڑکا۔۔۔۔لڑکا کہاں ہے؟"انہوں نے ایسے کہا جیسے فوراً کوئی دلہا اس دیوان کے نیچے سے رینگ آئے گا جس پر حور بانو ٹھسے سے بیٹھی تھیں۔

"آپ کو فکر کرنے کی ضرورت نہیں"۔۔۔۔حور بانو کے ذہن میں وہ دو تین پھٹیچر نوجوان شاعر ابھرے جو ان کی شان میں قصیدے لکھ لکھ کر سناتے اور انعام میں "نان نمک" کے حقدار بن جاتے۔

"ایک دو لڑکے میری نظر میں ہیں۔۔۔۔۔لین دین کا سوال بھی

نہیں پیدا ہوگا ۔۔۔ تھوڑا بہت جو خرچہ ہوگا میں اٹھا لونگی ۔۔۔۔" وہ بڑی خدا ترس تھیں ۔۔۔ کئی غریب لڑکیوں کی شادیاں کروائی تھیں ۔۔۔ لڑکوں میں کسی کو سائیکل کی دکان لگوادی تو کسی کو پان کا ڈبہ کھلوادیا۔

فدا حسین نے اپنی نئی بیساکھی پر تشکر کی نظر ڈالی ۔ کتنا مزہ ہے خود کو کسی کے حوالے کر دینے میں!

التمش کی غیر حاضری میں مسیح ہی اختر بخت کا دست راست تھا۔ اسٹیٹ اور بزنس کے ہر داؤں پیچ سے واقف ۔ اختر بخت کی رہنمائی میں وہ بہت جلد کام پر حاوی ہو گیا تھا ۔ جسکا اسے بہت معقول معاوضہ ملتا تھا ۔ یہ ذمہ داری اسنے اختر بخت اور بیگم کی شفقت اور احسانوں کے بدلے میں سنبھالی ہوئی تھی ۔ ورنہ چرچ اور مشن کا کام ہی اسکے لئے بہت زیادہ تھا۔

مسیح میں سنجیدگی اور بردباری کوٹ کوٹ کر بھری تھی ۔ باغاں کے کارندوں نے اسے کبھی اونچا بولتے نہیں سنا تھا ۔ لیکن ڈورا کے دل میں جو بات پھانس بن کر کھٹکتی تھی وہ اسکے بیٹے کا خود اپنے مستقبل کے بارے میں فیصلہ تھا ۔ مسیح نے لڑکپن میں ہی طے کر لیا تھا کہ وہ پادری بن جائیگا ۔ ڈورا کو ہرگز یہ گوارا نہیں تھا ۔ کہ اسکا خوبرو بیٹا راہب بن جائے ۔ دنیا تج دے ۔ لیکن جب بھی وہ مسیح سے اس بارے میں بات کرنا چاہتی تو چپ سادھ لیتا ۔ اتوار کو چرچ کی سروسس میں کیسی کیسی چلبلی حسین لڑکیاں اسکی ایک نظر کی محتاج ہوتیں ۔ لیکن مسیح ان کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا ۔ اسکا

لباس سادہ ہوتا جس میں اسکی شخصیت کی متانت اور بھی نکھر آتی۔ سنہری چشمے کے پیچھے ذہین اور سنجیدہ آنکھیں بتاتی تھیں کہ اسنے دنیا کو کبھی رنگین چشمے کا فساد نہیں سمجھا۔ نیلی آنکھوں میں ایسا لگتا تھا جیسے بسیط آسمان کی گہرائیاں سمٹ آئی ہوں۔

جب ڈورا کے احتجاج کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا تو اسنے دل ہی دل میں فیصلہ کر لیا کہ بشپ سے جاکر ملیگی اور درخواست کریگی کہ مسیح کو پادری بننے کی اجازت نہ دے۔ اسکا الٹا ہی اثر ہوا۔ بشپ، مسیح اور اسکے اٹل ارادے سے واقف تھے۔ انہوں نے لٹے ڈورا کی سرزنش کی کہ وہ اپنے بیٹے اور خدا کے بیچ حائل نہ ہو۔

مسیح ابھی پریسٹ ہوڈ کی ابتدائی مراحل سے گزر رہا تھا۔ اسٹیٹ کے کاموں سے فرصت پاتا تو کلیسیائی قوانین کی کتابوں میں الجھا رہتا۔ اوٹی میں کیسی کیسی میوزک پارٹیاں ہوتیں۔ شراب میں شباب گھلتا رہتا لیکن مسیح کو ان سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ وہ پاک وصاف بااصول زندگی کا دلدادہ تھا اسنے چرچ کے پھاٹک پر ایک بورڈ پر لکھ کر لگا دیا تھا۔

TRESSPASSERS WILL NOT BE PROSECUTED

بیشک وہی تو ایک گھر ہے خدا کا جہاں جرم کی پاداش عفو و درگزر ہے۔ آو، کبھی تو آو، بھولے بھٹکے ہی سہی، کوئے ندامت اور بازار فضیحت جاتے تو تمھارے پاوں نہیں تھکتے۔ کبھی ادھر کا رخ بھی تو کر دیکھو!

حور بانو نے آخر کا کل کے لئے لڑکا ڈھونڈ ہی لیا۔ اور یہیں سے اسکے

اور اس کے والد کے راستے الگ ہو رہے تھے۔وہ تھکی سی وہیں اس پرانے ادھڑے ہوئے صوفے کے دستے پر ٹک گئی جسے کچھ دیر بعد کباڑیا لے جانے کے لئے آنے والا تھا۔اور تب ہی اس کے والد فدا حسین گھر میں داخل ہوئے۔ کاکل نے انہیں پہلے ہی گھر چھوٹا سا گیٹ کھول کر داخل ہوتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔اس گیٹ سے ابھی تک اس کی ماں کا پینٹ کیا ہوا رنگ نہیں چھوٹا تھا۔ حتیٰ کہ اس پر سے دو برساتیں گزر چکی تھیں

صبح سے وہ کتابیں چھانٹ رہی تھیں۔کتابوں کا چھوٹا سا ڈھیر جو اسکی ملکیت تھا۔اسکی اور اسکے والد کی کتابیں الگ الگ۔کیونکہ اب انہیں الگ الگ ہی رہنا تھا۔وہ گھر جسے وہ بچپن سے اپنا سمجھتی آئی تھی، اسکا نہیں تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے اسکی ماں کے مرنے کے بعد وہاں کی ہر چیز یکلخت اسکے لئے پرائی ہو چکی تھی۔جانے والے اپنا دامن ایسے ہی چھڑاتے ہیں کیا؟ سب کچھ سمیٹ لے جاتے ہیں! محبت، سکون، دلار خود غرض کہیں کے! جو کچھ بچتا ہے وہ یہیں ایک پریشان کن خلا جہاں نہ پاؤں زمین پر ٹکتے ہیں نہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی دیتا ہے۔جو کچھ نظر آتا ہے وہ بھی کسی کام کا نہیں ہوتا بس ایک دھن ایک خیال کہ کاش ایسا نہ ہوتا۔وہ چھوٹا سا گھر جو کبھی کاکل کی جنت تھی۔بس اب ایک چار دیواری ہو کر رہ گیا تھا۔اسکی دیواروں کا چوکھٹا جیسے کستا ہی جا رہا تھا

چھوٹے سے گیٹ میں داخل ہونے پر جو باغیچہ اسکی ماں نے لگایا تھا۔ اسکے اب بھی کچھ نشان باقی تھے۔ہالی ہاک کے کٹورے اب بھی شبنم سے بھر جاتے تھے۔جوہی کی کلیاں اب بھی مہکتی تھیں۔جیسے اسکی ماں خوشبو بن کر

ان پھولوں میں سما گئی ہو

کاکل نے اپنے والد کے خوش باش چہرے کی طرف دیکھا۔چند دنوں سے اب وہاں ایک نئی جلا آ گئی تھی۔یوں بھی وہ اپنی عمر سے کافی چھوٹے لگتے تھے ایسی جواں سالی بے فکری کی دین ہوتی ہے جو حور بانو نے انہیں بخشی تھی۔

باپ کو اندر آتا دیکھ کر کاکل کا فوری ردِ عمل یہی ہوا کہ وہ دوڑ کر ان کے سینے سے لگ جائے اور پھوٹ پھوٹ کر رو پڑے۔ شمع کی لو خوش رنگ سہی لیکن اس سے لپٹنے کا انجام سبھی جانتے ہیں۔خاص کر کاکل کو اگر سر پھوڑنا تھا تو وہی دیوار کافی تھی جس پر اسکی ماں کی دھندلی تصویر اب بھی لٹک رہی تھی۔

وہ اپنے باپ سے پوچھنا چاہتی تھی کہ کیوں ــــــــ آخر کیوں اسکی قسمت کا فیصلہ اس جلد بازی میں کیا جا رہا تھا۔لیکن اپنے باپ کے مسرور و تابندہ چہرے کو دیکھ کر اسے اپنا ارادہ بڑا ظالمانہ لگا۔وہ ایک معصوم بچے کی طرح خوش تھے جسکے آگے خود اسکالر کپن ماند تھا۔انہوں نے خود ہی آگے بڑھ کر کاکل گلے لگالیا اور کاکل نے ایک غیر مرئی قوت سے اپنے آنسوؤں پر قابو پالیا۔

"کاکل میری بچی ـــ ہر چیز کا انتظام ہو گیا۔" ـــ "انہوں نے کہا۔" اور یہ سب کچھ ــــــ"

"........ حور بانو کی وجہ سے ہوا ہے نا" ــــــ کاکل نے چاہی

بھرے کھلونے کی طرح کہا۔۔ کیونکہ اسکے والد اس سے احسانمندی کے دو بول سننا چاہتے تھے کہ وہ کاکل کے لئے بھی ہر لحاظ سے فائدہ مند ہے۔ کاکل نے رندھے ہوئے گلے سے وہی کہا جو اسکے والد سننا چاہتے تھے۔ رنگین پردوں کے پیچھے کبھی جو قیامت چھپی رہتی ہے اسے بہت کم لوگ دیکھ پاتے ہیں۔ پردے اسی لئے تو ہوتے ہیں! خوبصورت چیزوں پر کہاں پردے ڈالے جاتے ہیں؟

"کون ہے بابا وہ؟"۔۔۔۔۔ کاکل سے رہا نہ گیا۔ اسنے جاننا چاہا کہ اسکی قسمت کسکے ساتھ باندھی جارہی تھی۔

فدا حسین سناٹے میں آگئے۔ انہیں معلوم ہوتا تو بتاتے کہ اپنی اکلوتی لڑکی کا ہاتھ وہ کسکے ہاتھ میں تھمارہے تھے۔ انہیں تو حور بانو کا ایک مختصر سا خط ملا تھا کہ انہوں نے کاکل کے لئے مناسب رشتہ تلاش کرلیا تھا اور نکاح کی تاریخ بھی انہوں نے خود مقرر کردی تھی۔ لکھا تھا کہ وہ خود مقررہ دن لڑکے کو لے کر پہنچ جائینگی۔ مزید یہ بھی لکھا تھا کسی زیرباری کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں۔

"کیوں بابا؟" کاکل نے جواب نہ پاکر پوچھا "کیا میرا شادی کرنا ضروری ہے؟"

فدا حسین کے اڑتے ہوئے گھوڑے نے گویا ٹھوکر کھائی۔ وہ حیرت سے بیٹی کو تکنے لگے۔

"تم نے ایسا سوال کیوں کیا جسکا جواب تم خود جانتی ہو"۔

ہاں - کاکل اپنے سوال کا جواب جانتی تھی - لیکن ہمیشہ ایک سوال کا ایک ہی جواب تو نہیں ہوتا - لیکن بظاہر اسکے والد کے پاس اسکے سوال کا کوئی جواب نہیں تھا - کیونکہ وہ دوسری شادی کر رہے تھے - اور حور بانو کی حویلی کشادہ ہوتے ہوئے بھی اسکے لئے تنگ تھی - جب سے فدا حسین نے اسے اس کی شادی کی غیر متوقع خبر سنائی تھی اس نے کئی زاویوں سے اس سے بچنے کی کوشش کی تھی - زندگی کی کشمکش کا اسے کوئی تجربہ نہیں تھا - پھر بھی اس نے ملازمت ڈھونڈنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی - گھر کی آمدنی عنقا تھی کیونکہ گھر کرائے کا تھا تو کرایہ نہ ملنے پر مالک مکان کی نوٹسوں سے پٹا پڑ رہا تھا اور اب انہیں خالی کرنے کے لئے کورٹ کی نوٹس مل چکی تھی -

"ہو سکتا ہے حور بانو ہی مجھے کوئی نوکری دلا سکیں" - اسنے ڈوبتے دل سے پوچھا "پھر مجھے خود ذرا سا وقت مل جائے تو کوشش کر دیکھوں ؟" باپ کا پس و پیش دیکھ کر اسنے جملہ پورا کیا -

"اس میں تو بڑا وقت لگیگا" - فدا حسین فکر مند ہو کر بولے - انہوں نے جیسے تیسے مالک مکان کو راضی کر لیا تھا کہ جونہی کاکل کی شادی ہو جائے وہ گھر چھوڑ دینگے - بیٹی کی بات سن کر وہ کچھ خفا سے ہو گئے - ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کاکل خواہ مخواہ اچھے بھلے تصفیے میں رخنے ڈالنے کی کوشش کیوں کر رہی تھی - "لڑکیاں تو اپنی شادی کے خواب دیکھا کرتی ہیں" کتنا کم جانتے تھے وہ اپنی بیٹی کو! ویسے ان کی فکر بجا تھی - بیٹی کی رخصتی کے بعد وہ خود الہ آباد رخصت ہونے والے تھے - اب کاکل کا بکھا انداز انکے سارے

منصوبوں پر پانی پھیرتا نظر آرہا تھا۔ وہ بحسن وخوبی ایک باپ کی طرح اپنا مقدس فرض پورا کرنا چاہتے تھے اور یہ لڑکی!....... اسکی ماں بھی کبھی کبھی ایسے ہی بجھ جایا کرتی تھی۔

"ٹھیک ہے بابا۔ جیسی آپکی مرضی"۔ کاکل نے انکے تیور بھانپ کر بے دلی سے کہا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ حالانکہ اس طرح ہتھیار ڈال دینا اسکی سرشت میں نہیں تھا۔ لیکن ماں کی موت کے بعد حالات نے کچھ ایسی کروٹ لی تھی کہ اسکی ناتجربہ کار زندگی الجھ کر رہ گئی تھی۔ اسنے غور کیا تو اس نتیجہ پر پہنچی کہ واقعی وہ لڑکا جس سے اسکی شادی ہورہی تھی پڑھا لکھا اور سلجھا ہوا انسان نکلا تو زندگی لشتم پشتم گزر ہی جائیگی۔ زندگی میں کہیں نہ کہیں حالات سے سمجھوتہ تو کرنا ہی پڑتا ہے۔ لیکن فی الحال تو اسے ایک اندھی گلی سے گزرنا تھا۔ کیونکہ اسکے والد خود اس لڑکے کو نہیں جانتے تھے جسکے ہاتھ میں وہ اسکا ہاتھ دینے راضی ہوگئے تھے۔

وہ رندھے گلے سے چھت پر اپنے کمرے میں چلی گئی۔

اس نے اچانک سردی محسوس کی اور وہیں پڑی اپنی ماں کی پرانی شال سے سر اور کندھوں کو ڈھک لیا جیسے وہ اپنے گرد ماں کی باہوں کی کمی سختی سے محسوس کررہی تھیں۔ ماں کی شال پرانی۔ دو جگہ رفو والی تھی۔ ویسے ماں کے کپڑے، ماں کے جوتے ہمیشہ ہی پرانے ہوتے۔ تبھی تو اسکی اور اسکے والد کی نئی چیزیں آسکتی تھیں اسنے کھڑکی سے باہر نیچے صحن میں نارنگی کے پیڑ کو دیکھا۔ روز صبح اسکی نوخیز کلیوں کی مہک اسے نیند سے جگاتی تھی۔ اور ساتھ

ہی نیچے کچن سے اٹھتی کافی کی خوشگوار لپٹیں جو اس کی ماں تیار کر رہی ہوتی۔ بیتے ہوئے دنوں کی یادیں کچھ زیادہ ہی خوشگوار لگتی ہیں۔ کچھ خوشبوئیں۔ انہی قاصدوں کے دوش پر تو یادوں کی پریاں آکر چھیڑ جاتی ہیں۔ سخت محنت اور تنگدستی کے باوجود اسکی ماں کا مسکراتا چہرہ اور کام کرتے وقت مسلسل گنگنانے کی عادت۔ باپ کی آرام پسندی اور سہل انگاری کے باوجود جتنا مکمل بچپن اسکی ماں نے اسے دیا تھا وہ اسی کا حصہ تھا۔ کاش وہ اسی ماضی کو لوٹ سکتی! لیکن اگر کوئی ماضی میں لوٹ سکتا تو ماضی، ماضی کیوں کہلاتا۔ اور مستقبل بد قسمتی سے ہمیشہ ہی گل تر کی شکل میں سامنے نہیں ہوتا کہ کوئی اسکی آرزو کرے۔ یہی کیفیت اس وقت کاکل کی تھی۔

مردوں کو اس نے اپنے باپ کے پیمانے پر تولا تھا۔ جنہوں نے زندگی میں اسکی ماں کا استحصال کیا۔ یا پھر اپنی ساتھی لڑکیوں کے خوابوں کے ان شہزادوں کو دیکھا تھا جو کالج کے گیٹ پر انتظار میں پینترے بدلتے رہتے تھے۔ کچھ لڑکیاں جب کوئی نہ ملا تو لڑکیوں کے کالج کے اکلوتے مرد ٹیچر، چار بچوں کے باپ پر فدا تھیں۔ اب انہیں کون سمجھاتا کہ بیچارہ کالج میں کوڑھ مغز چھوکریوں کے پیچھے سر کھپا کر جاتا ہوگا تو چار بچے اور کھنس بیوی اس پر یلغار کرتے ہونگے۔ وہ سب چھچھورے عشق کے عارضے میں مبتلا تھیں۔ ایسے مشاہدوں نے اسے شادی سے متنفر کر دیا تھا۔ اور اب حالات ایسے پیدا ہو گئے تھے کہ اسکے لئے شادی ہی ایک ایسا راستہ بچ رہا تھا۔ کیا واقعی وہ اتنی مجبور ہو گئی تھی؟

کہیں بھاگ کھڑی ہو ۔! کہاں ؟ ۔ شادی سے صاف انکار کردے !۔ کہاں رہیگی ؟ ۔ آمدنی کی کیا صورت ہوگی ؟ اور اس سے کیا حاصل ہوگا آخر وہ اتنی مجبور کیوں ہو ؟ کیا کمی ہے اس میں ۔ ؟ اسکی نظر سامنے رکھے قد آدم آئینے پر گئی ۔ وہ شیشہ ابھی ابھی ٹوٹا تھا ۔ آندھیاں چلتی ہیں تو شیشے ٹوٹتے ہی ہیں ۔ اسنے ٹوٹی ہوئی دھار سے خود کو بچا کر دیکھا ۔ وہاں ایک چھریرے بدن، سبک نین نقش والی کھڑی تھی ۔ کھلتی ہوئی رنگت، حسین چہرہ کھنچی کمان جیسی ابروؤں کے نیچے بادامی آنکھیں، ستواں ناک کے نیچے قدرے بھرے بھرے ہونٹ ۔ ڈھیلے گوندھے بالوں کی سیاہ لٹ جو ہمیشہ رسہ کشی پر آمادہ رہتی ۔ اسکے گھنے خوبصورت بال ہی تو اسکے نام کی وجہ تسمیہ تھے ۔ وہ نام اسکے والد کی دین تھی ۔

کاکل فروختند وچہ ارزاں فروختند، اس نے ایک کھسیانی مسکراہٹ کے ساتھ سونچا ۔

قدرت کی اس فیاضی کے باوجود کشمکش کی اس دنیا میں اسکا حسن اسکے کسی کام کا نہیں تھا ۔

ایک بار کسی فلم کی شوٹنگ ہو رہی تھی ۔ اپنی ساتھیوں کے ساتھ وہ بھی تماشا دیکھنے چلی گئی تھی ۔ تماش بینوں کے جمگھٹ میں گوہر شناس ڈائرکٹر کی نظر اس پر پڑی اور اس نے فوراً کاکل کو اپنی اگلی فلم کی ہیروئین کے کارول پیش کر دیا ۔ کاکل وہاں سے بھاگ نکلی ۔ اس ڈائرکٹر کا تعارفی کارڈ اب بھی اسکی کسی کتاب کے بیچ دبا پڑا تھا ۔ کیا وہ فلموں میں اپنی جگہ ڈھونڈے ؟ لیکن

وہاں بھی تو اسکے دام لگتے اشتہاروں میں لکھا جاتا، لاکھوں دلوں کی جانی ۔ کاکل رانی ۔ ہراس کے باوجود اسے ہنسی آگئی ۔ اور موتیوں کی طرح اسکے دانت چمکے ۔ مسکراہٹ دراصل خوبصورت دہانوں کا پیدائشی حق ہوتی ہے ۔

اب رہی ارمانوں اور آرزوؤں کی بات تو کیا اسے کسی پرنس چارمنگ کی تلاش تھی اور اگر وہ کبھی اسکے بارے میں سوچتی بھی تو فوراً خود کو ٹوک دیتی ۔ اول تو آج کے زمانے میں پرنس چارمنگ ہوتے ہی نہیں ۔ اور اگر ہوں بھی تو ہو سکتا ہے انکا بوسہ اندرائن کا زہریلا بوسہ ہو جو اسکے خوابوں میں زہر گھول دے ۔

جب انسان خود سوچ سوچ کر کسی نتیجے پر نہیں پہنچتا تو دوسروں کی رائے میں خوبیاں ڈھونڈنے کی کوشش کرتا ہے ۔ حور بانو نے اسکے لئے لڑکا ضرور چنا تھا لیکن اسکے والد اتنے غیر ذمہ دار تو نہیں ہو سکتے تھے کہ انہوں نے آنکھ بند کر کے حور بانو کی رائے سے اتفاق کر لیا ہو! ۔ کیا شریف لڑکیاں اپنے والدین کا کہا نہیں مانتیں ؟

دن کے گیارہ بج رہے تھے اور دلہے کا ابتک پتہ نہیں تھا ۔ حالانکہ ٹرین کو صبح نو بجے پہنچنا تھا ۔ فدا حسین بار بار دور تک جاتے اور دیکھ آتے ۔ آتی جاتی ہر ٹیکسی میں جھانکتے اور وہ گذر جاتی ۔ قاضی اور گواہ بھی بیٹھے بیٹھے اونگھنے لگے تھے ۔ فدا حسین کو حور بانو کا حکم تھا کہ انہیں اسٹیشن آنے کی ضرورت نہیں ۔ ایک کاکل ہی تھی جسے کسی کا انتظار نہیں تھا ۔ پھر بھی جب گھر کے سامنے ٹیکسی آکر رکی تو اسکا دل دھڑکنے لگا مگر اسکی ہمت نہیں ہوئی کہ

اٹھکر دیکھے۔

فدا حسین ہانپتے کانپتے کاکل کے پاس پہنچے

"وہ لوگ آگئے ہیں"۔ انہوں نے کمال دلچسپی سے کہا۔ جیسے برات کا انتظام انہی کے ہاتھوں میں ہو۔

ان کے پیچھے ہی سج سج کر سیڑھیاں چڑھتا ہوا کوئی آرہا تھا۔ کاکل نے سر اٹھاکر دیکھا تو دروازے میں حور بانو کھڑی تھیں۔ درمیانہ قد، بھرا بھرا بدن، گورا رنگ، آنکھوں میں غضب کا اعتماد۔ ایک گال میں شاید گلوری تھی۔ ہونٹ قدرے بھینچے ہوئے۔ چتون کٹیلی۔ کاسنی رنگ کا بیل دار غرارہ اور اسی رنگ کا فرنچ شیفان کا دوپٹہ۔ جسے انہوں نے سر پر لیا ہوا تھا۔ خاصی قبول صورت تھیں۔

کھنڈر بتا رہے تھے عمارت عظیم تھی!

کاکل انہیں دیکھ کر کھڑی ہوگئی۔ وہ سرتاپا کاکل کا جائزہ لے رہی تھیں۔ انہوں نے جسے چنگاری سمجھا تھا وہ تو شعلہ نکلی۔

کاکل نے سلام کیا جسے انہوں نے آنکھ کے اشارے سے قبول کیا۔

"بڑا نیک لڑکا ڈھونڈا ہے ہم نے تمھارے لئے"۔ وہ بولیں "تم اسکے ساتھ خوش رہوگی۔ انہوں نے جیسے گیرنٹی دی۔" ہم ہی نے اسے چائے خانہ لگاکر دیا ہے"۔

کاکل چونکی۔ حور بانو اچھی خاصی God Father ثابت ہو رہی تھیں۔

" میں ، میں اپنی پڑھائی جاری رکھنا چاہتی ہوں " ۔ کاکل نے آخری کوشش کر کے دیکھنا چاہا۔

" یہ شاید ممکن نہیں ہوگا" حور بانو نے ہاتھ کے اشارے سے بات کو آئی گئی کر دیا۔ " حفیظ کی ماں فریش ہیں، بستر سے اٹھ نہیں پاتیں ۔اس کی بس یہی ایک شرط ہے کہ تم ان کی خدمت دل وجان سے کروگی" ۔

کاکل کو دھچکا سا لگا۔ وہ تو اپنی قسمت پر شاکر ہونے چلی تھی لیکن اسے معلوم نہیں تھا کہ کس شرط پر اسکی شادی ہو رہی تھیں۔

" میں .... حفیظ صاحب سے ملنا چاہتی ہوں " ۔ کچھ دیر بعد وہ سناٹے سے نکل آئی اور دل کڑا کر کے کہہ ڈالا۔

" دیکھ لوگی، دیکھ لوگی۔ کسی لنگڑے لولے سے تمھاری قسمت نہیں باندھی جارہی ہے " ۔حور بانو نے قدرے ناگواری سے کہا۔ کاکل کا حسن انہیں کچوکے لگا رہا تھا۔" وہ تمھارے والد کے ساتھ اوپر آرہا ہے" ۔

حور بانو کو یہ کہنے کی ضرورت نہیں تھی ۔ کاکل نے خود سیڑھیوں پر قدموں کی چاپ سن لی تھی ۔پہلے کچھ کھسیائے سے فدا حسین اور انکے پیچھے ، دلہا داخل ہوا۔

سڑکوں بازاروں میں ہزارہا شکلیں نظر آتی ہیں کوئی انہیں درخور اعتناء نہیں سمجھتا لیکن جو شخصیت کاکل کی ساری زندگی کی ساتھی بننے والی تھی وہ نظر کی آماجگاہ بن گئی ۔جب ہم نے کسی رسی سے کوئی یونہی سا بنڈل باندھا ہو تو ہمیں کوئی تکلف نہیں ہوتا۔ لیکن وہ رسی اگر خود اپنی زندگی

بچانے کے لئے استعمال کرنی ہو تو ہم اسکی مضبوطی کو سو طرح آزماتے ہیں۔

کاکل نے حفیظ میں جو کچھ دیکھا اسے ششدر کرنے کیلئے کافی تھا۔ سب سے پہلے تو سستے پرفیوم کی بھبکار نے اسکے آنے کا اعلان کیا پھر جو شئے، اسکے سامنے آئی وہ کسی گہرے سبز رنگ کے لباس میں کھوئی ہوئی تھی، وہ سفاری سوٹ بھی ہو سکتا تھا۔ کلائی پر چوڑی چکلی گولڈن گھڑی۔ باپنچھوں تک زلفیں جنہیں ماتھے پر کلغی کی طرح ابھارا گیا تھا۔ پسینے سے شرابور چہرہ جیب سے سرخ رنگ کا رومال نکال کر صاف کیا گیا۔

"کیسا چل رہا ہے تمھارا کام؟"۔ گویا کاکل کی معلومات بڑھانے کے لئے حور بانو نے پوچھا۔

"جی آپکی دعا ہے۔" کمال انکساری سے جواب ملا۔"جب سے میں نے اپنے چائے خانے پر لاوڈا سپیکر لگایا ہے دور دور تک میرے ہی فلمی گیتوں کی آواز گونجتی ہے۔ بہت لوگ آتے ہیں"۔

حور بانو نے فاتحانہ انداز میں کاکل کی طرف دیکھا۔

اسی وقت کاکل کی نظر جب حفیظ سے ٹکرائی تو اسے جھرجھری سی آگئی وہ آنکھیں اسے دیکھ کر رال ٹپکا رہی تھیں۔ کاکل کو بدن پر چھپکلیاں سی رینگتی محسوس ہوئیں۔

"لو اب جلدی تیار ہو جاؤ"۔ حور بانو نے حکم صادر کیا اور پلٹ کر خراماں خراماں واپس، نیچے چلی گئیں۔

فدا حسین مکمل طور پر ایک سوالیہ نشان بن گئے تھے۔ ان کے دل

میں وسوسے اٹھ رہے تھے ۔ تھوڑی سی حسرت بھی تھی ۔ کہ حور بانو نے یہ کس طرح کا رشتہ انکی تعلیم یافتہ بیٹی کے لئے ڈھونڈا تھا ۔ لیکن زندگی کے تقاضے بھی تو پورے کرنے تھے ۔

حور بانو نے جان بوجھ کر یہ نہیں کیا تھا ۔ انہوں نے دو تین نوجوان شاعروں پر جھانپ ڈالنے کی کوشش کی تھی جو خود ان سے نکاح کے متمنی تھے لیکن ناکام رہے ۔ وہ بھوکے ننگے ان سے زیادہ ان کی دولت کے مداح تھے وہ ان کے کہنے سے خود پر ذمہ داریوں کا بوجھ کیوں سوار کرتے ؟ تب حور بانو کی نظر کرم حفیظ پر پڑی جو کئی بار بیگم صاحبہ کو سلام کرنے کے لئے آچکا تھا ۔ غرض وہی تھی کہ کچھ کرم ہو جائے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ حور بانو نے اس شرط پر اسے چائے خانہ لگوا دیا کہ وہی اس کی شادی بھی کروائیں گی ۔ اب کاکل کو دیکھنے کے بعد وہ بھی اپنی خجالت پر قابو پانے کی کوشش کر رہی تھیں ۔ اپنی جلد بازی میں انہوں نے اندازہ ہی نہیں لگایا تھا کہ فدا حسین لاکھ نکمے اور غیر ذمہ دار باپ کیوں نہ ہوں ۔ ان کا خاندان بہت اچھا تھا ۔ ۔ ۔ لیکن اب تیر کمان سے نکل چکا تھا ۔ انہوں نے پیسہ خرچ کر کے حفیظ کو ہوٹل کھلوا دیا تھا جسے چائے خانہ کہنا زیادہ مناسب تھا ۔ اور اب کاکل کو دیکھ لینے کے بعد حفیظ کی ریشہ خطمی بھی دیکھ چکی تھیں ۔

کاکل کو تیار ہونے میں کوئی وقت نہیں لگا ۔ کیونکہ وہ تیار ہی تھی ۔ ہر طرح تیار ۔ وہ دھیرے دھیرے سیڑھیاں اتر آئی ۔

قاضی صاحب اور گواہ بھی سنبھل کر بیٹھ گئے ۔ وہ سخت بور ہو رہے

تھے وہ بھی کیا شادی جیسی شادی تھی کہ ایک پیالہ چائے تک نصیب نہیں ہوئی ۔ وہ دلہن بھی کیسی تھی جو سمٹی سمٹائی الگ کمرے میں نہیں بیٹھی، ساتھ نہ کوئی سکھی نہ سہیلی، بے شرمی سے منہ اٹھائے محفل میں چلی آئی ۔

حفیظ کے ساتھ گواہوں کی طرح آئے ان کے دوست بھی بس ان ہی کی قبیل کے افراد تھے ۔ وہ کاکل کو دیکھ کر دل میں سوچ رہے تھے کہ واہ کیا ہاتھ مارا ہے یار نے، پری چہرہ بیوی اور جہیز میں چائے خانہ ،

"کاکل فدا حسین" ۔۔۔ قاضی صاحب نے تیز رفتاری سے کہا کیونکہ انہیں جانے کی جلدی تھی ۔ "بعوض ڈھائی ہزار روپے سکہ رائج الوقت مہر تمہارا نکاح حفیظ محمد ولد رئیس محمد سے کیا جاتا ہے ۔۔۔ کیا تمہیں منظور ہے ؟" کاکل کے جواب کا انتظار کئے بغیر انہوں نے جلدی جلدی تین بار اپنی بات دہرائی اور اپنا رومال جھٹک کر چمپت ہونے ہی کو تھے کہ کاکل کی آواز اٹھی ۔

"جی نہیں مجھے یہ نکاح منظور نہیں ہے" ۔۔۔ اس کی آواز بہت صاف تھی اور ہر لفظ نپا تلا تھا ۔

اٹھارویں صدی نے جہاں تاریخ کو عظیم فلسفی دئے اسفل ترین غدار بھی اسی صدی میں پیدا ہوئے ۔ فرانس کو اسی صدی نے روسو اور والٹیر جیسے فلسفی ادیب دیئے جنہوں نے اپنی نگارشات سے فرانسیسی انقلاب کے بیج بوئے ۔ اسی دور میں اہل فرانس کو وہ مشہور نعرہ ملا جس نے عوام کو منظم

کر دیا۔ یعنی آزادی، مساوات اور اخوت LIBERTY , EQUALITY FRATERNITY اسی دور میں فرانس میں لوئی شانزدہم حکمران تھا۔ اس کی ملکہ اینتولئینے نے فرانس کے ساتھ غداری کر کے آسٹریا کو (جس کے ساتھ فرانس کی جنگ تھی) فرانس کے جنگی راز بتا دیئے جس کی پاداش میں لوئی اور میری اینتولئینے کو گلوٹین پر چڑھا دیا گیا۔

جب نپولین فرانس میں برسر اقتدار آیا تو اس نے آسٹریا کو ۱۷۹۶ء میں شکست دی اور فرانس کا اقتدار دوبارہ قائم کیا۔

یہ وہ زمانہ تھا جب مشرق میں ٹیپو سلطان انگریزوں سے برسر پیکار تھا تو ادھر نپولین مغرب میں اسی قوم سے نبرد آزما تھا۔ اسی لئے ٹیپو کی درخواست پر چاہتے ہوئے بھی وہ مدد کو نہیں پہنچ سکا۔

پیرس میں ایک سیمینار منعقد ہوا جس کا مقصد یہ تھا کہ ان وجوہات کی شناخت کی جائے جن کی بناء پر نو آبادیاتی دور میں جہاں بعض ملکوں، مثلاً انڈوچائنا میں فرانس اپنا اقتدار قائم کرنے میں پوری طرح کامیاب ہوا وہاں ہندوستان میں فرانس کے قدم کیوں جم نہیں پائے۔ اور انگریزوں کے مقابلے میں دو پلے جیسے عظیم فرانسیسی جنرل کو شکست کا منہ کیوں دیکھنا پڑا اور سوائے چندر انگر اور پانڈیچری جیسے چھوٹے علاقوں کے ہندوستان پر اسکا تسلط قائم نہیں ہو سکا۔

اس سیمینار میں مشہور تاریخ دانوں اور آثار قدیمہ کے ماہروں کو شرکت کی دعوت دی گئی تھی۔ التمش بھی ان میں شامل تھے۔ خاص کر اس

لئے بھی کہ وہ ہندستانی نژاد آرکیالوجسٹ تھے ۔ سیمینار میں طے پایا کہ اراگان اور وردو (دو فرانسیسی تاریخ دان) اور التمش پر مشتمل ایک ٹیم جنوبی ہند جائے اور اس موضوع پر ہونے والی ریسرچ میں مزید معلومات حاصل کر کے جمع شدہ مواد فرانس کے تاریخ نویسوں کو فراہم کرے ۔

یہی وجہ تھی کہ التمش سال بھر بعد ہی گھر آئے تھے ورنہ ان کا اگلا Expedition برازیل کے دور دراز علاقوں میں مقرر تھا جہاں وہ دو سال کے لئے مصروف ہو جاتے ۔

بیگم اور اختر بخت کے لئے التمش کی آمد ایک خوش آئند اتفاق تھا۔ شاہ نور کی شادی پر التمش صرف دو دن کے لئے آئے تھے ۔ جو بہت ناکافی تھے اس بار بھی وہ زیادہ تر اپنے ساتھیوں کے ساتھ مصروف رہتے لیکن پھر بھی فیملی کے لئے کچھ وقت نکل ہی آتا ۔ ان کے دونوں ساتھی ، خاص کر اراگان ہندوستانی پکوان کا زبردست دلدادہ ہو گیا تھا ۔ خانساماں اس کی تعریف کے ہر لفظ کا ترجمہ کرا کے سنتا اور جواب میں فرانسیسی میں Merci Monsieur شکریہ جناب کہنا سیکھ گیا تھا ۔

التمش کے آنے کی خبر سن کر شاہ نور اور اس کا شوہر ہمایوں بھی ملاقات کے لئے چلے آئے تھے ۔ شاہ نور اب دو بہت ہی پیارے توام بچوں شہزاد اور زینو کی ماں تھی ۔

" میں جانتی ہوں ، تمہیں بچے بور کرتے ہیں لیکن انہیں تو تمہیں سنبھالنا ہی ہوگا " ــــــ شاہ نور نے کہا اور دونوں بچوں کو التمش کی گود میں

دھنسا دیا اور ان کا دودھ لینے چلی گئی۔

"ڈورا ۔۔۔۔ ڈورا کہاں ہے" ۔۔۔ التمش نے ادھر ادھر بے بسی سے دیکھا،

"ڈورا جہاں بھی ہو ۔۔۔۔ وہ اب بوڑھی ہو رہی ہے ۔۔۔۔ گٹھیا کی مریض ہے" بیگم نے ہنس کر بچوں کو لے لیا اور التمش کی رہائی کی۔

"کوئی بوڑھی نہیں ہو رہی ہے ڈورا ۔۔۔۔۔ ممی" خوش مزاج ہمایوں نے کہا "میں اب بھی اس کے ساتھ فلرٹ کر سکتا ہوں" ۔۔۔

"ٹھیک ہے میں تمہارے لئے اس سے Date لے لونگی" ۔۔۔ شاہ نور دونوں ہاتھوں میں دودھ کی بوتلیں ہلاتی چلی آئی۔

ویسے ڈورا اب بھی تنومند لگتی تھی لیکن گھٹیا نے اسے مجبور کر دیا تھا جہاں اسکے مضبوط ہاتھوں میں شاہ نور نے پرورش پائی تھی ۔۔۔۔ وہی ہاتھ اب اسکے دونوں بچوں کو سنبھالنے سے قاصر تھے۔

"لائیے ایک کو مجھے دیجئے گا" ۔۔ اراگان نے فرانسیسی لہجے میں انگریزی جملہ کہا۔

"YOU!" ۔۔۔۔۔ اختر بخت حیرت سے بولے۔

"تعجب مت کیجئے برگیڈیر" ۔۔۔ اراگان بولا "جارج آرویل کہتا ہے ہر چٹان میں ایک صنم پوشیدہ ہوتا ہے میرے اندر بھی ایک آیا چھپی ہے۔"

"یہی بچے تو بڑے ہو کر تاریخ بناتے ہیں ـــــ ان کا احترام کرو"
تاریخ داں وردو نے بڑھ کر دوسرا بچہ اٹھالیا۔ التمش نے اس کی بات کا
انگریزی میں ترجمہ کیا۔

"دیکھو موسیو نے کتنی مشاقی سے اسے تھاما ہے"۔ بیگم بولیں "تم
نے تو انہیں یوں پکڑا تھا جیسے کھدائیوں میں سے نکلے برتن ہوں۔"
"میں تو سوچتا ہوں کہ بچے بڑے ہو کر ہی پیدا ہوں تو کیا حرج ہے"۔
التمش بولے۔

اگلے پندرہ دن التمش اپنے ساتھیوں سمیت بہت مصروف رہے۔
شاہ نور چند دنوں کے لئے والدین کے پاس رک گئی کیونکہ "کونور" میں
ولنگٹن کے ڈیفنس سروسیز اسٹاف کالج میں ہمایوں کا کورس چل رہا تھا اوٹی
سے ولنگٹن کچھ خاص دور نہیں تھا۔یہی کوئی چودہ پندرہ کیلومیٹر۔چند دن
بعد ہمایوں آکر اسے اور بچوں کو لیجا سکتے تھے ورنہ اختر بخت خود بیگم اور بچوں
کو ساتھ لیکر چلے جاتے بیگم کونور کا چھوٹا سا مارکیٹ پسند کرتی تھیں۔چند
سیڑھیاں اتر کر نیچے جائیے تو صاف ستھرا فرش اور چھوٹی چھوٹی دکانیں۔التمش
کو وہ جگہ مصر کی گتھی ہوئی گلیوں والے بازاروں کی یاد دلاتی جہاں انسان گم
ہو کر رہ جاتا ہے۔فرق صرف اتنا تھا کہ کونور کے بازار میں کبھی کوئی انسان
نہیں بکا ہوگا۔جبکہ مصر کے بازاروں کو کبھی یہ خصوصیت حاصل تھی۔
انسان بھی یوسف سا انسان جن بازاروں میں بکا ہو وہاں کیا کچھ نہ بک جاتا
ہوگا۔

بھاگ ان بردہ فروشوں سے کہاں کے بھائی
بیچ ہی ڈالیں جو یوسف سا برادر پائیں

قطار در قطار عصمتوں کا نیلام۔ انسان کی خودداری اور خودی پر برستے کوڑے۔ آج بھی انکی گونج مصر کے بازاروں میں سنائی دیتی ہوگی

وردو اور اراگان کو اوٹی اور خاصکر اختر بخت کی کوٹھی اور اسکے مضافات اتنے پسند آئے کہ انہوں نے بیگم اور اختر بخت سے اجازت لیکر اپنا قیام وہاں پانچ دن بڑھادیا۔ انکی خواہش کو مخصوص ہندوستانی مہمان نوازی کی اسپرٹ میں بخوشی منظور کرلیا گیا۔

چند دنوں بعد التمش اور ان کے دو ساتھی دلی کے لئے روانہ ہوگئے تاکہ وہاں نیشنل آرکائیوز میں جو مخطوطات و مسودات ہیں ان کا جائزہ لیں اور وہیں سے واپس ہوجائیں۔

التمش کو امریکہ جانا تھا جہاں انکی وجہ سے برازیل کا Expedition رکا ہوا تھا اور اسکی کافی عرصے سے تیاریاں ہو رہی تھیں لیکن اسے مختلف وجوہات کی بنا پر ملتوی کرنا پڑ رہا تھا۔ ایک وجہ تو یہ تھی کہ اسی سے نتھی کیا ہوا ارجنٹینا کا پراجیکٹ بھی تھا۔ ان دونوں پراجکٹوں کو ملاکر کافی وقت درکار تھا اور ساتھ ہی اخراجات کا جائزہ لینا ضروری تھا۔ اب جبکہ فیڈرل گورنمنٹ نے فنڈ جاری کردئے تھے تو خواہ مخواہ پراجیکٹ کو آگے بڑھانا مناسب نہ تھا۔

بریگیڈیر اختر بخت اور ان کی بیگم کی زندگی پرسکون اور قابل رشک

تھی لیکن اچانک ایک حادثے نے ان کی زندگی کا سکون غارت کر دیا،

چائے اور کافی باغان میں کارندے شام سے پہلے واپس ہو جایا کرتے تھے۔ برسوں سے یہی اصول چلا آرہا تھا۔ مسیح نے اپنا ڈسپلین ہی ایسا رکھا تھا کہ کسی کو بلاوجہ شکایت کا موقع نہ ملے۔ نیلگری کی پہاڑیوں میں جنگلی جانوروں کا گذر نہ ہو ایسا کوئی نہیں کہہ سکتا تھا۔ ایک دن پتہ چلا کہ کسی فاریسٹ گارڈ کو آدم خور شیر گھسیٹ کر لے گیا، تہلکہ مچ گیا کیونکہ ابھی تک کسی شیر کے آدم خور ہونے کی رپورٹ نہیں ملی تھی۔

اتفاق سے اسی زمانے میں شاہ نور اور ہمایوں بھی بچوں کے ساتھ آئے ہوئے تھے دونوں جڑواں بچے اب ڈھائی سال کے ہو چکے تھے بیگم اور اختر بخت ان پر جان چھڑکتے تھے ہمایوں کو ان کی تنہائی کا بڑا احساس تھا اس لئے جب بھی موقع ملتا وہ فیملی کے ساتھ چلے آتے۔

آدم خور شیر کے شکاری بہت کم ملتے ہیں شکار کا انسٹی ٹیوشن یوں بھی عہد رفتہ کا بیمانہ شوق مانا جانے لگا تھا وائلڈ لائف کی بقاء کے لئے حکومت نے سخت قوانین اور ان کی پابجائی نہ کرنے والوں کے لئے جرمانے مقرر کئے تھے ایسے میں عام شکاری آدم خور شیر کو مارنے کی ہمت کر کے اپنی جان جوکھوں میں ڈالنے تیار نہیں تھے۔

"یہ کام ہم کرینگے" ہمایوں نے فیصلہ سنایا

کسی نے ان کے فیصلے کو سنجیدگی سے نہیں لیا لیکن وہ بھی دھن کے پکے تھے ایک بار جو کہہ دیا سو کہہ دیا، قوی سے قوی ارادہ اتفاق کی چٹان سے

ٹکرا کر چکنا چور ہو جاتا ہے۔ ان کی گولی سے بوڑھا شیر زخمی تو ہو گیا لیکن اس نے پیچھے سے اچانک ہمایوں پر حملہ کر دیا۔ ہمایوں کی دوسری گولی نے اسے ٹھنڈا تو کر دیا لیکن آدم خور شیر وہ بھی زخمی جب اپنے شکار پر جھپٹتا ہے تو یہ کہاں دیکھتا ہے کہ اسکے پنجے میں کسی بیوی کا سہاگ ہے یا دو معصوم بچوں کا چاہنے والا باپ۔ ہمایوں بچ نہ سکے!

ہمایوں کی موت کی خبر التمش کو دو مہینے بعد اس وقت ملی جب وہ اپنے Expedition سے واپس آئے تب ان کا ہندوستان آنا بے سود تھا اور تب ہی انھیں اس شدید محبت کا احساس ہوا جو ان کے دل میں شاہ نور کے لئے تھی لیکن وہ اب اٹھارہ انیس برس کے جذباتی نوجوان نہیں تھے کہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ اڑے اور پہنچ گئے انھیں یقین تھا کہ ان کی بظاہر نازک نظر آنے والی بہن ہمت والی اور قوی ارادے کی مالک ہے، یہ غم مشکل سہی مگر وہ سہہ جائیگی انھیں اس بات کا بھی احساس تھا کہ ان کے والدین کے لئے یہ صدمہ جانکاہ ہو گا انھوں نے اختر بخت کو کیبل بھجوا دیا کہ اگر ان کی مرضی ہو تو التمش ہمیشہ کے لئے ہندوستان واپس ہو جائینگے۔

اختر بخت نے بھی گولیوں کی برسات میں فیصلے کئے تھے حالانکہ ان کی عین خواہش تھی کہ التمش واپس آجائیں لیکن وہ اپنے بیٹے کے جوش اور ولولے سے واقف تھے وہ التمش کو جذباتی بلیک میل کا شکار بنانا نہیں چاہتے تھے۔

شاہ نور کی جواں سال بیوگی کو انھوں نے ایک سچے سپاہی کی طرح

جھیلا ان کی قوت برداشت نے بیگم کو بھی ہمت دلائی، شاہ نور شوہر کی موت کے بعد دنیا ہی سے کنارہ کش ہونے لگی تھی لیکن اختر بخت اور بیگم اسے کسی کھنڈر کی گونج بنتے نہیں دیکھ سکتے تھے انھوں نے شاہ نور کو مجبور کر کے اسٹیٹ کا سارا کاروبار اسے سونپ دیا خود وہ اور مسیح اسکی مدد کے لئے موجود تھے۔ رفتہ رفتہ شاہ نور اپنے غم پر حاوی ہوتی چلی گئی بس ڈیڑھ سال کے عرصے میں اسنے اتنا کچھ سیکھ لیا جو کوئی نو سکھ شاید پانچ چھ سال میں سیکھتا، اسکی وجہ ممکن ہے یہ ہو کہ بچپن ہی سے اس کے کان ان بحث مباحث سے آشنا تھے جو اکثر گھر میں ہوا کرتے تھے۔

لیکن قدرت کو ہمیشہ کچھ اور منظور ہوتا ہے بنگلور میں ٹی بروکرز کی میٹنگ تھی ایسی میٹنگوں میں خود اختر بخت شاہ نور کے ساتھ شامل ہوا کرتے ورنہ جب سے کہ انھیں بلڈ پریشر کی شکایت ہوئی تھی انھوں نے زیادہ تر کام مسیح اور شاہ نور پر ہی چھوڑ رکھا تھا۔

"آپ کے جانے کی کیا ضرورت ہے؟" شاہ نور بولی "میں اور مسیح کافی ہیں" اختر بخت کچھ سوچتے رہے اور پھر مسیح سے بولے "کیا ریکارڈز ہیں؟"

مسیح نے فوراً اپنا رجسٹر کھولا "تقریباً دس لاکھ پاونڈ چائے مارکیٹ میں پیش کی گئی، مانگ اچھی رہی"

"اور High grown dust?" وہ غور سے سنتے رہے

سر" ہائی گرون ڈسٹ میں بڑھیا کوالٹی والی ڈسٹ کے دام کچھ اور بڑھے مگر Orthdox dust میں پورے آٹھ آنے کی زیادتی ہوئی ہے"

ڈیڈی CTC چائے میں کچھ گراوٹ آئی ہے" شاہ نور بولی
"کل سویرے سات بجے ہم بنگلور کے لئے نکل پڑینگے" اختر بخت نے کہا
"تو پھر میں بھی چلونگی" بیگم بولیں
"بیکار تھکینگی ممی آپ" شاہ نور نے کہا "اور پھر شہزاد اور زینو بھی آپ کو مس کرینگے" فلو کے بعد بیگم بہت کمزور ہو گئی تھیں۔
"شہزاد اور زینو کی چوتھی سالگرہ آرہی ہے، مجھے شاپنگ کرنی ہے" بیگم بولیں
"نہیں نوری" اختر بخت بولے "ممی ضرور چلینگی شہزاد اور زینو کے لئے ڈورا موجود ہے اور وہ مسیح سے بھی ملے ہوئے ہیں، دو ہی دن کی تو بات ہے" وہ جہاں تک ہوسکے بیگم کو اکیلا نہیں چھوڑتے تھے۔

اگلے دن علی الصباح وہ تینوں کار میں بنگلور کے لئے روانہ ہوگئے۔ مسیح نہیں چاہتا تھا کہ اختر بخت خود ڈرائیو کریں لیکن وہ راضی نہ ہوئے۔ دراصل جس شخص نے چاق وچوبند زندگی گذاری ہو وہ بڑھاپے میں خود اپنے بڑھاپے کو شکست دینا چاہتا ہے خود اپنے آپ کو یقین دلانا چاہتا ہے کہ کچھ بھی نہیں بدلا شاید یہی کچھ اختر بخت کر رہے تھے۔

بیگم کے برابر شاہ نور آنے والی میٹنگ کے لئے کچھ فائلوں کا جائزہ لیتی اطمینان سے پچھلی سیٹ پر بیٹھی تھی۔ صبح کی خوشگوار ہوا کے جھونکوں میں وہ آگے بڑھتے رہے ایک موڑ پر دفعتاً اختر بخت کے ہاتھ کانپے ان کی یہ کیفیت

دیکھ کر بیگم نے ان کے ماتھے سے فشار کی طرح بہتا پسینہ اپنے رومال سے صاف کرنا چاہا لیکن ناگہانی، مہلت تھوڑے ہی دیتی ہے، کار بے قابو ہوئی اور پل بھر میں سڑک سے ناطہ توڑ کر گہری کھائی میں جا گری، اختر بخت تو دل کے دورے کے ساتھ ہی ختم ہو چکے تھے کار سے لپکتے شعلوں نے بیگم اور شاہ نور کو مکمل طور اپنی گرفت میں لے لیا۔

جب اس سانحے کی خبر ملی تو التمش برازیل سے حاصل ہوئے data پر اپنی رپورٹ تیار کر رہے تھے مسیح کے بھیجے گئے تار نے انھیں جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔

بمبئی تک التمش کا سفر ہمیشہ کی طرح آرامدہ رہا وہ ٹھیک دو سال بعد آئے تھے لیکن پہلے جب کبھی وہ آتے تھے رجائیت کی شگفتگی ان کے پابہ رکاب ہوتی تھی، اس بار ان کا دل بجھا ہوا تھا اور آنکھیں تپتے انگاروں کی سی ہو رہی تھیں، ان کے تیور سے ان کی اندرونی خلفشار کا اندازہ لگانا مشکل تھا۔ انھوں نے لمبے سفر کے بعد بمبئی میں صرف چائے کا ایک پیالہ پیا تھا۔

Customs میں اس بار پھر انھیں کافی پریشان کیا گیا عہدیداروں کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ بدیس سے آئے مگر سوائے کپڑوں کے چند جوڑوں اور جوتوں کے ان کے ساتھ اور کچھ نہیں تھا۔ کتابیں تھیں وہ بھی خشک لٹریچر کوئی لچر، کوئی Porno کتاب ہوتی تو وہ ہتھیالی جاتی افسروں کو اس مغرور سے مسافر پر جھلاہٹ ہو رہی تھی۔

"کم از کم جرابوں کی ان جوڑیوں سے ایک دو تو دیتے جائیے" کسٹم

افسر نے للچا کر جرابوں کے بنڈل کی طرف اشارہ کیا التمش کا پارہ کافی بلندی پر پہنچ گیا تھا پھر بھی وہ اپنے غصے کو قابو میں رکھے ہوئے تھے۔

"یہ میں خود اپنے لئے لایا ہوں" انھوں نے شائستگی سے جواب دیا لیکن اگر کوئی ان کی شعلہ بار آنکھوں کو دیکھتا تو پتہ چلتا کہ وہاں کتنی توپیں، بندوقیں بھری پڑی تھیں۔

"ان پیسوں میں تم اپنے لئے موزے خرید لینا" انھوں نے چند ڈالر کاونٹر پر پھینکے "اور ہاں........" وہ جاتے جاتے مڑے "اگر کچھ پیسے کم پڑ جائیں تو بل اٹھا رکھنا میں کچھ ہی دنوں میں لوٹ رہا ہوں"

انھیں اپنے ہم وطنوں کے اخلاقی انحطاط پر افسوس ہوا انھوں نے دیکھا کہ وہ بے حمیت کسٹم آفیسر، بجائے اسکے کہ وہ ڈالر انھیں لوٹا دیتا انھیں اپنی جیب میں اڑس رہا تھا۔

جب التمش ٹیکسی لیکر گھر پہنچے تو شام ہو رہی تھی گلوں کے خوش رنگ بدن شام کے دھندلکے میں مدغم ہونے لگے تھے۔ تاریکی اژدھا ہے سب کچھ نگل جاتی ہے جب بڑھتی ہے تو اسکی پھنکار صاف سنائی دیتی ہے، باغ کا جغرافیہ وہی تھا لیکن گھر کی تاریخ بدل گئی، التمش نے اپنا سوٹ کیس اٹھایا اور سیڑھیاں چڑھنے لگے وہاں انھیں ریسیو کرنے کے لئے کوئی نہیں تھا، صدر دروازے پر پہنچ کر انھوں نے سوٹ کیس ٹکا دیا اور کال بیل بجانے کے لئے ہاتھ بڑھایا پھر رک گئے، اپنے آپ ان کا ہاتھ گلاب کی بیل سے ڈھکے دریچے کی چوکھٹ پر گیا، وہاں حسب معمول چابی رکھی تھی، دیر سے آنے والوں کے لئے

وہاں ہمیشہ ایک چابی چھوڑی جاتی تھی تاکہ اندر مکینوں کے آرام میں خلل نہ ہو۔چابی پانی اور گرد کے اثر سے زنگ آلود ہو رہی تھی لیکن التمش وہاں اب کی موجودگی کو بھولے نہیں تھے۔

اندر مکمل خاموشی تھی، صاف ستھرے چمکدار فرش پر دریچوں سے چھن کر آتی قرمزی شعاعوں کا رقص ختم ہوچکا تھا، ہال کی آراستگی وہی تھی۔ جگہ جگہ بڑے قالین بھی اپنے رنگ سیاہی کو سونپ رہے تھے۔ سامنے فرنیچر کی وہی سجاوٹ، پیانو کو چھوتے ہوئے ان کا ہاتھ رک گیا انھیں ایسا لگا جیسے اسے چھوتے ہی اس کے سرجاگ پڑیں گے، وہ شاہ نور کے جگائے سر ہونگے اور وہ ذہنی طور پر اسکے لئے تیار نہیں تھے۔ وہ سکوت اچانک انھیں ہمدم سا محسوس ہونے لگا انھوں نے اپنا رخ بدلا اور لائبریری کی طرف چل پڑے جب آہستہ سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئے تو کتابوں کی مانوس مہک نے ان کا استقبال کیا سامنے کے آتشدان کے اوپر لگی ان کے والدین کی تصویر کا بہت بڑا انلارجمنٹ تھا جس نے کہا" تم آگئے التمش"

پتہ نہیں کب تک دونوں ہاتھوں میں سر تھامے وہ لائبریری میں بیٹھے رہتے کہ لائبریری کا دروازہ کھلا اور ڈورا داخل ہوئی، التمش نے سر اٹھایا اور ڈورا سے آنکھیں چار ہوئیں دونوں نے کچھ نہیں کہا، زبان کی آنکھیں نہیں ہوتیں نہ آنکھوں کی زبان۔ پھر بھی بے زبانی بہت کچھ کہہ جاتی ہے۔ ڈورا کے آنسو تو خشک ہوچکے تھے اور التمش نے اپنے آنسوؤں پر پہرے بٹھا دیئے تھے کچھ کہنا سننا محض تکلف ہوتا!

"پھر کیوں نہیں کیا چھوٹے سرکار؟ مسیح بنگلور آجاتا" ڈورا نے کہا
"مسیح کا یہاں رہنا زیادہ ضروری تھا"
"سونے کا پہلے ہم سب چیک کرتا۔ لائبریری میں لائٹ دیکھا تو اندر چلا آیا"

"بچے سو گئے؟" التمش نے ہلکی مسکراہٹ سے ڈورا کے احساس ذمہ داری کو سراہا۔

"آپکو معلوم ہے چھوٹے سرکار" عرصہ ہوا ڈورا نے التمش کو تامش بابا کہنا چھوڑ دیا تھا۔ "کیا ٹیم ہوا؟ ابی رات میں گیارہ بج گیا، سیجاو، جینو نو بجے سو جاتا"

التمش اٹھ کھڑے ہوئے ڈورا نے سمجھ لیا وہ نرسری میں جانا چاہتے تھے وہ ان کے ساتھ ہو لی۔

نرسری کا راستہ التمش کے لئے نیا کب تھا! وہیں ان کا اور شاہ نور کا بچپن گذرا تھا۔

عقبی حصے میں روشن اور ہوادار نرسری، کوٹھی کے اہم حصوں سے بالکل منقطع بھی نہیں تھی لیکن اتنی پاس بھی نہیں کہ بیٹھک میں مہمان ہوں تو بچوں کی شریر مصروفیات ان کی بات چیت میں مخل ہوں، نرسری کے ملحق برآمدے سے ہو کر سیڑھیاں تھیں کیونکہ وہاں کوٹھی کا پایہ کچھ زیادہ اونچا تھا نشیب میں Annexe تھی جہاں ڈورا اور مسیح رہا کرتے تھے اس سے کچھ دوری پر سرونٹس کواٹرز بنے تھے جن کے عین اوپر کچن تھا نرسری سے ملحق

برآمدہ تقریباً نصف کوٹھی کو گھیرتا ہوا بڑی بالکونی کی شکل میں کچن کے پچھلے حصے تک چلا جاتا تھا۔

التمش دروازہ کھول کر نرسری میں داخل ہوئے۔ وہاں کا ماحول سکون بخش تھا دریچوں پر خوش رنگ پردے کھنچے تھے، اور اسی پلنگ پر جن پر کبھی وہ اور شاہ نور سویا کرتے تھے اب ان پر شہزاد اور زینو سو رہے تھے۔ التمش دبے پاؤں آگے بڑھے، بعینہٖ ایک ہی شکل کے دونوں بچے ۔۔۔۔۔ التمش کی سمجھ میں کچھ نہ آیا کہ کون زینو تھا اور کون شہزاد، وہ دونوں اب التمش کی ذمہ داری تھے انہیں اچانک شاہ نور کا جملہ یاد آیا۔

"میں جانتی ہوں بچے تمہیں بور کرتے ہیں۔ لیکن تمہیں انہیں تھامنا ہی ہوگا" یہ گویا شاہ نور کے سیدھے سادے الفاظ نہیں ایک پیش گوئی تھی۔

دونوں میں سے ایک کا ہاتھ جو بلینکٹ کے باہر نظر آرہا تھا مٹھی میں کچھ دبائے ہوئے تھا۔

"یہ سجاد ہے" ڈورا نے اس کی مٹھی میں سے ایک تصویر نکالی، وہ مڑی تڑی سی فوٹو شاہ نور کی تھی "جینو بابا مان لیتا ہے مگر سجاد بابا اپنی ممی کو بہت یاد کرتا ہے"

ڈورا بولی،

بیڈ لیمپ کی مدھم روشنی میں التمش نے ڈورا کی آنکھوں میں آنسو کی جھلک دیکھی، ڈورا شاہ نور پر جان چھڑکتی تھی، بچپن ہی سے ڈورا نے اپنے دلار کا بڑا حصہ شاہ نور کے لئے اٹھا رکھا تھا۔ التمش کو کئی بار ڈورا کی شکایت

پر سزا بھی ملتی تھی کیونکہ وہ اس کے ہاتھ میں زندہ چھپکلیاں پکڑا دیا کرتے تھے
انہوں نے اپنا تسلی بخش ہاتھ ڈورا کے ہاتھ پر رکھ دیا۔

ڈورا نہیں چاہتی تھی کہ التمش اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھیں وہ ان کا کمرہ ٹھیک کرنے کے بہانے وہاں سے چل پڑی۔ التمش کبھی شہزاد اور کبھی زینو کو دیکھتے رہے۔ آخر دھیرے سے دروازہ بند کر کے چلے آئے پتہ نہیں کتنی بے خواب راتیں ان کی منتظر تھیں۔

وہ ہندوستان میں رہ پڑنے کے ارادے سے نہیں آئے تھے۔ آنے سے پہلے انہوں نے اپنی عادت کے مطابق سوچا تھا کہ کوئی مسئلہ اتنا بڑا نہیں ہوتا کہ جس کا حل ناممکن ہو، شہزاد اور زینو کا مسئلہ سب سے بڑا تھا۔ وہ انہیں بہترین بورڈنگ اسکول میں داخل کرنے پر حل ہو جاتا اس کے علاوہ اسٹیٹ اور جائیداد کا بکھیڑا تھا۔ اختر بخت کی Death Duty کا سوال تھا۔ انشورنس کے معاملے طے کرنے تھے۔ کئی انجانے، ان دیکھے مقدمے کھڑے ہو سکتے تھے، مشرق اور مغرب کی کارکردگی میں بہت فرق تھا یہاں کی سرخ فیتہ گری کے وہ عادی نہیں تھے پھر بھی انہیں خود پر بھروسہ تھا۔ انہوں نے ایک سنجیدہ اور تجزیاتی ذہن پایا تھا۔

اگلے دن خاندانی وکیل ہمنت راؤ، التمش کے آنے کی خبر پا کر چلے آئے اور وہ اپنے ساتھ ضروری کاغذات بھی لیکر آئے تھے۔ انہیں التمش کے آنے کا انتظار ہی تھا تاکہ ہر تفصیل طے ہو سکے۔ دفتر میں رکھے سیف اور ٹیبل کے تالے تڑوانے تھے اختر بخت کی موت کے بعد انہوں نے اپنی نگرانی میں

سب کچھ مہر بند کروا دیا تھا۔حادثے کے بعد چابیوں کا پتہ ہی نہیں چلا تھا۔

ہمنت راؤ نے تعزیت کے چند جملے کہے، یہ حقیقت تھی کہ دیرینہ تعلقات کی بناء پر اختر بخت اور ان کی فیملی کی موت نے ان کے دل پر ایک گہرا اثر چھوڑا تھا۔ایک تو فیملی ڈاکٹر اور دوسرے فیملی وکیل خاندان ہی کے فرد کی طرح ہوتے ہیں۔اخترِ بخت کی صحت کی حالت عمر کے ساتھ اتنی تسلی بخش نہیں رہی تھی، انہیں داماد ہمایوں کی بے وقت موت کا غم تھا لیکن ایک بار کا سپاہی سدا کا سپاہی رہتا ہے۔اختر بخت نے ہار نہیں مانی تھی۔ ڈاکٹر نارٹن نے خبردار بھی کیا تھا لیکن انہوں نے پرواہ نہ کی، ہمنت راؤ جانتے تھے کہ وہ بیگم اور شاہ نور کی خاطر خود کو چاق وچوبند بنائے رکھتے تھے۔ ہمنت راؤ اور ڈاکٹر کو انہوں نے سخت تاکید کی تھی کہ بیگم کو ان کی صحت کی بارے میں نہ بتایا جائے مرنے تک بھی وہ چوری چھپے گھوڑے کی سواری کرتے تھے۔

"شاید انہیں اپنی موت کا احساس ہو گیا تھا" ہمنت راؤ نے ایک لفافہ اٹھا کر کہا "مرنے سے ہفتہ بھر پہلے ہی انہوں نے اپنی وصیت لکھ دی تھی یہ رہے وہ کاغذات"

"آپ انہیں چھوڑ جائیے میں بعد میں دیکھ لونگا" اچانک التمش کو تازہ ہوا کی ضرورت محسوس ہوئی انہوں نے اٹھ کر غسل کیا، کپڑے بدلے اور باہر نکل پڑے۔

التمش کو آئے تقریباً ایک مہینہ ہو گیا تھا اسٹیٹ اور بزنس کے

بارے میں مسیح اور ہمنت راؤ انہیں اطلاع بہم پہنچاتے رہے وہ سب کچھ التمش کے لئے نیا تھا انہیں اس سلسلہ میں پہلے کبھی کھوج کرنے کی ضرورت نہیں پڑی تھی لیکن اب وہ جانکاری ضروری تھی تاکہ وہ ہر بات کا معقول انتظام کرکے واپس ہو سکیں اختر بخت کی چھوڑی ہوئی وصیت کے مطابق آمدنی کے ایک حصہ میں ٹرسٹ قائم کرنے کی ہدایت تھی۔ جس سے غریب طالب علموں کی امداد ہو سکے۔ انہوں نے اپنی وصیت میں ڈورا اور مسیح کو بھی نہیں بھلایا تھا ڈورا نے دل وجان سے بخت خاندان کی خدمت کی تھی اب بھی اس میں ہمت موجود تھی لیکن اسکی صحت جواب دینے لگی تھی وہ اگر خدمت سے سبکدوش ہونا چاہے تو تاحیات اسے وظیفہ مقرر کیا گیا تھا۔

ڈورا کی صحت کا معاملہ ٹیڑھا تھا شہزاد اور زینو کی ذمہ داری اٹھانا اب س کے بس کی بات نہیں تھی التمش نے بڑے سوچ بچار کے بعد طے کیا کہ یں Love Dale کے بورڈنگ اسکول میں داخل کردیا جائے۔ جہاں انہوں نے تعلیم پائی تھی گو اب وہاں پرنسپل بدل چکے تھے لیکن وہاں ے ہال میں آنرز بورڈ پر اب بھی میرٹ اسٹوڈنٹس اور اسپورٹس میں آل نڈرز کی فہرست میں ان کا نام موجود تھا۔ شہزاد اور زینو کے کیس یک مشکل یہ آرہی تھی کہ ان کی عمر کم تھی لیکن صورت حال کو دیکھتے ئے کچھ پس وپیش کے بعد پرنسپل نے انہیں بورڈرز کی طرح قبول کرنے مامندی دے دی۔

اس فیصلے سے ڈورا چنداں خوش نہیں تھی وہ شاہ نور کو دل وجان

چاہتی تھی اسے یقین تھا کہ شاہ نور کے بچے اس کے ہاتھوں پروان چڑھ
تھے وہ دونوں ابھی چھوٹے تھے ان کی سنجیدہ تعلیم کا زمانہ ابھی دور تھا
التمش واقف تھے کہ ڈورا کبھی جوڑوں کے درد کے مارے بستر سے کئی
دن ہل بھی نہیں سکتی تھی اور ان کا چھوٹا اور معصوم ہونا ہی بڑا مسئلہ تھا

شہزاد اور زینو کی ابتدائی جھجک اب دور ہو چکی تھی ۔ جس دن وہ
پہنچے التمش نے انہیں سویا ہوا دیکھا تھا اگلے دن جب وہ ان کے پاس پہنچے
ونوں اپنی چھوٹی کرسیوں پر بیٹھے تھے اور ان کے آگے ناشتہ رکھا تھا ڈورا
یں چمکا کر کھلانے کی کوشش کر رہی تھی اور دونوں اپنی آنکھیں میچے ہنسے
ہے تھے ۔

" دیکھ کون آیا ہے " ڈورا نے کہا اور دونوں نے پھٹاک سے آنکھیں
دیں ۔ سامنے التمش کو دیکھ کر یک لخت ان کی ہنسی رک گئی اور
ں کرسیوں سے کود کر ڈورا کے پیچھے جا چھپے اس کے لباس کو مضبوطی
پکڑ کر دونوں جانب سے وہ التمش کو تاک رہے تھے ۔

" جاؤ شیک ہنڈ کرو " ڈورا نے انہیں آگے کرتے ہوئے کہا " یہ
ری ماموں ہیں " لیکن وہ دونوں ڈورا سے چمٹے رہے ۔

" ماموں کیا ہوتا ہے ؟ " شہزاد کھلکھلا کر بولا ۔

" ممی کا بھائی ہوتا ہے " ڈورا بولی

" ممی کا بھائی کیا ہوتا ہے ؟ " شہزاد شرارت پر تلا ہوا تھا ۔

" Shut up you fool " زینو بولا

"You Shut up" سجاد نے ترکی بہ ترکی جواب دیا

"سجاد بابا، جینو بابا، بری بات" ڈورا نے ٹوکا اور التمش نے بڑھ کر اپنا ہاتھ آگے کر دیا۔

"میرا نام التمش ہے" انہوں نے اپنا تعارف کرایا۔

"نہیں، تامش"

التمش نے ان کی یادداشت کی تعریف کی، تو یہ جان بوجھ کر شرارت پر تلے ہوئے تھے انہوں نے سوچا ویسے دو سال پہلے جب وہ آئے تھے تو خود کو شہزاد اور زینو سے مانوس کروانے کی انہوں نے کوشش بھی نہیں کی تھی

"یہ دیکھو" شہزاد دوڑ کر ایک ڈبا اٹھا لایا۔ یہ اس کا خزانہ تھا، کچھ عجیب سا اثاثہ، بے جوڑ چیزیں، کچھ رنگین گولیاں، گھوڑے کے سر والا پنسل تراش، ایک سیٹی، ایک کیبل اور پتہ نہیں کیا کیا اگڑم بگڑم،

زینو بھی اکڑوں بیٹھا شہزاد کے خزانے کا معائنہ کرنے لگا وہ بیچ بیچ میں ہاتھ ڈالنے کی کوشش کرتا جسے شہزاد دبوچ لیتا آخر وہ اٹھ کر بھاگ کھڑا۔

"یہ، یہ میری کتاب" زینو خود کو پچھڑا ہوا کیسے دیکھ سکتا تھا وہ بھی التمش کی توجہ کا حقدار تھا کتاب کیا تھی کاغذ کی دھجیاں تھیں۔

"تمہیں کتابیں پسند ہیں؟ التمش نے پوچھا۔

"ہاں، کہانیوں والی، جیسی ممی لاتی ھیں" زینو نے جواب دیا۔

"اور کھلونے بھی پسند ہیں" شہزاد نے شوشہ لگایا۔

تو ایسا کرتے ہیں" التمش نے دونوں سے گھل مل جانے کی کوشش

"ہم شام میں اکٹھے چلیں گے۔خوب سی کتابیں، کھلونے اور نئے نئے
ے لائیں گے"

ان کا یہ برتاؤ دونوں بچوں کا اعتماد حاصل کرنے کے لئے کافی تھا زینو
نہزاد کے لئے وہ شام کئی شاموں کے بعد آئی تھی۔ڈورا نے مسیح کو گھر کے
ن کی ایک لمبی لسٹ دی تھی جو اسے بازار سے لانا تھا۔

ہلکی پھوار کے باوجود پررونق بازار میں سیاحوں کی گھما گھمی میں کوئی
نہیں تھی۔التمش بچوں کے ساتھ ایک بک اسٹال میں گئے مسیح نے
ٹ سے ضروری سامان خریدا لانڈری سے کپڑے لئے التمش، شہزاد اور
کے ساتھ اس ٹیلرنگ فرم کو گئے جہاں Love dale کے طالب
ں کے یونیفارم تیار ہوتے تھے یونیفارم کے علاوہ ایک لمبی چوڑی
ت روزمرہ کے لباسوں کی تھی جس میں ان کے نائٹ سوٹ، ڈریسنگ
ں۔قمیص اور مختلف موقعوں پر پہننے والے جوتے وغیرہ تھے۔کچھ چیزیں
یڈی میڈ ملیں، یونیفارم کے کپڑے سلائی کے لئے دینے پڑے دکان کا
۔وہی تھا جو التمش کے کپڑے تیار کرواتا تھا، بھاری بھرکم بدن۔جھریوں
ھرے اور سفید بالوں کے باوجود التمش اسے پہچان گئے تھے۔

"او ٹی چھوٹی جگہ ہے" مالک نے اپنے اسسٹنٹ سے بچوں کا ناپ لینے
ایت دے کر کہا" بریگیڈیر اور ان کے فیملی کے حادثے کا یہاں سب کو
س ہے"

ان کی بات چیت سے بے نیاز، شہزاد اور زینو، قد آدم آئنوں میں بری بری شکلیں بنانے کا مقابلہ کر رہے تھے التمش کے کہنے پر شہزاد دکان کے پچھلے حصہ میں ناپ دینے کے لئے گیا اس کے واپس آنے پر زینو کی باری آئی لیکن وہ تقریباً روتا ہوا واپس آگیا۔

"وہ میرا ناپ نہیں لیتا" اس نے ڈبڈبائی آنکھوں سے شکایت کی تحقیق کی گئی اور ٹیلر کو بلایا گیا وہ تو آگیا لیکن سر کھجا کر ہنس پڑا۔

"میں نے سمجھا ہی بابا مجھے چھیڑنے کے لئے دوبارہ آگئے ہیں" اس نے شہزاد اور زینو کو یکجا دیکھ کر صفائی پیش کی۔

کتابیں وغیرہ خریدتے ہوئے التمش نے گہری نظر سے شہزاد اور زینو کا جائزہ لیا، شہزاد کے مقابلے میں زینو زیادہ سنجیدہ تھا، ماں، باپ اور چاہنے والے نانا نانی کے چلے جانے کے بعد ایسا لگتا تھا جیسے اس نے اپنی خود اعتمادی کھو دی تھی ــــــ وہ اپنا ہاتھ بار بار التمش کے ہاتھ میں دے دیتا، آنکھوں آنکھوں میں ان کی تائید مانگتا، جب کہ شہزاد، آزاد ہوا کا ایک جھونکا تھا ــــــ بنداس، نڈر ــــــ لیکن دونوں بھائیوں میں ایک خاموش ہمنوائی تھی جو عام طور پر جڑواں بچوں میں پائی جاتی ہے۔

شہزاد اور زینو خوش تھے کہ ان کے نئے نئے یونیفارم بن رہے تھے التمش کے آنے کے بعد سے ان کی معصوم زندگیوں میں ایک انوکھی سی تبدیلی آئی تھی لیکن وہ نہیں جانتے تھے کہ کوٹھی میں ان کے دنوں کے گنتی گھٹنے لگی تھی ۔ ڈورا اس سارے انتظام سے مایوس اور خفا تھی اس کی آنکھوں

نے کئی بار اپنے غم و غصے کا اظہار بھی کیا تھا لیکن التمش کو اس کی پرواہ نہیں
تھی وہ اپنے حساب سے بچوں کو ایک عملی مستقبل کے لئے تیار کر رہے تھے
جس میں جذبات کا گزر نہیں تھا انہوں نے یوں بھی محسوس کیا تھا کہ ڈورا ان
کی ہر جائز و ناجائز ضد پوری کرنا ضروری سمجھتی تھی ان کی ہر غلط حرکت کو ان
کے بچپن پر محمول کرتی ہو سکتا ہے بخت خاندان سے اس کی برسوں کی نمک
خواری اسکی ذمہ دار ہو اس کا تدارک بھی ضروری تھا۔Love dale اور
اس کی تربیت میں کوئی کلام نہیں تھا۔

آخر بچوں پر یہ راز فاش ہو ہی گیا کہ انہیں بورڈنگ ہاؤس بھجوایا جا رہا
تھا یہ بات ڈورا نے انہیں ایسے بھیانک طریقے سے بتائی کہ وہ سہم کر رہ گئے
انہیں لگا بورڈنگ ایسی جگہ ہوتی ہے جہاں ڈائنیں بچوں کو نوچتی کھسوٹتی رہتی
ہیں۔جہاں چھوٹے چھوٹے جرم کی بڑی بڑی سزائیں دی جاتی ہیں۔

وہ دونوں بیڈ پر پاؤں لٹکائے بیٹھے چپکے چپکے روتے رہے، ڈورا غصے
اور ناامیدی کے عالم میں ان کی پیکنگ کرتی رہی۔

رات گئے التمش لائبریری میں کچھ ضروری کاغذات نپٹا رہے تھے انہیں
پتہ نہیں چلا کب زینو اور شہزاد ان کی کرسی کے برابر آکھڑے ہوئے ان
دونوں کے آنسو بہہ رہے تھے جب ان کے آنسوؤں نے ہچکیوں کی شکل اختیار
کر لی تو التمش چونکے، "کیا ہوا؟" وہ کرسی چھوڑ کر اٹھ کھڑے ہوئے "تم
دونوں ابھی سوئے نہیں"

"میں ممی کے پاس جاؤں گا" شہزاد نے ڈبڈبائی آنکھوں سے دوسری طرف دیکھا۔

التمش انہیں چپ چاپ دیکھتے رہے۔ لیمپ کی روشنی میں وہ دونوں ایسے معصوم فرشتے لگ رہے تھے جو بد نصیبی سے کسی مصیبت میں گھر گئے ہوں۔ بہت ممکن تھا کہ التمش پسیج جاتے لیکن انہوں نے خود پر قابو پالیا اس وقت کمزوری دکھانے کا مطلب ہوتا کہ ان کی ساری پلاننگ پر پانی پھر جاتا۔

شہزاد اور زینو کو اٹھا کر انہوں نے اپنے سامنے ٹیبل پر بٹھا لیا۔ ڈریسنگ گاؤن سے رومال نکال کر ان کے آنسو پونچھے۔

"بتاؤ تم ہوسٹل کیوں نہیں جانا چاہتے؟" انہوں نے ایسے کہا جیسے ایک مرد دوسرے مرد سے بات کر رہا ہو،

"ڈورا کہتی ہے جن کی ممیاں مرجاتی ہیں ان کے بچوں کو ہوسٹل جانا پڑتا ہے" التمش سوچ میں پڑ گئے۔

"ممی مری نہیں ہیں ناتامش؟" شہزاد نے تیقن چاہا۔

"ممی تو وہاں گئی ہیں" زینو نے اپنا چھوٹا سا ہاتھ اٹھایا۔

"کہاں" التمش نے برداشت سے کام لیکر پوچھا۔

"وہاں، پہاڑ کے اُدھر"

"اور نانا نانی بھی" زینو نے سر ہلا کر ہلا کر التمش کو یقین دلایا "تو ایسے کرتے ہیں" التمش نے کہا۔۔۔ "جب ممی، نانا اور نانی آجائیں گے تو ہم خود آکر تمہیں واپس لے آئیں گے"

انہوں نے اختر بخت کے قریبی دوست کمانڈر لال کو بچوں کا لوکل گارڈین مقرر کیا تھا وہ دونوں میاں بیوی لاولد تھے اور زینو اور شہزاد کو بہت پیار کرتے تھے۔

"نئیں نئیں" دونوں ٹھنکے

"شش، ضد نہیں کرتے" التمش نے دل کڑا کر کے سختی سے کہا ان کے چہرے کا رنگ بدلتا دیکھ کر دونوں یک لخت ایسے چپ ہو گئے جیسے ان کے منہ میں زبان ہی نہیں تھی، صرف کپکپاتے ہونٹوں کے کنارے جھک گئے آنکھیں اور بھی کٹورا ہو گئیں گویا شبنم سے بھر گئی ہوں۔

جب التمش نے انھیں باہوں میں اٹھایا تو ان کے منے منے سینے دھونکنی کی طرح چل رہے تھے، لیکن یہ وقت چمکار کر انہیں دھوکے میں رکھنے والا نہیں تھا، حقیقت سے آشنائی اکثر دل کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی ہے، لیکن حقیقت سے مفر کہاں!

کمرے میں لے جا کر التمش نے انہیں ان کے بستروں میں لٹایا اور لحاف اوڑھا دئے وہ کچھ دیر چپ چاپ انھیں دیکھتے رہے لیکن دونوں ہی ان سے نظریں چرا رہے تھے التمش نے جھک کر شب بخیر کہنے کے لئے ان کے ماتھوں پر بوسہ دیا تب بھی ان کے ہونٹوں کی لرزش ختم نہیں ہوئی۔ اتنے ننھے سے بچپن میں ان دونوں کا اپنے احساس پر کنٹرول التمش کو حیران کر گیا

"شب بخیر" التمش بولے لیکن انہیں کوئی جواب نہیں ملا۔ جواب کی سعی ہوتی تو آنسو نہ نکلتے۔

التمش لائبریری میں واپس چلے آئے لیکن پھر ان سے کوئی کام نہ ہوسکا عجب گردش میں پھنس گئے تھے وہ

انہوں نے سگریٹ جلائی لیکن اسکے کش لینے بھی بھول گئے۔

آج صبح کھانے کی میز پر سکوت نے، سکون کو مات دے دی تھی، شہزاد اور زینو جو التمش کے دوستانہ برتاو کے عادی ہو گئے تھے آج بالکل چپ تھے۔ آج ڈورا انہیں ڈائننگ ہال میں نہیں لائی تھی کیونکہ گنٹھیا نے صبح اسے بستر سے اٹھنے کی اجازت نہیں دی تھی۔ مسیح نے چرچ جانے سے پہلے انہیں تیار کر دیا تھا وہ چپ چاپ آکر اپنی اپنی جگہ بیٹھ گئے اور پارج کھاتے رہے، التمش نے کن انکھیوں سے انہیں دیکھا وہ بچے جو ہمیشہ پارج کھانے سے انکار کرتے تھے آج انہوں نے سوائے پارج کے کسی اور چیز کو چھوا تک نہیں۔

التمش کو برسوں پہلے کی شاہ نور یاد آئی جب اسے کسی بات پر غصہ آتا تو خود گزیدگی پر تل جاتی اور وہی سرد کھاتی جو اسے سخت ناپسند ہوتا، انہیں نو بجے سے پہلے اسکول پہنچنا تھا، اگر انہیں ہوسٹل میں رہنا نہ ہوتا یہ تو شاید ان کی زندگیوں کا ایک خوشگوار دن ہوتا کیونکہ اسکول جانے کا شوق دونوں ہی کو تھا۔

وہ دونوں اطاعت گزار، راضی بہ رضاء التمش کی انگلی تھامے سیڑھیاں اتر تو آئے۔ جہاں ڈرئیور نے لاکر کار پارک کر دی تھی لیکن آج ہمیشہ کی طرح دوڑ کر اگلی سیٹ پر التمش کے برابر نہیں جابیٹھے بلکہ دروازہ کھول کر پیچھے بیٹھ گئے۔

التمش نے ایک نگاہ غلط انداز ان پر ڈالی کچھ بولے بغیر کار اسٹارٹ کر دی گیٹ سے باہر نکل کر کار نے جب رفتار پکڑی التمش اپنے خیالوں میں گم ہو گئے ایک موڑ پر اچانک ان کی نظر سامنے لگے شیشے پر گئی جو کچھ انہوں نے دیکھا وہ بات پہاڑ کو بھی پانی کر سکتی تھی۔

زینو کے آنسو بے تحاشہ بہہ رہے تھے اور شہزاد اپنے بہتے آنسوؤں کی پرواہ کئے بغیر زینو کو لپٹائے اپنے کوٹ کی آستین سے اسکے آنسو پونچھ رہا تھا۔

اس بستی میں کون ہمارے آنسو پونچھیگا
جس کو دیکھو اسکا دامن بھیگا لگتا ہے

دردمندی کے لئے سوکھے دامن کی کیا ضرورت ہے؟ آنسو ہی آنسوؤں کے ہمراز بن سکتے ہیں بشرطیکہ دکھ ایک سے ہوں، اپنی قسمت کا فیصلہ سمجھ کر شہزاد اور زینو نے ہوسٹل جانا قبول کر لیا تھا۔

التمش کے سامنے دو راستے تھے ایک بورڈنگ ہاوس کی طرف جاتا تھا اور دوسرا واپس کوٹھی۔

انھوں نے دوسرا راستہ اپنا لیا، جب التمش بچوں سمیت واپس کوٹھی پہنچے تو مسیح نے بتایا چچی جان آئی ہیں۔

کاکل جس ٹرین سے بنگلور پہنچی وہ اسے پلیٹ فارم پر چھوڑ کر جا چکی تھی اب بھی اسکی بل کھاتی رفتہ رفتہ نظروں سے اوجھل ہوتی شبیہ کاکل کو نظر آرہی تھی جیسے کوئی ہزار پا، رینگتا ہوا کیڑا ہو وہ اپنے مختصر سے سامان کو اکٹھا کر رہی تھی کہ ایسا لگا کوئی پاس آکھڑا ہو اس سے مخاطب ہونا چاہتا ہو کاکل نے نظریں اٹھائیں۔

اسکے سامنے درمیانے قد کا سنجیدہ سا نوجوان کھڑا تھا جس نے بادامی رنگ کا پولو نیک سوئیٹر اور نسواری رنگ کی پتلون پہن رکھی تھی گورے رنگ پر سنہری فریم کے چشمے کے پیچھے اسکی آنکھیں نیلے سمندر کی سی تھیں۔ وہ بھی اسے ایسے دیکھ رہا تھا جیسے کوئی بڑی انوکھی چیز اچانک اسکے سامنے آگئی ہو۔

"میرا نام مسیح ہے" اسنے سنبھلتے ہوئے کہا

"میں ۔۔۔۔میں" کاکل ہکلائی اسے امید نہیں تھی کہ کوئی اسے بنگلور ریسیو کرنے آئیگا۔

"آپ حیران ہو رہی ہونگی کہ میں نے آپ کو کیسے پہچانا" مسیح نے اسے تیقن دینا چاہا کہ وہ کوئی روڈ سائیڈ رومیو نہیں تھا "آپ نے اپنے خط میں اپنے لباس کا رنگ لکھ دیا تھا" کاکل اس وقت کھلتے ہوئی گلابی رنگ کی شلوار قمیص پہنے تھی اور گلابی ہی دوپٹہ ویسے آپ نے لباس کا رنگ نہ بھی لکھا ہوتا تو میں آپ کو پہچان جاتا" مسیح نے خوش اخلاقی سے کہا۔

"وہ کیسے" کاکل کا شک اب بھی دور نہیں ہوا تھا۔

"جس لڑکی کا نام اتنا انوکھا ہو اسکی شخصیت کا بھی انوکھا ہونا ضروری

تھا" مسیح میں چھپے پادری نے پل بھر کے لئے منہ پھیر لیا تھا۔

کاکل کی سمجھ میں کچھ نہ آیا کہ کیا کہے۔

"کہنے کی اجازت دیجئے کہ مجھے آپ کے ساتھ ہمدردی ہے اور میں آپ کی ہمت کی داد بھی دیتا ہوں"۔

ہمدردی ـــ ہمت کی داد۔

کاکل اب بھی سمجھ نہ پائی پھر اچانک اسے یاد آیا کہ اس نوجوان کا اشارہ اسکے ساتھ پیش آنے والے حالات سے تھا اور وہ اسکی ہمت کی داد اسلئے دے رہا تھا کہ زمانے کی چہ میگوئیوں کی پرواہ کئے بغیر اسنے نہ صرف شادی سے صاف انکار کر دیا تھا بلکہ اس سخت گیر دنیا میں اپنی جگہ بنانے پر تل گئی تھی، اسے اندازہ نہیں تھا کہ اسکا ذاتی معاملہ، معاملہ عام بن گیا تھا۔

"مجھے اوٹی جانا ہے" اس نے بات کا دھارا موڑا

"اور اسی لئے مجھے بھیجا گیا ہے کہ آپ کو ریسیو کر لاؤں" مسیح نے اسکا سوٹ کیس اٹھاتے ہوئے کہا۔

کار میں مسیح کے برابر بیٹھی وہ اس دنیا کی طرف جا رہی تھی جو اسکے لئے بالکل اجنبی تھی اب وہ بجا طور پر حور بانو کی شکر گزار تھی کہ انہوں نے اوٹی میں نوکری دلانے میں اسکی مدد کی تھی۔ وہ ایک پریشان خواب سا تھا جب اسنے حفیظ سے نکاح کو منظور نہ کیا۔ حور بانو کو اسطرح کی عدول حکمی کی عادت نہیں تھی انہوں نے کاکل کے انکار کو خراب تربیت پر محمول کیا تھا فدا حسین نہ صرف بیٹی کے برتاؤ سے خجل تھے بلکہ جھلاہٹ بھی تھی کہ بیٹی نے بنا

بنایا کام بگاڑ دیا کیونکہ حور بانو اب بھی اس شرط پر اڑی رہی کہ جب تک کاکل ان کے راستے سے ہٹ نہیں جاتی وہ فدا حسین سے نکاح نہیں کرینگی وہ ہمت ہارنے والی نہیں تھیں لیکن ان بیزار کن حالات میں ٹکے رہنے کا سوال نہیں تھا۔ گرمی بڑھ رہی تھی انہیں اختر بخت کے حادثے کی اطلاع مل چکی تھی اور انہوں نے یہ بھی سن رکھا تھا کہ التمش اوٹی آئے ہیں بجائے الہ آباد جانے کے انہوں نے طے کیا کہ وہ اوٹی چلی جائیں، ایک کام دو کاج ہوجائینگے، دیور اختر بخت اور ان کی فیملی کے حادثے میں موت ہوجانے کی تعزیت بھی ہوجائیگی اور تبدیلی آب وہوا بھی۔

التمش کو چچی کی آمد پر استعجاب ہوا، کیونکہ انہوں نے پہلے کبھی اس رشتے کو استوار کرنے کی سعی نہیں کی تھی۔ ان کی اپنی الجھنیں تھیں جو شہزاد اور زینو کو بورڈنگ ہاوس میں نہ چھوڑ پانے کی وجہ سے بڑھ گئی تھیں، ہمنت راو ان کی ذہنی کیفیت سے واقف تھے وہ التمش کی مدد کرنا چاہتے تھے انہوں نے کہا تھا شہزاد اور زینو کو خود اپنے ساتھ رکھ لینگے ان کے اپنے بچے بڑے ہوچکے تھے، ان کے اس آفر نے التمش کو جھنجوڑ کر رکھ دیا۔

کیا شاہ نور، ان کی چہیتی بہن کے بچے، ان پر اتنے بار ہوگئے تھے کہ غیر انہیں عاطفت میں لے لیں؟ انہوں نے طے کیا کہ اخبار میں کسی تجربہ کار گورنس کے لئے اشتہار دیں اور ایسے آڑے وقت میں حور بانو کی رائے نے ان کا کام بنا دیا۔ حور بانو نے نہ صرف کاکل کا نام پیش کیا بلکہ اسکی تعریفوں کے پل باندھ دئے تھے۔ التمش ایک گورنس میں جو کچھ چاہتے تھے وہ سب کچھ

انہیں کاکل میں موجود دکھائی دیا۔اور اسپر طرہ یہ کہ وہ حور بانو کی جانی بوجھی تھی ۔۔وہ راضی ہوگئے۔

جب حور بانو کا خط نوکری کی تفصیل لیئے پہنچا تو فدا حسین نے اطمینان کی سانس لی کیونکہ یہی کچھ چاہتی تھی نہ کاکل! اور کاکل کے بھی سوکھے دھانوں پر پانی پڑ گیا اسے بچوں کا کوئی تجربہ نہیں تھا لیکن کام سیکھتے وقت ہی کتنا لگتا ہے اسنے فوراً طے کر لیا کہ وہ ضرور نوکری قبول کریگی۔

فدا حسین کا لیچڑ مکان دار روز آکر پوچھ جاتا تھا کہ وہ کب گھر خالی کر رہے تھے وہ کاکل کی طرف یوں دیکھتے جیسے ان کی اس حالت زار کی ذمہ دار کاکل ہی تھی۔

کاکل نے گھر چھوڑنے سے پہلے رات آنکھوں میں کاٹی تھی اسکے سامنے تھی پہاڑ سی زندگی ۔۔اسکے فیصلے اب خود اسے ہی کرنے تھے۔اسے اپنے والد سے کوئی شکایت نہیں تھی، تروڑ کے پھول میں وہ گلاب کی خوشبو کیسے ڈھونڈتی۔

اسنے دیوار سے اتار کر اپنی ماں کی تصویر اپنے سوٹ کیس میں رکھ لی، رڈیارڈ کپلنگ کی نظم "او میری ماں" اسے یاد آرہی تھی

اگر مجھے پہاڑ کی بلند ترین چوٹی پر

پھانسی دے دی جائے

او میری ماں! او میری ماں!

تو میں جانتا ہوں

کسکی محبت آخری سانس تک میرا ساتھ دیگی

او میری ماں! او میری ماں!

اگر میرے جسم اور میری روح کو

ایک المناک اذیت میں مبتلا ہونا پڑے

تو میں جانتا ہوں ۔

کس کی دعائیں مجھے اس عذاب سے چھٹکارا دلا سکینگی

او میری ماں! او میری ماں!

اسکا اثاثہ یہی تھا، کچھ کپڑے، کچھ کتابیں مطالعہ کا شوق تھا اسے جو بھی تھوڑا بہت جیب خرچ ملتا وہ کتابیں خریدنے میں ختم کر دیتی ۔ رڈیارڈ کپلنگ کی نظموں کی یہ کتاب اسکی ماں نے ہی اسکی ایک سالگرہ پر تحفتاً دی تھی اور اس مخصوص نظم کو انڈر لائن کر کے وہاں اپنی دستخط کر دئے تھے، کتنی سچی پیش گوئی تھی یہ، کاکل کو یہ ہمت اور استقلال گویا اسکی ماں نے ہی دیا تھا کہ وہ اسوقت مسیح کیساتھ کار میں بیٹھی اوٹی جا رہی تھی جہاں اسکی نوکری تھی، اسکا ٹھکانہ تھا!

مسیح کے دوستانہ انداز نے اسے تقویت دی تھی ۔ اسکا سادہ سیدھا مہذب برتاو کاکل کو پسند آیا تھا ۔

اوٹی کے پیچدار راستے شروع ہو گئے تھے ۔ یوکلپٹس کی جھنڈ ۔ اور فضا میں اچانک کافی کی مہک ۔ وہ مہک جو پانچ سو سال پہلے ابی سینیا (جسے آج ایتھیوپیا کہا جاتا ہے ۔) سے اٹھی اور پھر ساری دنیا میں پھیل گئی ۔ تیس فیٹ

تک بڑھنے سکت رکھنے والے ان درختوں کو کاٹ دیا جاتا ہے تو یہ جھاڑیوں کی شکل اختیار کر لیتے ہیں ۔ چھوٹے چھوٹے سفید پھول چند دن اپنی بہار دکھا کر بیریوں میں تبدیل ہو جاتے ہیں ۔ جو پکتی ہیں تو یاقوت رنگ ہو جاتی ہیں ۔

کہیں ڈھلانوں پر حد نظر تک چائے کے باغات نظر آئے کاکل کے دل میں چائے کی خواہش جاگی ۔ چائے سبھی پیتے ہیں لیکن چائے کی ہری پتیوں کو چائے کے پیالے تک پہنچنے میں کتنے مراحل سے گذرنا پڑتا ہے یہ بہت کم لوگ جانتے ہیں ۔

زخاک تیرہ دروں تا بہ شیشۂ حلبی

تنگ راستوں پر ایک جانب نیلگری پہاڑوں کا بلند و بالا سلسلہ تھا تو دوسری جانب سیکڑوں فیٹ گہری کھائی ۔ راستہ گھٹتا رہا ۔ مسیح نے اپنے برابر بیٹھی اس خوبصورت لڑکی کو کن انکھیوں سے دیکھا جسکی آنکھیں خوابیدہ ہو رہی تھیں ۔ کاکل ٹرین میں بالکل نہیں سو پائی تھی ۔ اگر ماحول اسقدر خوبصورت نہ ہوتا تو وہ کبھی کی سو گئی ہوتی ۔

کچھ آگے جاکر کشادہ میدان سا تھا جہاں آتے جاتے مسافروں کو ستانے اور دوبارہ سفر جاری رکھنے کا موقع مل جاتا تھا ۔

مسیح نے کار روک دی اور کاکل کے ساتھ کیفے ٹیریا میں چلا گیا ۔

کیفے میں کاکل اپنے خیالات میں ڈوبی چائے پیتی رہی اور مسیح اسکو دیکھتا رہا ۔ بادل امنڈ آئے ، برسے بھی اور چلے بھی گئے ٹھنڈی چمکدار دھوپ میں کاکل کے نقش ونگار اور زیادہ نکھر گئے تھے ۔ مسیح کو للی کی سفید نازک بھینی

بھینی خوشبو والے وہ پھول یاد آئے جو اسکی ماں ہر روز مریم کے مقدس مجسمے کے سامنے سجایا کرتی تھی۔

" وہ یہ کیا سوچنے لگا " اس نے خود کو ٹوکا۔ اور چائے کے جلتے جلتے گھونٹ اپنے حلق میں اتار کر اٹھ کھڑا ہوا۔ اسکے اسطرح اچانک اٹھ کھڑا ہونے پر کاکل بھی اپنے خیالات سے چونک پڑی۔ وہ کیفے سے باہر نکل آئے اور انکا سفر پھر جاری ہو گیا۔

وہ باقی راستہ کوشش کرتا رہا کہ ذہن کو چرچ کی آنے والی میٹنگ کی طرف لگائے اور کسی حد تک کامیاب بھی ہو گیا۔ چند ایک موڑوں کے بعد بلندیاں کچھ کم ہو گئی تھیں۔ کار نے شاہراہ چھوڑ دی اور پرائیویٹ رستے پر ہولی۔ یہ راستہ سیدھا التمش کی کوٹھی تک جاتا تھا۔ زمردی پیرہن میں نگینے کی طرح جڑی وہ کوٹھی دور ہی سے نظر آتی تھی۔ اس تک پہنچنے کا راستہ اتنا تنگ تھا کہ آس پاس کی جھاڑیاں مڈگارڈ کو چھو رہی تھیں۔

کار ایک بڑے سے گیٹ میں داخل ہوئی۔۔۔ ابھی شام ہونے میں کچھ دیر باقی تھی۔ اچانک دھوپ نکل آنے کی وجہ سے دھلے نکھرے پتے چاندی کی طرح چمک گئے۔ کوٹھی دیکھ کر کاکل کا سانس ادھورا رہ گیا۔ کیا اتنی خوبصورت اور وسیع کوٹھی اسکا مسکن بننے والی تھی؟ اس نے اسکا موازنہ اپنی چار دیواری سے کیا جو کل تک اسکا گھر تھا۔۔۔ لیکن تھا تو گھر ہی! کیا یہ " کوٹھی " گھر کا احساس دے پائیگی؟۔

مسیح اسکا سوٹ کیس لئے اندر داخل ہوا۔۔ وہ ایک کشادہ ڈرائنگ

روم تھا جہاں کی آرائش اونچے درجے کے ذوق کی غماز تھی۔ سامان کا ایک سکون آمیز امتزاج تھا۔ ڈرائنگ روم کا مغربی حصہ تہہ ہو جانے والے شیشے کے دروازوں سے پچھلی طرف ایک وسیع بالکونی میں کھلتا تھا جسکے پردے ہٹے ہوئے تھے اور فی الوقت غروب ہوتے سورج کی قرمزی روشنی نے سارے کمرے کو ارغوانی رنگ سے دہکا دیا تھا۔ بالکونی سے نشیب میں دور تک پھیلی ہوئی وادی تھی۔

ہال کی خوبصورتی دیکھ کر کاکل کی آنکھیں کھلی رہ گئیں۔ یہ کمرہ ایک ہی سطح پر نہیں تھا بلکہ دو سیڑھیاں اتر کر جانے پر ڈائننگ ہال تھا۔

وہ بجھے دل سے آگے بڑھی۔ اپنی حیثیت سے بہت اونچے ماحول میں انسان خود کو تنہا محسوس کرنے لگتا ہے۔ ان قیمتی قالینوں پر اسکے رعائتی سیل میں خریدے معمولی جوتے، جن کی وہ دو بار مرمت کروا چکی تھی، عجیب سے لگے۔ لیکن وہی جوتے اس وقت صرف اسکا نہیں بلکے دل کا منوں بوجھ بھی سنبھالے ہوئے تھے۔

بدلے ہوئے ماحول میں ہی انسان اپنا تنقیدی جائزہ لیتا ہے۔ خود اپنے بارے میں کئی ایسے زاویوں سے آشنا ہوتا ہے جو زندگی بھر اس کے ساتھ رہے پھر بھی وہ ان سے ناواقف رہا۔ کیا وہ اس سنہرے ماحول سے مرعوب ہو گئی تھی؟ اس نے خود سے سوال کیا۔ وہ ناتجربے کار سہی لیکن کم عصری کا شکار نہیں تھی۔ درحقیقت وہ ایک احساسِ ذمہ داری تھا جو اسے نروس کر رہا تھا۔ اسے بچوں کا قطعاً کوئی تجربہ نہیں تھا اور وہ بھی اس ماحول کے غالباً

نک چڑھے بچے۔

اسے جو کمرہ دیا گیا تھا وہ نرسری سے قریب تھا۔ التمش کے حکم سے اس میں ضروری تبدیلیاں کی گئی تھیں۔ وہاں کا فرش فرنیچر سب کچھ بدل گیا تھا۔ پہلی ہی نظر میں اسے اپنا کمرہ بھلا لگا۔ وہ ایک کشادہ بیڈ روم تھا جہاں کا فرش پستئی قالین سے ڈھکا تھا۔ کشادہ دریچوں پر خوشنما پستئی پرنٹ کے پردے اور غسلخانے میں بھی پستئی اسکیم رکھی گئی تھی۔ جہاں واش بیسن اور وینیٹی کا حصہ تھا وہ دیوار مکمل طور پر آئینے سے ڈھکی تھی۔ پستئی رنگ کی یکسانیت کو توڑنے کے لئے وہاں کا سارا فرنیچر سفید تھا۔

کاکل نے الماریوں کے دروازے کھولے، گہری اور بڑی الماریوں میں قطار در قطار ہینگر لگے تھے۔ ان ہی میں نیچے جوتوں کے لئے بنے ریک تھے کمرے اور بالکونی کے درمیان فرش سے چھت تک تہہ ہو جانے والے دروازے تھے۔ جن میں پھولدار پردوں کے پیچھے نفیس جالی دار پردے لگے تھے تاکہ دن میں جب دبیز پردے ہٹا دیئے جائیں تو مہین پردے روشنی میں رکاوٹ نہ بنیں۔

"بچے کہاں ہیں؟" اس نے ڈوبتے دل سے پوچھا۔

"آپ اسکی فکر مت کیجئے گا"۔ مسیح نے کہا "آپ تھکی ہوئی ہیں آج آرام کر لیں خانساماں سے کہہ کر میں آپکا کھانا بھی یہیں بھجوا دونگا"۔

کاکل واقعی تھک گئی تھی۔ اس نے مسیح کا شکریہ ادا کیا۔

مسیح کی پوزیشن اس شاندار گھر میں کیا تھی وہ سمجھ نہ پائی۔ لیکن اسکے

برتاؤ سے لگ رہا تھا کہ اس گھرانے میں اسے محض ایک نوکر کی طرح نہیں گردانا جاتا تھا

صبح اٹھکر اسنے پردے ہٹا دئے بالکونی میں داخل ہوتی فطرت کی صناعی کے بہترین نمونے اسکے سامنے تھے۔ بالکونی سے باہر چڑھتے سورج کی روشنی میں نیلگری پہاڑوں کی بلندیاں نظر آرہی تھیں۔ اس سے نیلگوں رنگ جھلک رہا تھا شاید اسی لئے انہیں یہ نام دے دیا گیا تھا۔ یا پھر یوکلپٹس کے جھنڈوں کی وجہ سے جو وہاں کثرت سے تھے۔ یوکلپٹس سے نکالے گئے تیل کو عام زبان میں نیلگری تیل بھی تو کہا جاتا ہے۔ وہ دنیا ایک طلسمی دنیا لگ رہی تھی۔ لیکن حقائق ہی تو تصور کو جنم دیتے ہیں جیسے وہ نیلگوں بلند و بالا پہاڑ ایک حقیقت تھے اور ان میں پوشیدہ ہزاروں لاکھوں مجسمے سنگتراش کا تصور۔

ابھی وہ ان نظاروں کا لطف لے ہی رہی تھی کہ اسے لگا کوئی اسکے بہت ہی قریب آکر کھڑا ہوا تھا۔ وہ چونک کر پلٹی تو دیکھا وہاں ایک چار پانچ سال کا بچہ کھڑا تھا۔ گورا رنگ بڑی بڑی آنکھیں ہونٹوں میں جیسے سرخ گلاب کی کلیاں چھپی ہوں۔ رخساروں پر ہلکی سی سرخی، ابروؤں تک پہنچتے، ریشمی بال کاکل سمجھ گئی کہ وہ شہزاد یا زینو ہی ہو سکتا تھا۔

"تم شہزاد ہو نا؟" اسنے پوچھا۔

بچے کی آنکھیں شرارت سے چمکیں لیکن اس نے کوئی جواب نہیں دیا

"اچھا اچھا تم وہی بچے ہو جسکے زبان ہے ہی نہیں؟"۔ کاکل نے اسے اکسایا اور جواب میں ایک منی سی گلابی زبان نکل آئی۔

"ہوں! تم شہزاد ہو"۔

"بلاؤں شہزاد کو؟"۔ اگلی بار وہ بولا اور بھاگ کھڑا ہوا چند ہی لمحوں بعد سرخ پل اوور میں دوسرا بچہ دوڑا ہوا آیا وہ ہوبہو اپنے بھائی جیسا تھا۔

"شہزاد "۔ کاکل نے اسے قریب بلایا۔ اسنے دیکھا زینو دروازے کی اوٹ سے جھانک رہا تھا۔ اس لمحے مسیح اسکی بانہہ پکڑے اندر آیا۔

"یہی تو ہے شہزاد"۔ مسیح نے اسے آگے بڑھایا۔ کاکل بوکھلا گئی۔

"لیکن شہزاد نے تو پیلے رنگ کا سویٹر پہنا ہے!۔ وہ بولی۔

"یہ انکا پسندیدہ مشغلہ ہے"۔ مسیح نے کہا "انہوں نے اپنے سویٹر بدل لئے ہیں اور تم دھوکہ کھا گئیں۔" تب تک اصلی زینو بھی اپنی گرتی نیکر سنبھالے آپہنچا۔

"ان کی پہچان کیا ہے؟" کاکل کے لئے یہ جاننا ضروری تھا۔

"یہ!"۔ مسیح نے شہزاد کے ماتھے پر سے بال اونچے کئے۔ وہاں پرانے زخم کا نشان تھا۔ "یہ بہت نڈر ہے ایک دن اونچی دیوار سے کود پڑا تھا اور یہاں اسکے چار ٹانکے لگانے پڑے تھے۔" کاکل ہنس پڑی اور ساتھ ہی مسیح بھی۔ مسیح اور اسکے درمیان کی تکلف کی دیوار اوٹی آتے ہوئے ہی ڈھے چکی تھی۔ "انہیں نہلانا اور بریک فاسٹ کروانا ہے؟"۔

"تو میں تمھاری مدد کروں؟"۔ مسیح نے مدد پیش کی۔

"شکریہ" کاکل بولی۔ "تم اپنے کام سے جاؤ، میں کرلونگی"۔ اسنے مسیح کے ہاتھوں میں ایک فائل دیکھ لی تھی۔

مسیح چلا گیا۔

"آپ کون ہیں؟" ۔بچوں کی توجہ مسلسل کاکل کی طرف تھی ۔شہزاد اسکے گھٹنے پر ہاتھ رکھے کرسی کے پاس کھڑا ہو گیا تھا۔

"میں ــــــــ ؟" کاکل نے سوچ کر کہا "میں تمھاری دوست ہوں ، ٹیچر ہوں ۔"

"ٹیچر ، نام تھوڑے ہی ہوتا ہے" ۔شہزاد نے ذہانت کا ثبوت دیا۔

"ممی آپکو کیا بلاتی ہیں ؟" زینو پوچھ بیٹھا اور کاکل سناٹے میں آگئی۔

زینو کا معصوم ذہن ماں کی واپسی کا منتظر تھا۔ جیسے وہ یہیں کہیں گئی ہو۔

"تمھاری ممی مجھے کاکل بلاتی ہیں ۔" اسنے شہزاد کے ریشمی بالوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"میں بھی آپکو کاکل بلاونگا" ۔زینو نے فیصلہ کر لیا۔

"میں بھی" ۔شہزاد نے اتفاق کیا۔

"تامش کہتے ہیں ۔میں اور شہزاد اگلے سال اسکول جائینگے" زینو کاکل کو گود میں اپنے لئے آرام دہ جگہ بناتا ہوا بولا۔

"تامش کون ؟" ۔کاکل نے بے ساختہ پوچھا۔

"تامش کون !" دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر کھلکھلائے گویا ساری دنیا جانتی تھی کہ تامش کون تھے ۔بس کاکل ہی نہیں جانتی تھی۔

کاکل کو تجسس ہوا ۔حور بانو نے اپنے خط میں کہیں تامش کا ذکر نہیں کیا تھا۔انہوں نے صرف یہ لکھا کہ بد قسمتی سے انکے دیور اختر بخت اپنی

بیگم اور بیٹی کے ساتھ کار کے منحوس حادثے میں چل بسے تھے۔ ان کے دو نواسوں شہزاد اور زینو کی نگہداشت اگر کاکل قبول کر لے تو اسے تنخواہ بھی معقول ملیگی اور ایک شریف اور متمول گھرانے میں وہ بے فکری سے رہ سکیگی۔ اور کوئی تفصیل نہ حور بانو نے لکھی نہ کاکل کو اسکی ضرورت تھی۔ اسے تو بس کوئی مناسب نوکری چاہیئے تھی۔ نوکری کی تلاش میں پے در پے ناکامیوں نے اسے ہراساں کر دیا تھا۔ حالات یوں بھی خوشگوار نہیں تھے۔ اسکے والد بھی اس سے کھنچے کھنچے سے رہنے لگے تھے۔ وہ اپنی پریشانی کا ذمہ دار کاکل کو گردان رہے تھے۔ اگر کاکل نے حفیظ سے شادی کر لی ہوتی تو آج انہیں یہ دن دیکھنا نہ پڑتا۔ کاکل کے پاس انکی شکایت کا بس ایک ہی حل تھا کہ وہ اپنے والد اور انکے آسودہ مستقبل کے درمیان سے ہٹ جائے ایسے میں حور بانو کے خط نے معجزے کا کام کیا اور وہ فوراً اوٹی جانے کے لیۓ تیار ہو گئی حیرت اس بات کی تھی کہ حور بانو نے اسقدر جلد کاکل کی بغاوت اور عدول حکمی کو معاف کر دیا تھا۔ حور بانو کا یہ عمل فدا حسین کی دستار میں ایک طرہ بن گیا۔ انہوں نے کئی کئی زاویوں سے کاکل پر ثابت کر دیا کہ حور بانو واقعی بڑی حلیم، خدا ترس اور چارہ گر خاتون تھیں۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ ہو سکتا ہے آگے چل کر حور بانو اسے بھی قبول کرنے کے لیۓ تیار ہو جائیں۔ اور انکے اسی جملے نے کاکل کے اوٹی جانے والے ارادے کو اور بھی مضبوط کر دیا۔ وہ حور بانو کی مشکور تھی کہ انہوں نے اسے نوکری دلانے میں مدد دی تھی۔ لیکن وہ انکے رحم کی متمنی نہیں تھی۔

وہ جب بنگلور پہنچی تو اسے یہ بھی امید نہیں تھی کہ کوئی اسے ریسیو کرنے کے لئے آئیگا اور وہاں مسیح اسکے استقبال کے لئے موجود تھا ایسا نا بھی ہوتا تو اس نے کمرِ ہمت باندھ لی تھی اور جان لیا تھا کہ زندگی کا یہ سفر وہ خود اپنے بل بوتے پر طے کریگی۔ زندگی اتنی ارزاں چیز نہیں تھی جسے نا امیدی کے حوالے کر دیا جاتا۔

لیکن تامش کون تھے؟

کاکل نے سوچا کہ مسیح سے ضرور اس بارے میں معلوم کریگی کیونکہ اگر اسے یہی پتہ نہیں اسے کس سے رجوع کرنا ہے تو اسکی پوزیشن ایک مسئلہ بن جاتی۔ ویسے اسے ابھی آئے وقت ہی کتنا گذرا تھا۔ اتنی بڑی کوٹھی میں بس دو جڑواں بچے اور مسیح ہی تو نہیں ہو سکتے تھے جن سے اسکی ملاقات ہوئی تھی۔ فی الحال تو اسے اپنا کام سنبھالنا تھا۔ اسے جس مقصد سے بلایا گیا، وہ اسکے سامنے تھا۔ باقی تفصیل کی اسے کیوں فکر ہو۔ اسے شروع میں تھوڑا سا وسوسہ ضرور ہوا تھا کہ محض حور بانو کے ایک خط کی بناء پر وہ کسطرح اتنا بڑا قدم اٹھائے، گھر چھوڑ دے، جب کہ انکی کارکردگی کی ریکارڈ اتنا تازہ تھا! اسکا شک جائز تھا۔ لیکن کوئی اور صورت بھی تو نہیں تھی۔ حور بانو اور اسکے والد نکاح کر رہے تھے۔ اسکا راستے سے ہٹنا ضروری تھا۔ بفرضِ محال دھوکہ ہوا بھی تو وہ واپس ہو سکتی تھی۔ اپنے گھر نہیں، اس بڑی دنیا میں جہاں لاتعداد مسائل ہیں تو بے شمار انکے حل بھی موجود ہیں۔ سوچنے کا یہ ڈھنگ اسے اسکی ماں نے دیا تھا۔

اسکے والد نے جس خوشی سے اسکا کرایہ دیا بلکہ جیب خرچ کیلئے مزید پیسے دئے اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ کس قدر اپنے نکاح کے منتظر تھے۔ انکی عجلت نے کاکل کا دل بھی دکھا دیا جیسے وہ اسے بوجھ سمجھکر جلد سے جلد اتار پھینکنا چاہ رہے ہوں۔ لیکن اسکی عجیب و غریب منطق اسکے کام آئی۔ اسکی ماں نے جس شخص سے محبت کی تھی وہ اس سے نفرت نہیں کر سکتی تھی۔ اور اسکے باپ سے اگر اسے محبت نہیں ملی تو قدرت نے اسکا ازالہ شہزاد اور زینو کی شکل میں کر دیا۔ دو ہی دن میں وہ اس سے اسقدر گھل مل گئے کہ کاکل کا شبہ خود اپنے بارے میں غلط ثابت ہو گیا کہ وہ انہیں سنبھال نہ سکیگی۔

ان دو دنوں میں اسکی ملاقات مسیح سے بمشکل ہو پائی تھی۔ ویسے بھی وہ تامش، کے بارے میں پوچھ گچھ کرکے بلاوجہ اپنے تجسس کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اسے بس اتنا معلوم ہوا تھا کہ بچے التمش، کو تامش بلاتے تھے کیونکہ انکی ماں یہی کہا کرتی تھی۔ اور یہ بھی کہ التمش شہزاد اور زینو کے ماموں تھے اور انہوں نے ہی اسے یہ ملازمت دی تھی۔ لیکن کہاں تھے وہ؟ اگریمنٹ پر مسیح نے اس سے دستخط کیوں لئے تھے یہ سوال اسکے دماغ میں اٹھے ضرور پر اسنے پوچھنا مناسب نہیں سمجھا۔

ہوا یہ تھا کہ کاکل کا خط ملنے کے بعد جس میں اسنے اپنی رضامندی ظاہر کی تھی، التمش مطمئن ہو گئے۔ انہیں چار دن کے لئے مدراس جانا پڑا۔ انہوں نے مسیح کو ہدایات دیں کہ کاکل کو ریسیو کرنے لئے وہ چلا جائے اور خود مدراس چلے گئے۔

کاکل نے بچوں کے ساتھ ہی رات کا کھانا کھایا۔ شہزاد اور زینو کو شب خوابی کے لیئے تیار کیا۔ یہ انکا معمول تھا کہ سونے سے پہلے کاکل کو جوابی بوسہ دیتے تھے۔ لیکن شہزاد پر اس قدر نیند طاری تھی کہ

بوسہ دینے سے پہلے ہی اسکی نیند سے بوجھل آنکھیں بند ہوگئیں۔ دو ہی دن میں کاکل کو پتہ چل گیا تھا کہ شہزاد سے تعلقات استوار کرنا مشکل نہیں تھا۔ اسکی باتونی طبیعت، کھلنڈرا مزاج مکمل اجنبیوں کو بھی اپنا لیتے تھے۔ لیکن زینو شہزاد کے مقابلے میں زیادہ حساس تھا۔ اسکا کبھی کبھی ہنستے کھیلتے اچانک کہیں جاکر چپ چاپ بیٹھ جانا۔ اداس ہوجانا، ظاہر کرتا تھا کہ ماں کی یاد نے ابھی اسکا دامن نہیں چھوڑا تھا۔ ایسے میں زینو کی نظر میں بالکل اجنبیت ہوتی۔

"سب کچھ ٹھیک ہوجائیگا"۔ کاکل نے گویا خود کو یقین دلایا۔

وہ شب خوابی کا لباس تبدیل کرنے جارہی تھی کہ خدمتگار نے آکر کہا چھوٹے سرکار نے کہا ہے کہ کافی آپ ان ہی کے ساتھ لائبریری میں پیجیے گا۔"

یعنی التمش واپس آگئے تھے۔

اس مہذب دعوت کے پردے میں جو جو حکم تھا اسے کاکل نے محسوس کیا اس نے گھڑی دیکھی۔ نو بج رہے تھے۔ یہ ملاقات صبح بھی تو ہوسکتی تھی۔ لیکن کوئی ایسی دیر بھی نہیں ہوئی تھی۔ ویسے بھی ایسی ملاقاتیں اتنی رسمی ہوتی ہیں کہ دو منٹ میں چھٹی ہوجاتی ہے۔

شب خوابی کا لباس تبدیل کرنے کی بجائے وہ سیڑھیاں اتر کر لائبریری

کی طرف چل پڑی اسے لائبریری میں آنے کا اتفاق ہی نہیں ہوا تھا۔ اسنے ادھر ادھر دیکھا۔ وہاں کوئی نہیں تھا۔ شائد بحیثیت ایک ملازم کے اس سے امید کی جارہی تھی کہ آقا کا انتظار کرے۔

لائبریری اور اسکا قرینہ دیکھ کر اسکے اشتیاق کی کوئی حد نہیں رہی۔ الماریاں کتابوں کے نایاب نسخوں سے بھری پڑی تھیں۔ سرخ مخملی صوفے اور گدیلی کرسیوں کے ساتھ ساتھ، روشنی کا بہت ہی مناسب انتظام تھا۔ فی الحال ایک مدھم نرم سی روشنی میں وہاں کی ہر چیز سکون میں نہائی نظر آرہی تھی۔

وہ اپنی علم کی پیاس بجھانے کے لئے پبلک لائبریریوں میں جایا کرتی تھی۔ کھری ٹانگیں ٹوٹی ہوئی کرسیاں، کرخت ٹیبل۔ ایک شور مچا رہتا تھا وہاں اور ہر چند منٹ بعد لائبریرین وہاں آنے والے لوگوں کو یاد دلایا کرتا تھا کہ وہ اس وقت لائبریری میں ہیں۔ مچھلی بازار میں نہیں۔ کتابوں میں سے صفحے غائب گرمیوں میں سر پر گھومنے والے کی کھٹ کھٹ چین سے کچھ پڑھنے ہی نہیں دیتی تھی۔ اور یہاں اس ریشمی خاموشی میں علم مخملی لبادہ اوراوڑھے سو رہا تھا۔ بس اسے چھونے بھر کی دیر تھی۔

آتش دان میں مدھم آگ کے شعلے کمرے کو مناسب طور پر گرم کئے ہوئے تھے کاکل کو سوئیٹر میں گرمی محسوس ہوئی۔ اس نے اپنا سوئیٹر اتار کر صوفے کی پشت پر ڈال دیا کہ واپس ہوتے ہوئے اٹھا لیگی۔ اطراف واکناف کا جائزہ لیتے ہوئے اسکی نظر آتش دان کے اوپر لگی بہت بڑی پینٹنگ پر مرکوز

ہو کر رہ گئی ۔ جہاں اختر بخت ، بیگم اور دونوں بچوں کے مسکراتے چہرے تھے ۔ یہ اس وقت کی تصویر تھی جب التمش اور شاہ نور لڑکپن کے دوسرے دور سے گذر رہے تھے ۔

وہ تصویر دیکھنے میں اتنی محو ہو گئی تھی کہ اسے پتہ نہیں چلا التمش کب لائبریری میں داخل ہوئے ۔ جب وہ پلٹی تو دیکھا ایک دراز قد شخصیت جس نے نیلے رنگ کا ڈریسنگ گاون پہنا ہوا تھا ۔ ٹیبل پر ہاتھ ٹکائے ۔ آنکھوں میں غصے اور حیرت کی ملی جلی کیفیت لئے اسے گھور رہی تھی ۔ التمش نے سینے پر ہاتھ باندھ لئے ۔ ان کی گردن کا مغرور خم ، اور ساتھ ہی ابروؤں کے بیچ ابھر آئی لکیر ۔ کاکل نے ایسی آنکھیں آج تک نہیں دیکھی تھیں جن میں شعلوں کی مدھم آنچ ہو ، تحکم ہو ، جو اپنے مدمقابل کو پسپا کر دے ۔

وہ تو وہاں ایک مطمئن اور آسودہ دماغ لیکر آئی تھی ۔ ایک عام سے انٹرویو کے لئے جس میں وہی عام سننے والوں کے عام سے جواب ہوتے ۔ لیکن یہاں تو ایک مجسم سوال شخصیت کھڑی تھی جو اسکے اعتماد کو متزلزل کر رہی تھی ۔

"میں ۔ میں کاکل ہوں ۔ کاکل فدا حسین" ۔ جب التمش خود کچھ نہیں بولے تو کاکل نے اپنا تعارف کروایا ۔ انکی شخصیت پہلے ہی کاکل کو نروس کر رہی تھی ۔ انکا روکھا انداز اور بھی اسکے پیر اکھیڑنے لگا وہ ذہنی طور پر قطعاً اس آزمائش کے لئے تیار نہیں تھی ۔

التمش نے ہاتھ پھیلا کر مقابل میں رکھی کرسیوں کی طرف اشارہ کیا

اور خود جاکر ٹیبل کے پیچھے رکھی کرسی پر بیٹھ گئے۔ کاکل کو بیٹھنے کی یہ دعوت غنیمت لگی کیونکہ اسکا دل بیٹھا جارہا تھا اور پاوں بیدم سے ہونے لگے تھے کیا کیا تھا اس نے؟ کہاں اسنے غلطی کی تھی جو التمش کے انداز میں برافروختگی تھی انہی کے بلائے تو وہ وہاں آئی تھی۔ کیا انکا یہ عام رویہ تھا کہ وہ محنت کشوں کو ایک بلندی سے دیکھنے کے عادی تھے۔؟ اسنے گود میں رکھی انگلیوں کو بھینچ لیا تاکہ انکی کپکپاہٹ ختم ہو۔ ساتھ ہی اسے الجھن سی ہونے لگی کیونکہ التمش کی اسکے سرتاپا سفر کرتی نظر گستاخ تھی۔

"کیا عمر ہے تمھاری؟"۔ انہوں نے بغیر کسی تامل کے پوچھا۔

کاکل سناٹے میں آگئی۔ کسی مہذب مرد سے یہ توقع کیسے کی جاسکتی تھی کہ وہ کسی لڑکی سے بلاجھجک اسکی عمر پوچھ بیٹھیگا! اسنے ایک نظر ان کی طرف دیکھا۔ ان کی آنکھوں میں چنگاریاں تھیں۔ خالص چنگاریاں، جیسے دو چقماق ٹکرا گئے ہوں۔ ان کے خوبصورت گھنے بال بکھرے ہوئے تھے اور ڈریسنگ گاون کے گلے سے گردن کا مضبوط تناو بتاتا تھا کہ کسی بات نے واقعی انہیں خفا کر دیا تھا۔ ورنہ التمش، انکی چال کا وقار، انکی شخصیت کی بے پناہ کشش انہیں اس عامیانہ سوال سے بہت اونچی سطح پر رکھتی تھی۔

"چوبیس سال"۔ کاکل نے اپنی جگہ کسمسا کر سچی بات بتادی۔

"وہ تو ظاہر ہے"۔ التمش کی نظر نے اسکے اطراف طواف کیا۔ کاکل کو یوں بھی انکی نظر کی بیباکی نے پریشان کر دیا تھا جیسے اس سے متعلق ہر بات ایک الزام، ایک دشنام تھی۔

"کتنے بچے تھے کریچ (Creche) میں ؟" انہوں نے پینترا بدل کر کہا "شاید بال واڑی سمجھ میں آتا ہو۔ کتنے بچے تھے تمھاری بال واڑی میں ؟" انکے لہجے میں طنز عیاں تھا۔ کاکل کو غصہ آگیا۔ وہ اسے خواہ مخواہ کٹہرے میں دھکیلے جارہے تھے۔

"میں کریچ کا مطلب اچھی طرح سمجھتی ہوں" ۔ اس نے حتیٰ الامکان تمکنت سے کہا۔ "لیکن میرا اس سے کوئی تعلق نہیں ۔ میں نے کبھی کریچ کی صورت تک نہیں دیکھی" ۔ شاید وہ ضبط کا آخری تار تھا جو التمش میں ٹوٹا۔ وہ ٹیبل پر ایک مکا مار کر کھڑے ہوگئے اور کاکل اچھل پڑی۔

"بیٹھ جاو اپنی جگہ" ۔ وہ گرجے ۔ لیکن خود کاکل کے پیروں کی سکت جاتی رہی تھی ۔ اسے ایسا لگا جیسے ساری زندگی وہ اسی کرسی پر بیٹھی رہی تھی ۔

"ایک سوال اور" ۔ وہ گھوم کر اس کے سامنے آتے ہوئے بولے" تمھارے مرحوم شوہر کا کیا نام تھا یا تمھیں اس سے بھی انکار ہے ؟" انکا لہجہ گلیشیر تھا۔

کاکل ہونق کی طرح آنکھیں پھاڑے انہیں دیکھتی رہی ۔

"میری تو ۔۔۔۔۔۔ میں تو شادی شدہ نہیں ہوں" وہ بمشکل بولی ۔

"تمھیں دیکھ کر تو کوئی اندھا بھی یہی کہیگا" ۔ وہ اسکے قریب پہنچ کر بولے ۔ "یہ ہرنیوں جیسی آنکھیں" ۔ انہوں نے اسکی آنکھوں میں جھانک کر کہا "یہ کورے لب" انکی نظر نے بیباکی سے اسکے لبوں کا طواف کیا" اور رخساروں پر چڑھتا یہ گلابی رنگ کسی بیاہتا کا نہیں ہوسکتا" ۔ کاکل نے

محسوس کیا وہ جان بوجھ کر اس کی ہتک کر رہے تھے۔ اسے غصہ دلانے کی کوشش کر رہے تھے۔ یہ سب کچھ کاکل کو بے جا لگا۔

"آپ، آپ، کہنا کیا چاہتے ہیں۔" اس نے کرسی کے دونوں دستے کس کر پکڑ لئے جیسے انہیں ہتھیار بنا رہی ہو التمش اس پر حملہ کرنے جا رہے تھے

"واللہ۔ جو میں کہنا چاہتا ہوں وہ تم سننا نہیں چاہو گی"۔ وہ اب بھی اسکا راستہ گھیرے کھڑے رہے تھے۔ "کیا مقصد تھا یہاں آنے کا؟ سستا ولولہ یا اوٹی کی سیر؟ جسکے لئے تمھیں اتنے جھوٹ کہنے پڑے۔ لیکن جانتی ہو تم نے کتنا بڑا رسک لیا ہے یہاں آکر؟" وہ کہتے گئے۔ "تمھاری طرح کی بگڑیل لڑکیاں خود مختاری کی تلاش میں گھر چھوڑ کر نکل پڑتی ہیں۔ ان خطروں سے بے خبر جو مردوں کی اس دنیا میں ان کے منتظر رہتے ہیں!"

"میں اللہ کی بنائی اس دنیا کو صرف مردوں کی دنیا نہیں سمجھتی۔ اس پر جتنا مردوں کا حق ہے اتنا ہی عورتوں کا بھی ہے" اب اسے واقعی غصہ آگیا۔

"یہ محض تمھارا زعم ہے۔ تم بھٹکی ہوئی لڑکیاں اسی خیال خام میں گھر سے نکل پڑتی ہیں۔ اور جب خطرہ سامنے آتا ہے تو بالکل معصوم بن جاتی ہیں۔"

خطرہ واقعی کاکل کے سامنے کھڑا تھا۔ اسکی انگلیاں سنبھلنے کی زبردست کوشش کے باوجود کرسی کے دستوں پر کانپنے لگی تھیں۔

"میں نے کوئی جھوٹ نہیں کہا نہ مجھے اوٹی کی سیر کا شوق تھا نہ" اس

نے کرسی سے اٹھنے کی بے سود کوشش کی۔ وہ اپنی ساری قوتیں یکجا کرکے التمش کی چھاجانے ولی شخصیت کا مقابلہ کر رہی تھی۔

"اب تم کہوگی کہ تم کسی حور بانو کو بھی نہیں جانتیں! ۔ کاکل کے ذہن میں گھنٹی سی بجی۔

"حور بانو؟" اسنے جیسے زیر لب کہا۔

"تم جانتی ہو وہ میری چچی ہیں۔ تم نے انہیں یہاں تک پہنچنے کا ذریعہ بنایا لیکن کاکل جہاں یہ اچھی طرح سمجھ لو یہ سودا تمھیں مہنگا پڑیگا۔"

"میں نے کوئی سودا نہیں کیا۔ اور میرا نام صرف کاکل ہے کاکل جہاں نہیں"۔

"تمھارا نام کچھ بھی ہو۔ تمھیں اپنی چالاکی کی قیمت ادا کرنی ہوگی۔" انہوں نے کلائی پکڑ کر ایک جھٹکے سے اسے کھڑا کر دیا" میں دھوکا کھاکر زخمی سانپ بن جاتا ہوں سمجھیں تم۔" انہوں نے دوسرا ہاتھ اسکی کمر میں ڈال کر اسے محصور کر لیا۔

مارے دہشت کے کاکل کی آنکھیں بند ہوگئیں۔ اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے واقعی اس نے کسی سانپ کی بل میں ہاتھ ڈال دیا ہو۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ جب وہ خندق سے نکل آئی تو کوئی کھائی اسکی منتظر تھی

"مجھے یقین ہے ابھی تم میرے ہاتھوں میں موم بنکر پگھل جاوگی۔ اور کتنوں کو بیوقوف بنایا ہے تم نے؟" انہوں نے اسکے سر کو ہلکا سا جھٹکا دیکر پوچھا" بہت سستی سمجھتا ہوں میں تمھاری طرح کی لڑکیوں کو اور ایسی سستی

چیزوں سے مجھے نفرت ہے"۔ انہوں نے کاکل کو دھکا دیکر چھوڑ دیا اور وہ گرتے گرتے بچی۔"Now get out " ان کی آواز حیرت انگیز طور پر نیچی تھی جیسے سانپ کی پھنکار ہو۔وہ دروازہ کھولکر کھڑے ہو گئے۔

"میں کل ہی یہاں سے چلی جاؤنگی"۔اس نے بمشکل کہا اور جانے لگی۔" اتنی آسانی سے نہیں۔۔میں جھوٹوں کو منزل مقصود تک پہنچایا کرتا ہوں۔۔ تم جس کام کا بہانہ لیکر یہاں آئی تھیں وہ تمہیں کرنا ہوگا"۔۔

اس وقت تک "جب تک میں چاہوں" التمش کے لب و لہجہ سے صاف ظاہر تھا کہ وہ کاکل کی خدمات سے زیادہ اسے زک دینے پر مُصر تھے۔

وہ درشتگی اور ذلت کا بھرپور تھپڑ تھا جو کاکل کے پندار پر پڑا۔ روکنے کے باوجود اس کی آنکھوں میں جلتے جلتے آنسو ابل آئے۔اس نے اپنا منہ پھیر لیا تاکہ ہزیمت کے وہ آنسو التمش دیکھ نہ پائیں اور جہاں تک ممکن ہوسکا متانت سے باہر نکل گئی۔

کتنا فرق تھا اس کاکل میں جو لائبریری میں داخل ہوئی تھی اور وہ جو اب وہاں سے نکل جا رہی تھی۔ان دو ہی تین دنوں میں وہ خود کو اس کوٹھی کا مکین سمجھنے لگی تھی جیسے وہ عرصہ سے وہاں رہتی آئی ہو۔اور اب اس کی حیثیت وہاں ایک قیدی کی سی تھی۔اسے ایسا محسوس ہوا جیسے اسے خلا میں اچھال دیا گیا ہو۔

حور بانو کا نام سن کر ہی اسے سارے مہرے جگہ پر بیٹھتے نظر آئے۔ لیکن اب وہ کسے الزام دے، حور بانو کو یا اپنی قسمت کو؟

التمش کا غصہ بھی بے جا نہیں تھا۔

حور بانو جب ان کے پاس آئیں تو انہوں نے التمش کو مسائل میں گھرا دیکھا۔ وہ منظر بھی دیکھا جب التمش پتھر دل لئے شہزاد اور زینو کو چھوڑنے کے لئے گئے اور پھر وہ سین بھی جب وہ آدھے راستے سے واپس ہوئے۔ جب وہ کار سے اتر کر کوٹھی میں داخل ہونے کے لئے سیڑھیاں چڑھتے گئے تو شہزاد اور زینو ان کے کندھوں سے ایسے چپکے تھے جیسے اب کبھی جدا نہ ہونگے

ایک کے بعد دیگرے آیائیں آتی رہیں لیکن سب سے زیادہ جو ٹکی اس نے چار دن نکال لئے۔ ایک تو وہ التمش کے میزان پر نہیں اتریں دوسرے ڈورا نے ان کی زندگی اجیرن کر دی۔ التمش کو کسی ایسی عورت کی تلاش تھی جو ہر لحاظ سے ڈورا سے برتر اور پڑھی لکھی ہو۔ عمر کے سنجیدہ دور سے گزر رہی ہو اور خاص کر اسے بچوں کا تجربہ ہو تاکہ وہ ان کی تربیت کے ساتھ ساتھ تعلیم بھی دے سکے۔ بس پھر کیا تھا حور بانو نے ان سارے مجوزہ صفات کے ساتھ اپنی زنبیل سے کاکل کو نکال کر پیش کر دیا۔ ویسے بھی وہ اپنی پچھلی زک بھولی نہیں تھیں۔ اس بار وہ ایسا مکمل انتظام کرنا چاہتی تھیں کہ تیر کمان میں ہرگز واپس نہ آئے۔۔۔۔ آگے جو بھی ہو دیکھا جا سکتا تھا۔

التمش طیش کے عالم میں بہت ممکن تھا کاکل کو برطرف کر دیتے لیکن کوئی غیر محسوس سی طاقت تھی جس نے انہیں ایسا کرنے سے باز رکھا۔ وہ لڑکی جس نے ان کی کوٹھی میں پناہ لی تھی ہرگز ایسی نہیں لگتی تھی کہ اتنی چالباز ہو پھر کس مجبوری نے اسے دھوکے بازی پر آمادہ کیا؟۔۔۔ اور اب

سب سے بڑا سوال ان کے آگے یہ تھا کہ کیا بچوں کو ایک ناقابل بھروسہ، جعلساز لڑکی کی تحویل میں دیا جاسکتا تھا؟

ان کی انصاف پسند طبعیت نے طے کیا کہ کاکل کو صفائی پیش کرنے کا موقع دیا جائے۔ اسکے لئے کاکل پر پہرے لگانے کی ضرورت نہیں تھی۔ وقت ہر سچائی کو بے نقاب کر دیتا ہے۔ وہ خود کاکل کی کارکردگی کو جانچ سکتے تھے۔ اسکے بعد کوئی فیصلہ کیا جاسکتا تھا۔

انہوں نے قلم اٹھایا اور معتمد فرانسیسی ادارہ تعلیم وثقافت کو خط لکھا جس میں Expedition میں شرکت نہ کر سکنے کی معذرت کی اور ساتھ ہی یہ بھی واضح کر دیا کہ پراجکٹ ٹیپو، کا تعلق چونکہ ہندوستان سے تھا۔ اس لئے یہی مناسب اور بہتر تھا کہ وہ یہیں سے مراسلے بھیجتے رہیں۔

لائبریری میں التمش سے ملاقات کے بعد جب کاکل باہر نکلی تو اس کی ــــ وہی حالت تھی جو ایک جواری کی ہوتی ہے جس نے بغیر سوچے سمجھے ہی اپنی ساری پونجی داؤ پر لگادی ہو۔ اسے چاہیئے تھا کہ احتیاط سے کام لیتی لیکن احتیاط سے کھیلا ہوا جوا بھی جوا ہی ہوتا ہے۔

وہ اس قدر تھک گئی تھی کہ اس کے خوشنما کمرے کا آرامدہ بستر اس کے لئے سب سے بڑی دعوت ِعیش ہوتا لیکن نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ وہ رہ رہ کر یہی سوچتی کہ کیوں اس نے آنکھ بند کرکے حور بانو پر اعتبار کرلیا جن کا پچھلا ریکارڈ وہ نہیں بھولی تھی ــــ لیکن ذہنی کیفیت کے

جس دور سے وہ گزر رہی تھا وہاں خوش فہمی میں مبتلا ہو جانا عین ممکن تھا۔

خاموش اندھیرے میں کوری آنکھیں لئے وہ بستر پر بے سدھ پڑی رہی۔ نیچے ہال میں رکھے گرینڈ فادر کلاک کے گھنٹے وقتاً فوقتاً بجتے رہے۔ صدر دروازے کے بند ہونے کی آواز، خود اس کے خوابوں کے چکنا چور ہونے کی آواز اور اپنے پچھتاوے کی غیر مانوس آواز ان سب آوازوں نے اسے جگائے رکھا۔ التمش حور بانو کو بھی اس سازش کا شکار سمجھ رہے تھے۔ انکا صاف مطلب یہ تھا کہ کوٹھی میں اپنی جگہ بنانے کے لئے کاکل نے اوچھے اور سستے حربے استعمال کئے تھے۔ اس طرح حور بانو صاف بری ہو جاتی تھیں لیکن اس کے لئے مفر کہیں نہیں تھا۔

پریشان خیالات اور تھکن نے مل کر اپنا کام کیا۔ جیسے کوئی پھندہ اس کے حلق پر کستا جا رہا تھا۔ دریچوں سے آتی ٹھنڈی ہوا کے باوجود اس کا ماتھا پسینے سے بھیگ گیا تھا۔۔۔ ہاتھ پاؤں جیسے شل ہو گئے تھے۔ ایسا اکثر اس وقت ہوتا ہے جب ہم جلد بازی میں کوئی فیصلہ کر بیٹھتے ہیں۔ اور بعد میں کف اِفسوس ملتے ہیں۔

کروٹیں بدلتے آدھی رات گزر گئی۔ وادی میں سینکڑوں جگنو چمکتے رہے لیکن کسی نے اسے روشنی نہیں دی۔ اسکا حلق سوکھ رہا تھا۔ وہ بے چین ہوئی اور دروازہ کھول کر باہر نکل آئی۔ گھوم کر جاتے ہوئے برآمدے کے سرے پر، کمرے سے دروازے کے نیچے روشنی کی لکیر بتا رہی تھی کہ التمش جاگ رہے تھے۔۔۔۔۔۔ وہ بمشکل دبے پاؤں سیڑھیاں اتر آئی اور پھر اسی

وحشت میں ہال سے ہوکر کچن کی طرف بڑھی ۔اس وسیع ڈرائنگ روم کی سجاوٹ ، بیچوں بیچ لٹکتے جھاڑ فانوس کی ٹنگ لنگ اس مکمل خاموشی میں کسی جاسوسی فلم کا ایک حصہ لگ رہے تھے ۔اس نے وحشی ہرنی کی طرح آس پاس نظر دوڑائی ۔دو سیڑھیاں اتر کر ڈائننگ ہال سے ملحق کچن تھا، اسے پانی وہیں مل سکتا تھا جس کی اسے سخت ضرورت تھی ۔ڈائننگ ہال اور کچن کے درمیان ایک مختصر لابی تھی اور پھر ایک دروازہ جس کے بیچوں بیچ ایک بیضوی شیشہ لگا تھا جہاں سے خدمت گار آقاؤں کو خاصہ تناول کرتے دیکھتے اور ان کی ضرورتوں کا خیال رکھتے ۔

دروازہ کھولنے سے پہلے کاکل کی نظر نے شیشے سے جو نظارہ دیکھا اس نے اس کے پریشان خیالات کو اور بھی پراگندہ کر دیا ۔

کشادہ اور ماڈرن کچن کے بیچ سیاہ آبنوسی ٹیبل تھا اور اوپر سے ہالے کی طرح گرتی روشنی میں وہاں دو پراسرار ہستیاں بیٹھی تھیں ۔کاکل نے انہیں پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا ۔وہ مارے ہیبت کے اپنی پیاس بھول گئی ۔۔۔وہ وہاں سے بھاگ جانا چاہتی تھی لیکن جیسے کسی اژدہے کی مقناطیسی آنکھوں نے اسے جکڑ لیا تھا ۔وہ چاہتے ہوئے بھی ان دونوں پر سے اپنی نظریں نہیں ہٹا سکی ۔

ان دونوں ہستیوں میں ایک بہت دراز قد اور ورزشی بدن کا تھا ۔جس کی سیاہ داڑھی اور گھنے گھونگھریالے بال تھے ۔اس نے اپنے ہاتھ میں ایک عصا نما موٹی چھڑی تھامی ہوئی تھی ۔جس کے سرے پر بھینس کا خوفناک

سر بنا ہوا تھا۔ اس شخص کی فطری بے چینی اسکے عصا سے ظاہر ہوتی تھی جب
بات کرتے ہوئے وہ جوش میں بار بار ہلانے لگتا۔ دوسرا شخص بھی گو اس سے
قد میں کم تھا مگر اس کے داڑھی نہیں تھی۔ اسکے حرکات و سکنات میں ٹھہراؤ تھا
لیکن اسکی چھوٹی چھوٹی آنکھیں بے چین اور حیرت انگیز طور پر چمکدار تھیں۔
نیلگوں چہرے پر دہانے کی دونوں جانب دراڑیں اور چوکور ٹھوڑی اس کی
استقامت اور قوی ارادے کو ظاہر کرتی تھیں۔

اچانک اس داڑھی والے شخص کی نظر بیضوی شیشے سے جھانکتی کاکل
پر پڑی اور وہ تیزی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ کاکل پلٹ کر سرپٹ بھاگ کھڑی ہوئی
اسے اس سیڑھی کا دھیان نہیں رہا جو ڈائننگ ہال کو ڈرائینگ روم سے الگ
کرتی تھی۔ ٹھوکر لگی اور اسکے بعد کاکل کو ہوش نہیں رہا۔

جب کاکل کو ہوش آیا تو ایک چہرہ اس پر جھکا ہوا تھا۔ وہی چہرہ جس
کے مالک نے چند گھنٹوں پہلے اسے ذلیل کیا تھا۔ لیکن وہی چہرہ قرنوں کی
دوری کے باوجود اسے اپنا سا لگا۔ طوفان میں گھری چیونٹی، تنکے کی تلاش میں
تھی۔ لیکن التمش کی گہری گہری آنکھیں بالکل خاموش تھیں۔۔۔۔ انہوں نے
اسے کوئی دلاسہ نہیں دیا۔ وہ شب خوابی کے لباس میں تھے جس پر انہوں نے
لاپروائی سے وہی ڈریسنگ گاؤن ڈالا ہوا تھا جو کاکل نے لائبریری میں دیکھا
تھا۔ ایسا لگتا تھا گویا وہ بہت عجلت میں اپنی خوابگاہ سے نکل آئے تھے۔

کاکل نے آنکھیں گھما کر اپنے اطراف و اکناف کا جائزہ لیا۔ وہ اپنے ہی
کمرے میں آرام دہ بستر پر لیٹی تھی۔ وہی بستر جس نے کچھ دیر پہلے اسے نیند عطا

کرنے سے یکسر انکار کیا تھا ۔۔۔ پائینتی ایک چہرہ اور بھی تھا جس پر اس کی آنکھیں جم گئیں ۔ وہی چہرہ جسے اس نے کچن میں دیکھا تھا تو جس بات کو وہ اپنی بدخوابی سمجھ رہی تھی، وہ حقیقت تھی ۔۔۔ ہاں وہی چہرہ تھا پر سکوت، کسی بھی طرح کے جذبات سے عاری لیکن کمرے کے اس ماحول میں اتنا خوفناک نہیں جبکہ کچن کے آبنوسی ٹیبل کی سیاسی اور روشنی کے ہالے نے اسے پراسرار بنا دیا تھا۔

"ہم سوما سے بات کر رہا تھا چھوٹے سرکار" ڈورا نے کہا "یہ بی بی ہمارا بات سن رہا تھا" ڈورا کے انداز میں ناگواری تھی یہ کہکر ڈورا گویا کاکل کے تابوت میں ایک کیل اور ٹھونک رہی تھی ۔ اب اس پر ایک اور اخلاقی کمزوری کا الزام بھی ثابت ہو جائے گا کہ وہ دوسروں کی باتیں چھپ چھپ کر سنا کرتی ہے ۔۔۔۔۔۔ نہیں یہ اس کی عادت نہیں ہے، ۔۔۔۔ وہ اپنی صفائی میں کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن کچھ بھی نہ کہہ سکی ۔ وہ ذہنی اور جسمانی طور پر اتنی تھک گئی تھی کہ اس سے خود اپنی مدافعت نہ ہو سکی ۔ اس کی بند آنکھوں کے کنارے سے ایک آنسو بہہ کر تکیے میں جذب ہو گیا۔

ڈاکٹر آکر جا چکا تھا ۔ اس کے دیئے ہوئے انجکشن نے اثر کرنا شروع کر دیا تھا ۔۔۔ وہ دنیا اور مافیہا سے بے خبر ہو گئی

اگر کاکل نے ڈورا کو پہلے دیکھا ہوتا تو اس کے چھکے نہیں چھوٹتے ۔ جب سے وہ آئی تھی ڈورا گٹھیا کے درد میں مبتلا اور صاحب فراش تھی ۔ آج

سوما اس سے ملنے کے لئے آیا تھا۔ ڈورا اور سوما کا نیلگری پہاڑوں میں بسنے والے قبیلے ٹوڈا سے تعلق تھا۔ سوما قبیلے کا سربراوردہ رکن تھا۔ جبکہ ڈورا نے برسوں پہلے قبیلہ چھوڑ کر عیسائی مذہب اختیار کر لیا تھا۔

نیلگری کے پہاڑی ڈھلانوں میں مقیم یہ ٹوڈا قبیلہ کئی خصوصیات کی وجہ سے اپنی ایک انوکھی شناخت رکھتا ہے۔ جنوبی ہندوستان کا ایک حصہ ہونے کے باوجود ٹوڈاؤں کی شخصیت وہاں کے باشندوں سے جداگانہ ہے۔ اس کی وجہ انکا اپنی نسل کی بقا کا تحفظ ہو سکتا ہے۔ تپتے ہوئے تانبے کا سا رنگ اور گھنے بال ــــ مرد سیاہ داڑھیاں رکھنے میں فخر محسوس کرتے ہیں تو عورتیں اپنے چہروں کو گجلگ گودنے سے سجاتی ہیں جو سارے چہرے کو نیلگوں بنا دیتا ہے۔

اور عورتوں کی طرح ڈورا بھی اپنے چمکدار سیاہ بالوں کو پام کے پتوں میں لپیٹ کر ان کے لچھے کندھوں پر چھوڑ دیتی تھی۔ سن رسیدگی کے باوجود اس کے بال اب بھی سیاہ تھے۔ انسان خود کی شناخت کے لئے اپنے اپنے خد اتراش لیتا ہے ٹوڈاوں کے معاشرے میں بھینس کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ ان ہی کے گلوں میں وہ اپنی مقدس گھنٹیاں باندھتے اور انکی پرستش کرتے ہیں۔ سوما کے عصا کے مٹھ پر بھی بھینس کا ہی سر بنا تھا۔ سیاہ پتھرائی آنکھوں والا۔ بھینس ہی انکی زندگی کا اہم جز ہے۔ ان کی معیشت کی ذمہ دار۔ سیدھے سادے ٹوڈا، دودھ، دہی، مکھن، گھی دے کر ان کے عوض اپنی ضروریات کی چیزیں خریدتے ہیں

یہ فطری طور پر امن پسند ہوتے ہیں۔ انکے پاس ہتھیار نام کی کوئی چیز نہیں ہوتی۔ عورتوں اور مردوں کا یکساں لباس ہوتا ہے۔ بس ایک لامتناہی سفید چادر انکے سارے بدن کو ڈھانپے رکھتی ہے۔ صرف ایک مضبوط شانہ کھلا رہتا ہے۔

ڈورا کی اس ہیئت کے باوجود، شہزاد اور زینو اس سے خوفزدہ نہیں تھے۔ کیونکہ وہ انکی پیدائش سے ہی اس ماحول کا ایک حصہ تھی۔ بلکہ وہی تو تھی جس نے نورا بے بی اور دو جڑواں بچوں کو سب سے پہلے آنچل میں چھپا لیا تھا۔

سوما کافی دنوں کے بعد ڈورا سے ملنے آیا تھا۔

"تو نے قبیلہ چھوڑ بھی دیا تو کیا ہوا" ۔ وہ عادتاً اپنا عصا ہلا کر ڈورا سے کہہ رہا تھا۔ "ہے تو تو ہم ہی میں سے ایک"

ڈورا کو اس حقیقت سے انکار کہاں تھا۔ وہ سوما کی آنکھوں میں دیکھتی تنی بیٹھی رہی۔

"کیا ہوا جو تو نے کسی اور کے بچے کو جنم دیا" ۔ سوما بولا "میں اسے اپنانے کو تیار تھا۔ میں نے تو تیری چوکھٹ پر تیر کمان بھی رکھدی تھی جب تو

نے کہیں پھینک دیا"۔ سومانے شکایتاً کہا۔

"تیر کمان دینے والا تو اکیلا تو نہیں تھا"۔ ڈورا نے کمال بے اعتنائی سے کہا۔

ٹوڈا قبیلے کے رواج کے مطابق حاملہ عورت کے پیدا ہونے والے بچے کی ولادت طے کی جاتی ہے۔ جہاں عام طور پر کئی ممکنات ہوتے ہیں وہاں کوئی ایک شخص آگے بڑھکر یہ خوشگوار ذمہ داری اپنے سر لے لیتا ہے اور وہ ساری برادری کے سامنے ایک ننھی سی تیر کمان اس عورت کو پیش کرتا ہے گویا اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ اسنے بچے کی ولدیت قبول کی۔ یہی نہیں بلکہ مستقبل میں اس عورت کے پیدا ہونے والے سارے بچوں کا کفیل وہی ہوتا ہے۔ چاہے وہ کسی اور کی اولاد کیوں نہ ہوں۔ یہ ذمہ داری ایک مقررہ مدت کے لئے ہوتی ہے۔ اسکی میعاد ختم ہونے پر کوئی اور سورما یہ فریضہ اپنے سر لے لیتا ہے۔

"مجھے تیر کمان دینے والے اور بھی تو تھے"۔ ڈورا نے فخر سے کہا۔

"لیکن تو تو جانتی ہے، میں نے تیرے بعد کسی اور عورت کی صورت نہیں دیکھی"۔ یہ حقیقت تھی۔ سوما نے ڈورا کو جی جان سے چاہا تھا۔

انکی دراوڑی زبان کا ایک لفظ بھی کاکل نہیں سمجھ پا رہی تھی، لیکن وہ ایک عجیب سی مقناطیسی کشش تھی جس نے اسکے پاؤں جکڑ لئے تھے اور اسکی نظران دو غیر معمولی چہروں سے ہٹ نہیں رہی تھی۔

"میں کہتا ہوں ابھی وقت ہے۔ تیرا بیٹا بڑا ہو گیا ہے۔ تو نے اپنی ضد

پوری کرلی۔اب تجھے کونسی بات کی فکر ہے۔لوٹ چل قبیلے میں"۔سوما نے ڈورا کو ترغیب دی۔

"مسیح کو میں نہیں چھوڑ سکتی سوما"۔ڈورا اٹھی۔اس نے ایک ڈبہ کھول کر اس سے ڈبل روٹی نکالی اور دو گلاسوں کے ساتھ کانچ کے ایک جگ میں دودھ بھر کر سوما کے آگے رکھ دیا اور وہیں بیٹھ کر ٹوسٹ پر مکھن لگانے لگی۔

"کیوں، مسیح کو کیا ہوا؟"۔سوما نے دودھ کا بڑا گھونٹ لے کر پوچھا

بیضوی شیشے سے جھانکتی کاکل نے جب مسیح کا نام سنا تو اسکے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔مسیح کی جان کو خطرہ تھا وہ دو اجنبی ضرور کوئی سازش کر رہے تھے۔اسکے ڈر کی انتہا نہ رہی۔

"وہ اپنے آپ کو چرچ کو سونپنا چاہتا ہے۔پادری بننا چاہتا ہے"۔

"تو اس میں کیا ہوا!"۔سوما کے لہجے میں طنز تھا۔"تو نے بھی تو مسیحی بن کر قبیلہ چھوڑ دیا۔"

"میں نے تو صرف قبیلہ چھوڑا تھا"۔ڈورا زچ ہو کر بولی"وہ تو دنیا چھوڑ دینا چاہتا ہے"۔

"قبیلہ ہی تو تیری دنیا تھی!"ڈورا کو کچوکے لگا کر سوما کو ایک گونہ خوشی حاصل ہو رہی تھی۔

"میں ایسا ہرگز نہ ہونے دونگی"۔ڈورا نے پورے اعتماد سے کہا۔

"نوجوانی اور پہاڑوں سے پھوٹتے چشمے خود سر ہوتے ہیں"۔سوما نے

ٹوسٹ پر مکھن کی ایک اور تہ چڑھاتے ہوئے کہا۔

ڈورا کسی سوچ میں ڈوب گئی۔ حالانکہ وہ عورت تھی، لیکن پہناوے اور گھنے گھونگھرالے بالوں اور نقش ونگار کی یکسانیت تذکیر و تانیث کی تمیز کو تقریباً مٹا رہی تھی۔ صرف داڑھی کی موجودگی ٹوڈا مرد کو ممیز کرتی تھی۔

"کس سوچ میں پڑ گئی تو؟" ۔ ڈورا کو سوچ میں دیکھ کر سوما نے پوچھا

"سب کچھ ٹھیک ہو جائیگا" ۔

"مسیح کہہ رہا تھا چھوٹے سرکار نے ایک لڑکی بلائی ہے" ۔ وہ بولی۔

"ہو گی اسی کی عورت" ۔ سوما تضحیک سے ہنسا "کتنے عجیب رواج ہیں ان کے ایک عورت بس ایک ہی کی ہو کر رہ جاتی ہے۔ تنگ دل کہیں کے" ہنسنے پر سوما کے دانت موتیوں کی طرح چمکے۔ اسکی عمر کا اندازہ لگانا مشکل تھا دودھ دہی مکھن اور کھلی ہوا کے متوالے بڑھاپے کو اپنی دہلیز چھونے نہیں دیتے۔ اک اتنی ہی دیر میں وہ جگ بھر دودھ غٹار گیا تھا اور مکھن بھی۔

"نہیں، یہ انکی عورت نہیں ہے۔ دونوں الگ الگ کمروں میں سوتے ہیں مجھے خانساماں نے بتایا تھا۔

"دیکھ میں پھر کہتا ہوں واپس چلی آ اپنے کنٹم میں" ۔ سوما نے بچا کچا مکھن بھی صاف کرتے ہوئے کہا۔

"تو اپنی رٹ لگائے ہے" ۔ اس بار ڈورا بپھر گئی۔

"اب میں گھاس پھوس کے ان الٹے کٹوروں جیسے جھونپڑوں میں نہیں رہ سکتی" ڈورا نے اپنے ٹوڈائی خون کے باوجود کہا جو سوما کے ٹوڈائی

غرور کو ٹھیس پہنچا گیا۔ وہ جانے کے لئے اٹھا اور تبھی اس کی نظر بیضوی شیشے
سے جھانکتی کاکل کی پھٹی پھٹی آنکھوں پر پڑ گئی اسنے ڈورا کا ہاتھ دبا کر ادھر
اشارہ کیا۔ ان چار آنکھوں کی اچانک توجہ نے کاکل کے پاؤں کی رہی سہی
سکت بھی سلب کر لی۔

مسیح کی زندگی بچپن سے جوانی تک بخت خاندان ہی میں گزری تھی۔
لیکن اسے ان کا پروردہ نہیں کہا جا سکتا تھا۔ ڈورا کو جو تنخواہ ملتی تھی وہ اس کی
پرورش کے لئے بھی کافی سے زیادہ تھی۔ چنانچہ جب اختر بخت نے مسیح کو بھی
اسی اسکول بھجوانے کی پیشکش کی جہاں التمش جاتے تھے تو ڈورا اس پر راضی
نہ ہوئی۔ وہ التمش اور مسیح کے بنیادی فرق کو جانتی تھی۔ التمش کو بہت کچھ
موروثی طور پر حاصل تھا جبکہ مسیح کو دنیا میں اپنی جگہ خود بنانی تھی۔ بھلے ہی
وہ اسی اسکول جاتا کالج کی پڑھائی پوری کرتا لیکن بلندی تک پہنچنے کے لئے جو
پائیدان التمش کو ملا، اسے کبھی نہ ملتا۔۔۔۔۔ اس فیصلے کا ذمہ دار ڈورا
کا ٹوڈائی غرور بھی تھا۔۔ وہ اپنے بچے کو اپنے بل بوتے پر آگے بڑھانا چاہتی تھی
اس نے مسیح کو مشن اسکول بھیجنے کا فیصلہ کیا جسے اختر بخت نے قبول کر لیا۔
شاید یہیں سے التمش اور مسیح کے راستے الگ الگ ہونے لگے تھے
ایک دوسرے کو اچھی طرح سمجھنے کے باوجود تکلف کی وہ دیوار جو لڑکپن سے
جوانی تک ان کے بیچ اینٹ اینٹ بڑھ آئی تھی اسے التمش نے بھی کبھی ڈھانے
کی کوشش نہیں کی۔۔ نہ مسیح کو اس طبقاتی فرق کی شکایت تھی جو اس کے اور

بخت خاندان کے مابین تھا۔ التمش کے اور اس کے تعلقات دوستانہ ضرور تھے لیکن وہ کبھی بے تکلفی کی حدوں کو نہیں چھو پائے۔ مسیح بھی دنیا میں کچھ کر دکھانے کا خواہشمند تھا لیکن کسی حسد یا رشک کی بنا پر نہیں بلکہ اس کا ایقان تھا کہ زندگی کو کوئی آئیڈیل دینا ہر انسان کے لئے ضروری ہے۔ خدا نے دنیا بنائی اور انسان کے حوالے کر دی۔ اسے سنوارے رکھنا انسان کا فرض ہے۔

لڑکپن میں ہی کسی موڑ پر مسیح نے طے کر لیا تھا کہ وہ پادری بن جائے گا۔ اس میں پادری بننے کی ساری صلاحتیں موجود تھیں۔ سنہری چشمے کے پیچھے اس کی پرسکون نیلی آنکھیں، اس کی قوت برداشت، سنجیدہ ذہن نا مساعد حالات میں متانت سے فیصلہ کرنے کی قابلیت۔۔۔۔۔اور سب سے زیادہ خدمت خلق کا جذبہ۔

رات کے دس بجے تھے اور مسیح کے آگے ٹیبل پر کاغذات اور رجسٹر کھلے تھے۔ اسکے گورے رنگ پر خط کی سبزی اجاگر ہونے لگی تھی۔۔اس کے ابرو پر بل تھے جیسے وہ کسی پیچیدہ گتھی کو حل کرنے کی کوشش میں لگا ہو۔۔ ابھی تک اس کی زندگی ایک صاف وشفاف آیئنے کی طرح تھی لیکن اب کچھ غبار اٹھ کر اسے دھندلانے لگے تھے۔ آج تک کسی لڑکی کے حسن نے اسے متاثر نہیں کیا تھا۔ وہ نیچر کا شیدائی تھا۔ اسے پھولوں سے دلکش نظاروں سے عشق تھا لیکن پہلی بار کاکل کو اسٹیشن پر دیکھ کر اسے لگا جیسے حسین و پاکباز للی کے پھول اب کبھی اسے محض پھول نہیں لگ سکتے کیونکہ انہوں نے

ایک شخصیت کا روپ دھار لیا تھا۔

وہ اسٹیٹ کے سبھی کاموں میں اختر بخت اور پھر شاہ نور کی مدد کرتا آیا تھا جس کا معاوضہ اسے خاطر خواہ ملتا تھا۔ اسٹیٹ کے کاموں کے بعد وہ مطالعے میں اپنا وقت صرف کرتا۔ وہ صرف کلیسائی لٹریچر، ہی نہیں بلکہ اچھے معیاری اور سنجیدہ ادب کا دلدادہ تھا۔

اسے آنے والے اتوار کو چرچ میں دی جانے والی تقریر کی تیاری کرنی تھی۔ لیکن آج اس میں بھی اس کا دل نہیں لگا۔ اسنے رجسٹر اور کتابیں بند کر دیں اور خود اپنی تنقید پر اتر آیا۔

صدیوں پہلے ۱۶۶۴ء میں فرانس کے بادشاہ نے مولیر کے ڈرامے "تارتف" کو عوام کے سامنے پیش کرنے پر پابندی لگادی تھی کیونکہ مولیرنے اس میں مذہب اور رہبانیت پر کاری حملے کئے تھے۔ کلیسا کی خود مختاری کے اس دور میں امیر امراء اپنے لئے پادریوں سے جنت میں داخل ہونے کے پروانے لیا کرتے تھے۔ مسیح کا خیال تھا کہ بعینہٖ وہی ریاکاری صدیوں بعد اب بھی رائج ہو چلی ہے۔ وہ کونسی طاقت تھی جو اسے پادری بننے پر اکسا رہی تھی۔ کیا وہ اتنا بزدل تھا کہ بغیر پادری بنے دنیا اور سماج کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا اور کیا اسی لئے وہ ایک گوشۂ عافیت کا متلاشی تھا! یا سچی خوشی دنیا اور اس کی ہوس کو تج کر ہی حاصل ہو سکتی تھی! نروان کا یہ نظریہ مہاتما بدھ نے بھی تو پیش کیا تھا۔۔۔ یہ انسان کی ہوس ہی تو ہے جو زندگی کی چھوٹی چھوٹی خوشیاں پاکر بھی وہ اس لازوال خوشی کی تلاش میں رہتا ہے جس کا وجود ہی

نہیں۔اس کی مثال وہی ہے جیسے ایک نابینا، اندھیری رات میں ۔۔۔۔ کسی گھور اندھیرے کمرے میں کاجل کی طرح سیاہ بلی کی تلاش کر رہا ہو ۔۔۔۔ وہ بلی جو وہاں ہے ہی نہیں! لازوال کوئی خوشی نہیں ہوتی۔جو سمجھدار لوگ ہیں وہ چھوٹی چھوٹی خوشیوں کے سہارے ہی زندگی گزار لیتے ہیں ۔۔۔۔ بڑی خوشی کا انتظار تو ایک سٹہ ہے لگے لگے نہ لگے ۔۔۔۔۔ اور جو لگ بھی جائے تو ہر بڑی چیز حاصل ہونے پر چھوٹی معلوم ہونے لگتی ہے اور دل دیوانہ، طالب طلب، صحرا نوردی میں نکل جاتا ہے۔

ساتویں در کا پتہ گنبد افسوں کی کلید
بیچ بازار میں کیا کیا نہ دوانہ مانگے

اور مسیح کی نظر بی بی مریم کے مجسمے کے آگے رکھے گلدان میں للی کے تروتازہ پھولوں پر گئی۔

"او گاڈ!" ۔۔۔ اس نے آنکھیں بند کر کے سوچا ۔۔۔۔ یہ للی کے پاکیزہ پھول! یہ پھول مرجھا جائیں گے تو آئی، اگلے دن پھر تروتازہ پھول وہاں سجا دیگی۔لیکن ان پھولوں کا کیا ہوگا۔جو شخصیت بن کر مسیح کے دل و دماغ میں لبسے جا رہے تھے۔ابدی، دائمی!

ڈورا کی عقابی نظروں نے کاکل میں مسیح کی بڑھتی ہوئی دلچسپی کو بھانپ لیا تھا ۔۔۔ مسیح کو وہ چند دنوں سے کھویا ہوا سا پاتی تھی۔عام طور پر سلجھا ہوا، ہنس مکھ مسیح کچھ دنوں سے اکھڑا اکھڑا سا تھا۔اپنی تقریر بہت اچھی تیار کرنے کے باوجود اتوار کے دن چرچ میں اس نے دو تین فاش غلطیاں

کیں ۔ ڈورا نے جب چند نوجوان چھوکروں کو ایک دوسرے کو کہنیاں مارتے کھلکھلاتے دیکھا تو اس کا خون کھول گیا۔ وہ سب اس کے ہینڈسم بیٹے سے جلتے تھے ۔ کیونکہ ساری نوجوان چھوکریاں انہیں خاطر میں نہیں لاتیں جبکہ مسیح کے آگے آنکھیں بچھاتیں اس روز وہ بہت اداس تھا۔ سروس کے بعد رومن کیتھولک عقیدے کے مطابق اس نے چھوٹی سی کھڑکی کے آگے گھٹنا ٹیکے اپنے گناہ کا اقرار بھی کیا تھا اور چھوٹے سے Confession Room میں سر جھکائے بیٹھے پادری نے اس کا ایک ایک لفظ دھیان سے سنا تھا۔ دنیا بھر کے آٹھ سو چالیس ملین کیتھولک عیسائیوں میں کوئی ایسا بھی تھا جس کا سر اس چھوٹی سی کھڑکی کے آگے کبھی نہ جھکا ہو؟ شرمساری سے جس کی جبیں عرق آلود نہ ہوئی ہو؟ لیکن مسیح کو دوسروں سے کیا لینا دینا تھا ۔۔۔ لیکن اب تک اسنے اپنے دامن کو اس آگ سے بچائے رکھا تھا جو کسی دن دامن کو جلا کو خاک کر دیتی ہے تو پھر اب کیوں وہ خود کو اتنا مجبور محسوس کر رہا تھا؟ لیکن انسان کوئی پتھر تو نہیں کہ ہر موسم سہہ جائے۔ کبھی موم بن کر پگھل جانے میں بھی مزہ ہے ۔ اور مسیح اسی حقیقت کو ماننے سے انکار کر رہا تھا۔

لیکن ڈورا کے لئے یہ نیک فال تھی کیونکہ اب تک اسکی ہر کوشش مسیح کو پادری بننے سے باز رکھنے میں ناکام ہوئی تھی ۔ اب کاکل کا پیار اس کی یہ آرزو پوری کر سکتا تھا ۔۔ ادھر کاکل نے بھی ڈورا کی طرف خیر سگالی کا ہاتھ بڑھایا تھا۔ ڈورا اس سنہری موقع کو ہاتھ سے جانے دینا نہیں چاہتی تھی ۔ اس نے کئی بار کاکل کو مسیح کے ساتھ چائے کے باغوں میں دیکھا تھا جہاں مسیح

اسے چائے کے بارے میں معلومات دے رہا تھا۔ باغان کی عورتوں کے ساتھ دلچسپی سے گھل مل کر کام کرتے دیکھا تھا ۔۔۔۔ سر پر ٹوکری اٹکائے دو دو پتیوں کی کونپلیں چنتے ۔۔۔ یہ بھی دیکھا تھا کہ مسیح کی نظریں غیر شعوری طور پر اس کا پیچھا کرتیں جنہیں دفعتاً وہ ٹوک کر پھیر لیتا۔

صبح اٹھکر کاکل نے دریچوں سے پردے اٹھائے ۔ اور بالکونی میں نکل آئی ۔ راحت بخش ہوا کے چند جھونکوں نے مدد کی اور وہ رات کے واقعات کو ذہن میں دہرا کر خجل ہو گئی ۔ اپنے بیہوش ہو جانے کو ایک خاص ذہنی کیفیت کا رد عمل سمجھ کر اس نے بھلانے کی کوشش کی ۔ لیکن التمش کے غضبناک تیور ان کے الفاظ کا لاوا ۔ وہ سب کچھ حقیقت تھا ۔ رات میں اس کی حالت زار دیکھ کر شاید انہیں رحم آگیا تھا ۔ اب کسی لمحے ان کا حکم آسکتا تھا کہ وہ کوٹھی چھوڑ دے ۔ اب اس کے سامنے دو ہی راستے تھے ۔ یا تو وہ حالات کے آگے گھٹنے ٹیک • دیتی اور سارا الزام حور بانو کے سر دے کر معافی مانگ لیتی ۔ یا پھر صورت حال کا جم کر مقابلہ کرتی اور ثابت کر دیتی کہ التمش کے شبہات بے بنیاد تھے ۔ اپنی کمسنی اور ناتجربہ کاری کے باوجود وہ اپنے فرائض کا پوری طرح احساس رکھتی تھی ۔ پہلی صورت کو اس نے سرے سے رد کر دیا ۔ اسکی خودداری اسے ہرگز اس بات کی اجازت نہیں دے سکتی تھی کہ اپنی ناکردہ گناہی کے باوجود وہ خود کو قصوروار ٹھراتی وہ خود وہاں نہیں آئی تھی اسے بلایا گیا تھا ۔۔ اگر وہ واپس جائے تو ایک مجرم کی طرح نہیں بلکہ اپنی ناکردہ گناہی ثابت کر کے جائے گی ۔

اور وہ جب تک وہاں ہے پوری تندہی سے اپنے فرائض انجام دیگی اس نے غسل کیا کپڑے بدلے اور بچوں کو جگانے چلی گئی ۔ وہاں اس نے دیکھا کہ ڈورا نے ہی انہیں جگا دیا تھا ۔ لیکن وہ اس کی پکڑ میں نہیں آرہے تھے اسے جھکائیاں دیکر کبھی بیڈ پر چڑھ جاتے تو کبھی نیچے گھس جاتے ۔ یہ ورزش

ڈورا کے گھٹنوں کے لئے سخت تھی۔ کاکل کو دیکھ کر دونوں اس سے لپٹ گئے

"چلو تم دونوں" ۔۔۔ ڈورا نے زینو کی بانہہ پکڑی اور وہ ٹھنکنے لگا

"رہنے دو ڈورا یہ ابھی جانا نہیں چاہتے" کاکل نے بیچ بچاؤ کیا۔

"میم صاحب ڈسپلین کھراب ہوتا ہے" ۔۔۔ ڈورا نے قدرے ناگواری سے کہا ۔۔۔ گویا کاکل اس کے فرائض میں دخل اندازی کر رہی تھی

"میں نے کہا نہیں چھوڑ دو" ۔۔۔۔ پہلی بار اس نے تحکمانہ کہا ۔۔۔ پھر کچھ نرمی سے بولی ۔۔۔ "تم فکر نہ کرو۔ میں انہیں نہلا دونگی ۔۔۔ اور ہاں مجھے میم صاحب نہیں بی بی کہا کرو" ڈورا نے کچھ توقف سے اسے دیکھا لیکن بچوں کو چھوڑ دیا ۔۔۔ اسے برسوں سے حکم ماننے کی عادت تھی ۔۔۔ کاکل نے محسوس کیا کہ ڈورا کو اس کی آمد کچھ بھائی نہیں تھی ۔۔۔ اسے اس پرانی گھاگ خادمہ کو بھی رام کرنا ہوگا ۔۔۔ اب وہ اپنے مسائل کے بارے میں مثبت طرح سے سوچنے لگی تھی ۔۔۔ ڈورا جاہل تھی لیکن بخت خاندان کی پرانی وفادار نوکر تھی۔ بیگم اور اختر بخت کے حادثے کے بعد التمش کی غیر حاضری میں اس کے دو مہینے ۔۔۔ اقتدار کے دو مہینے گزرے تھے۔ اور اب اسے واپس اپنی جگہ جانا تھا ۔۔۔۔ وہ بڑبڑاتی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔

شہزاد اور زینو غور سے ڈورا اور کاکل کی گفتگو سنتے رہے تھے۔ ڈورا کے جاتے ہی زینو نے اعلان کیا۔

"مجھے ڈورا تھوڑی تھوڑی اچھی لگتی ہے ۔۔ تھوڑی تھوڑی بری"

"مجھے بھی" ۔۔۔۔۔شہزاد نے حامی بھری۔

"وہ اچھی کیوں ہے اور بری کیوں ؟" ۔۔۔۔ کاکل نے ان کی منطق جاننی چاہی۔

"اچھی اس لئے کہ وہ اچھی ہے" زینو نے بڑے سوچ بچار کے بعد کہا۔

"اور بری اس لئے کہ وہ بری ہے ۔۔۔۔۔۔ ہے نا زینو" ۔۔۔ شہزاد نے اپنی دانست میں بڑی ٹھوس بات کہی تھی اور زینو نے سر ہلا دیا۔

"چلو اب جلدی سے نہالیں پھر بریک فاسٹ کے لئے چلیں گے" ۔۔۔

شہزاد اور زینو جو ڈورا کو جھکاٹیاں دے رہے تھے بغیر کسی حیل و حجت کے کاکل کے ساتھ غسل خانے میں چلے گئے۔ لیکن جب اس نے شہزاد کا ماتھا چھوا تو وہ کچھ گرم سا لگا۔ اس نے طے کیا کہ آج دونوں ہی کو غسل نہیں دیگی۔ اگر اس نے زینو کو نہلایا تو شہزاد بھی ٹب میں اترنے کی ضد کرتا اس نے ان کے کپڑے بدلے اور نیچے بریک فاسٹ کے لئے لے چلی۔ سیڑھیاں اترتے ہوئے اپنے قوی فیصلے کے باوجود نروس ہونے لگی۔ سیڑھیوں سے ہی اس نے دیکھ لیا تھا کہ التمش پہلے ہی ڈائننگ ہال میں پہنچ چکے تھے۔ آتش دان کی سیلنگ پر ہاتھ رکھے اور وہ دوسرے ہاتھ میں سلاخ لئے شعلوں کو کرید رہے تھے۔ ان کے خوبصورت بال پیچھے گردن پر نیلے رنگ کے پل اوور کے پولو نیک تک پہنچ رہے تھے۔ دوسرا پاؤں انہوں نے

آتشدان کی ریلنگ پر رکھا ہوا تھا۔ بہترین سلے ہوئے پتلون میں کمر سے نیچے ان کا ورزشی بدن اپنی سنگلاخی کا غماز تھا۔

آہٹ پاکر وہ پلٹے۔ پل بھر کے لئے وہ ساکت رہ گئے کیونکہ یہ کاکل جو معتبری سے سیڑھیاں اتر رہی تھی اس نروس کاکل سے بہت مختلف تھی جس سے اسٹیڈی میں انہوں نے اس کے اعمال کا حساب مانگا تھا۔ گھبرائی ہوئی ہرنی کی سی آنکھوں میں ٹھہراؤ تھا۔۔۔ گہری نارنجی ساری میں اس کا متناسب سڈول بدن پوری طرح اجاگر تھا۔۔۔ گردن کی ایک جانب سامنے پڑی خوبصورت بالوں کی چوٹی اور دوسری طرف رخسار کو سائے میں لیتی دبیز زلف، اسکی چال تمکنت اور انداز کا وقار التمش کو اور بھی متحیر کر گیا۔ وہ نازک کندھے جوان کے الفاظ کی سنگباری سے جھک گئے تھے اب استوار اور مستقیم تھے۔

التمش نے خود کو سمجھانے کی کوشش کی کہ وہ فتنہ ساماں لڑکی جو نظر نیچی کئے سج سج کر سیڑھیاں اتر رہی تھی ہرگز ایسی معلوم نہیں ہوتی تھی جیسی وہ اس وقت نظر آرہی تھی۔

آج خانساماں نے کھانا خاص توجہ سے بنایا تھا۔ وہ التمش کے بچپن کا وفادار اور چابکدست خادم تھا جس کی اختر بخت بہت قدر کرتے تھے۔ اسے بدلتے ہوئے وقت کا بڑا دکھ تھا۔ ایک وہ زمانہ تھا جب گھر کا سارا ماحول ہنستا کھلکھلاتا تھا اور اب وہ التمش کے متفکر چہرے کو دیکھتا تو اس کی سمجھ میں نہیں آتا کہ حق نمک خواری کس طرح ادا کرے۔ جو کھانا ان کے سامنے رکھ

دیا جاتا وہ اسے خالی الذہنی سے کھا کر اٹھ جاتے۔ وہ شادی کیوں نہیں کر لیتے ۔۔۔ وہ سوچتا جبکہ وہ خود تین بیویوں کا مالک تھا۔

شہزاد نے اپنی جگہ سے جھک کر کاکل سے کہا "یہی تامش ہیں" اور کاکل کی نظر التمش سے ملی ۔۔۔ اس نے دیکھا وہ شہزاد کی راز داری پر مسکرا رہے تھے۔ ہو سکتا ہے کہ اس مسکراہٹ کا مطلب ہو کہ صرف تعارف ہی نہیں، مزاج پرسی، بھی ہو چکی ہے۔

"نور مجھے تامش ہی کہا کرتی تھی" ۔۔۔ التمش نے کہا ۔۔۔ یہ ایک عام رسمی جملہ تھا لیکن کاکل کو لگا جیسے ان کے زہر میں قدرے کمی آ گئی تھی۔ یا پھر وہ تہذیب کا دامن ہاتھ سے جانے دینا نہیں چاہتے تھے۔

ڈاکٹر نارٹن نے فیصلہ سنا دیا کہ شہزاد اور زینو کو خسرہ نکل آئی تھی۔ کاکل نے سنا تھا کہ ٹیکہ لگانے کے بعد میزلس نہیں ہوتے۔ لیکن ڈاکٹر نارٹن نے بتایا کہ ٹیکے کے باوجود بھی یہ ہو سکتا ہے ہاں بخار کی شدت اتنی نہیں ہوتی میزلس بچپن میں ہی نکل آئیں تو بہتر ہوتا ہے۔

التمش نے اس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا کہ اب کیا ہو گا؟

بچوں کی دیکھ ریکھ کون کرے گا؟ وہ جانتے تھے کہ کاکل کو اس کا کوئی تجربہ نہیں تھا۔ اور ڈورا تو بیکار محض ہوتی جا رہی تھی۔ وہ بس جڑی بوٹیوں سے ہی خود کا علاج کرنا چاہتی تھی اسے ڈاکٹری علاج سے یکسر انکار تھا۔ نتیجہ یہ کہ ایک دو دن وہ ٹھیک رہتی اور پھر بیمار ہو جاتی۔ التمش چاہتے تھے کہ ہسپتال میں رکھ کر اس کا باقاعدہ علاج کروائیں لیکن وہ کسی طرح راضی

نہیں ہوتی تھی۔ بالآخر تھک کر انہوں نے اس کی مدد کے لئے باغ میں کام کرنے والی ایک عورت کو مقرر کر دیا۔ جب بھی دل چاہتا ڈورا کوٹھی میں چلی آتی۔ خانساماں سے جھگڑا کئے بغیر اسے چین بھی نہیں آتا۔ یہ اس کا پسندیدہ مشغلہ تھا کہ ذرا ذرا سی بات پر اس سے الجھتی رہے۔ جب بھی وہ ٹھیک رہتی تو زینو اور شہزاد کی دیکھ بھال کر کے یہ ثابت کرنا چاہتی کہ اس کا دم خم اب بھی باقی تھا۔

کاکل نے التمش کی نظروں میں پوچھے گئے سوال کا کوئی جواب نہیں دیا وہ جانتی تھی کہ اس کے چند دن اب زیادہ مصروف اور راتیں بے خواب ہو جائیں گی۔ لیکن اس سے زیادہ اسے شہزاد اور زینو کی فکر تھی۔ چند ہی دنوں میں اسے پتہ چل گیا تھا کہ شہزاد سے تعلقات استوار کرنا مشکل نہیں تھا اس کی باتونی طبعیت کھلنڈرا مزاج مکمل اجنبیوں کو بھی اپنا لیتے تھے۔ لیکن زینو شہزاد کے مقابلے میں زیادہ حساس تھا۔ اس کا کبھی ہنستے کھیلتے اچانک کہیں جاکر تنہا بیٹھ جانا۔ اداس ہو جانا کاکل کو ذہنی الجھن میں ڈال رہے تھے وہ کبھی کبھی اس سے دور جاکر ڈورا کی چادر پکڑے کھڑا ہو جاتا تب اس کی نظروں میں مکمل اجنبیت ہوتی۔ یہ لمحہ ڈورا کے لئے فتح کا لمحہ ہوتا اور وہ فخر سے کاکل کی طرف دیکھتی۔ کاکل ایسے بتاتی جیسے وہ ڈورا کی خوشی میں شریک تھی۔ ڈورا اس کے غیر متوقع برتاؤ سے بوکھلا جاتی اور کسی کام کے بہانے وہاں سے چل دیتی۔ دشمن کا کامیاب علاج یہ ہے کہ اسے دوست بنالو، کاکل دل ہی دل میں سوچ کر ہنس پڑتی۔ شہزاد اور زینو ایسے پرابلم بچے بھی نہیں تھے کہ

اسے مسلسل ان کے پیچھے مغزپچی کرنی پڑتی۔اس نے کسی رسالے میں پڑھ تھا کہ دنیا میں نوے لاکھ جڑواں جوڑے موجود ہیں۔Minnesota مینے سوٹا یونیورسٹی کی ڈاکٹر نینی سیگل نے توام بچوں پر ریسرچ کرتے ہوئے لکھا تھا کہ چالیس فیصدی جڑواں بچے چار یا پانچ سال کی عمر تک خود اپنی ترسیلی زبان بناتے ہیں جو کوئی دوسرا نہیں سمجھ سکتا۔کاکل نے غور کیا تو یہ بالکل سچ تھا۔اس نے بھی کبھی کبھی شہزاد اور زینو کو آنکھوں میں باتیں کرتے دیکھا تھا۔

کاکل کا کام واقعی بڑھ گیا تھا۔دن میں دو دو بار بچوں کے بستر بدلنے پڑتے۔انکے کھانے پینے میں بڑی احتیاط کی ضرورت تھی اسے بمشکل غسل کرنے اور کپڑے بدلنے کا وقت ملتا۔التمش بھی شاید اس کی کارکردگی آزمانا چاہتے تھے۔انہوں نے کبھی کسی مدد کا عندیہ ظاہر نہیں کیا۔ایسے میں مسیح کی مدد شامل حال نہ ہوتی تو شاید وہ اپنے امتحان میں فیل ہو جاتی۔اس دوران التمش بھی ڈاکٹر کے ساتھ بچوں کو دیکھنے کے لئے آتے رہے۔وہ جب بھی آتے تو وہاں صفائی ستھرائی اور قرینہ دیکھ کر ان کے چہرے پر ایک اطمینان سا آجاتا لیکن شاید انہیں احساس تھا کہ کاکل کے لئے دو بچوں کو ایک ساتھ سنبھالنا مشکل ہو رہا ہو گا۔

"ڈاکٹر کسی نائٹ نرس کو کیوں نہ بلا لیا جائے" انہوں نے ڈاکٹر نارٹن سے کہا۔

"جب اتنی خوبصورت اور قابل نرس خود تمہارے گھر میں موجود ہے

تو کسی اور نرس کی کیا ضرورت ہے؟" بوڑھے ڈاکٹر نے محبت سے کاکل کے رخسار تھپتھپا کر کہا ۔ " Don,t Make Me Jealous Doctor. التمش نے ازرراہ مذاق کہا لیکن کاکل اپنی خجالت نہیں چھپا سکی اس نے اپنا چہرہ دوسری طرف پلٹا لیا۔ لیکن کاکل کے چہرے پر چڑھتی گلابی لہر انکی نظروں سے چھپی نہ رہ سکی ۔ یہ پہلا اتفاق تھا کہ التمش نے احتیاط کو تج کر مذاق کیا تھا ۔ وہ چاہتی تھی کہ التمش نے جو آہنی دیوار اس کے اور خود کے درمیان کھڑی کر دی تھی وہ اسی طرح قائم رہے ۔

اس نے خانساماں سے کہہ دیا تھا رات میں اسکے لئے ایک سینڈ وچ اور کافی وہیں نرسری میں پہنچا دے کیونکہ اسے بھوک نہیں تھی ۔ دراصل وہ حتیٰ الامکان التمش کی نظروں سے د رہنا چاہتی تھی تاکہ اسے دیکھ کر ان کی درشتگی ان کا غصہ لوٹ نہ آئے ۔ فی الحال اسے وہ کوٹھی گوشۂ عافیت لگتی تھی یہاں رہتے ہوئے وہ ایم اے کی تیاری کر سکتی تھی ۔ اس کے بعد اس کی نوکری کے امکانات بہتر ہو سکتے تھے لیکن اب شاید وہی ایک وجہ نہیں تھی ۔۔۔۔ وہ اتنی خود غرض بھی نہیں تھی ۔ کچھ انجانے بندھن بھی تھے جن سے وہ نادانستہ بندھ گئی تھی ۔ شہزاد زہنو اس سے بہت مانوس ہو گئے تھے ۔ مسیح اور اس کی خاموش ہمدردی تھی ۔۔۔۔ لیکن وہاں التمش بھی تو تھے ۔۔۔۔ لیکن اسے التمش سے کیا لینا دینا تھا! پھر بھی ان کا نام اس کے ذہن میں بار بار کیوں آتا تھا ۔ کیوں ان کی استوار اور وجیہہ شکل کی ہر تفصیل اسے یاد ہو گئی تھی ۔۔ اسے آئے ابھی بہت دن تو نہیں گزرے تھے!؟

"کاکل بی بی، چھوٹے سرکار کھانے پر آپ کا انتظار کر رہے ہیں" خانساماں نے دھیرے سے دروازہ کھول کر کہا۔

وہ چونکی جیسے کسی شیر نے خرگوش کو دعوت دی ہو "میں ۔۔۔۔ مجھے بھوک نہیں ہے ۔۔۔ تم میرے لئے کافی اور ایک سینڈوچ یہیں دیدو" اس نے خانساماں سے کہا۔

"کافی اور سینڈوچ انہوں نے وہیں رکھوالیا ہے" خانساماں جانے لگا۔

"تو لے آؤ وہاں سے" کاکل نے تنک کر کہا۔

کاکل شش و پنج میں پڑ گئی۔

"کھانے پر تو بلا رہے ہیں، کھانے کو تو نہیں بلا رہے ہیں" مسیح نے اندر آکر کہا اسے کیا معلوم تھا کہ التمش سے پہلی ملاقات میں کاکل پر کیا بیتی تھی۔

مجھے ان سے ڈر لگتا ہے" اس نے راز کو راز ہی رکھتے ہوئے کہا ان کے قریب جاؤں تو لگتا ہے کسی آتش فشاں کے دہانے پر کھڑی ہوں"

"تم نے دیوی پیلے کی کہانی سنی ہے جو ہوائی کے آتش فشاں ہوالالائی کی دیوی مانی جاتی تھی" مسیح کرسی پر بیٹھتا ہوا بولا،

"کیا کیا تھے اس نے؟" کاکل کی دلچسپی بڑھی۔

"ہوالالائی ہمیشہ ابلتا رہتا تھا وہاں کا بادشاہ کامے ہامے ہا۔۔۔۔

"بڑا مشکل نام ہے" کاکل بولی۔

"بادشاہ آسان کہاں ہوتے ہیں"

"آگے بڑھو"

"تو بادشاہ کامے ہامے نے دیوی پیلے کی عبادت کی اور اسے نذرانہ پیش کیا۔ دیوی نے خوش ہو کر اپنے بالوں کی ایک لٹ کاٹی اور اسے "تائی" کے پتے پر لپیٹ کر آتش فشاں کے اندر پھینک دیا۔ تب سے ہوالالائی نے ابلنا بند کر دیا۔

اب بالوں کی وہ لٹ کہاں سے آئے جو آتش فشاں التمش کا منہ بند کر سکے، کاکل نے بناوٹی سوچ سے کہا۔

"یہ جو ہے! مسیح نے کاکل کی لٹ ہلکے سے چھو کر جیسے خود سے کہا

"اور عبادت؟" کاکل نے ہنس کر کہا۔

"وہ میں کر لونگا"

"یعنی خواہ مخواہ، تم کوئی عیسیٰ ہو جو دوسروں کے لئے سولی چڑھتے رہو

کاکل کو مسیح سے بات کرنا اچھا لگ رہا تھا۔

"آئی نے میرا نام ہی الیسار رکھا ہے اس نام والے دوسروں کے لئے سولی ہی چڑھتے ہیں"

کاکل چلی گئی اور مسیح کو بے چینی نے آگھیرا، خدایا یہ اسے کیا ہو گیا، کاکل سے بات کرتے اس کی سنجیدگی کہاں چلی جاتی ہے، اسے کیا ضرورت تھی کاکل کے رخسار پر جھول آئی اس لٹ کو چھونے کی، کیا اس کے ہاتھ سے احتیاط کا دامن چھوٹتا جا رہا تھا، لیکن کاکل اس کی اندرونی کشمکش سے یکسر بے بہرہ تھی۔

کاکل نے بہ عجلت کپڑے بدلے، اسے کسی ڈنر پارٹی میں نہیں جانا تھا لیکن دن بھر کے میلے ہوئے کپڑوں اور بکھرے بالوں سے وہ التمش کے سامنے جانا نہیں چاہتی تھی، اس پر بدذوقی اور بے ڈھنگے پن کا الزام لگ سکتا تھا صاف ستھرے پیازی رنگ کے شلوار قمیص کو پہن کر خود اسے لگا جیسے اسکی تکان کچھ کم ہو گئی۔ منہ پر پانی کے چھپاکے دئے اور اوپری اوپر سے بالوں میں کنگھی پھیری اور نیچے چلی گئی ------ وہ اوپری سیڑھیوں پر ٹھٹک گئی تاکہ اپنی تیز چلتی سانس کو قابو میں کر لے، نیچے لان میں التمش ایک گدیلے صوفے پر اس کی آمد سے بے خبر کوئی کتاب لئے بیٹھے تھے۔ برابر رکھے لیمپ کی روشنی نے انہیں محیط کر رکھا تھا، اور وہی کمرے میں ایک مدھم روشنی پھیلا رہا تھا پھر ڈائننگ ہال سے پھیلتی روشنی نے کمرے کو مکمل اندھیرے سے بچا رکھا تھا وہ اس وقت گہرے نیلے رنگ کے سوٹ میں ملبوس تھے جو ناکافی روشنی میں تقریباً کالا نظر آرہا تھا گردن سے متصل سفید کالر اور اسپرٹائی کی گرفت بے نقص تھی ان کا رنگ جو مسلسل دھوپ میں رہنے کی وجہ سے تانبے کی طرح سنولا گیا تھا اب اپنی اصلیت پر آرہا تھا بالوں کا کہیں کہیں جھلکتا سنہرا رنگ البتہ اب بھی وہ ہی تھا، دور تک پہنچتی ٹانگوں کے سرے پر جوتے ہلکی سی جنبش پر بھی چمک جاتے تھے۔

انہوں نے دوبارہ گھڑی دیکھ لی تھی اور اب آہٹ پر نظر اٹھائی تو کاکل کو سیڑھیوں سے اترتا پایا۔

"معاف کیجئے گا کچھ دیر ہو گئی" کاکل نے معذرت کی۔

"شاید لیڈیز سے وقت کی پابندی کی توقع بھی نہیں کی جاتی" انہوں نے ہلکی سی مسکراہٹ سے کہا اور کتاب بند کر کے اٹھ کھڑے ہوئے۔ کاکل ان کی چال کی تمکنت اور وقار کو دیکھتی رہی، گردن کا وہ ہلکا سا مغرور تناؤ ان کی شخصیت پر سجتا تھا، کوٹ کی آستین سے جھانکتے سفید قمیص کے کف اور ان میں لگے مدر آف پرل کے بہت ہی خوبصورت کف لنک نظر آرہے تھے، کاکل نے سوچا بھی نہیں تھا کہ اسکا مشاہدہ اتنا مکمل اور سرعت کے ساتھ ہو سکتا تھا چلتے چلتے وہ ایک دم پلٹے اور کاکل سے آنکھیں چار ہوئیں جس سرعت سے وہ پلٹے تھے اس تیزی سے کاکل اپنی نظریں ہٹا نہ سکیں ایک موہوم سی مسکراہٹ التمش کے لبوں پر آئی اور انہوں نے ایک مہذب میزبان کی طرح جھک کر کہا

"لیڈیز فرسٹ"

جب کاکل اپنی سیٹ پر پہنچی تو انہوں نے کرسی کھینچی اور اسکے بیٹھنے کے بعد خود اپنی کرسی پر بیٹھ گئے۔

"بچوں کی تیمارداری کا یہ مطلب نہیں کہ آپ خود فاقوں پر اتر آئیں" انہوں نے چکن کا ایک بڑا ٹکڑا اسکی پلیٹ میں ڈالا اور پھر خود اپنی پلیٹ میں بھی۔ کاکل نے دیکھا اسکی آرڈر کی ہوئی کافی اور سینڈوچ بھی ایک کنارے رکھ دی گئی تھی، پہلا موقع تھا جب التمش نے اسکے لئے اپنی ہمدردی کا اظہار کیا تھا۔

"میں ۔۔۔۔ میں اتنا کچھ نہیں کھا سکونگی" کاکل نے کہا۔

"میں نے کب کہا کہ آپ سارا ذخیرہ ختم کر دیں" انہوں نے گرم گرم اسٹیو کا ایک چمچ اسکی پلیٹ میں انڈیل کر کہا "مجھے خود حیرت ہے کہ لڑکیاں دانہ دونہ چگ کر کے اپنی صحت بنائے رکھتی ہیں" انہوں نے ایک نگاہِ غلط انداز کاکل کے سراپا پر ڈالی اور پھر وہ آگے بڑھے۔

"میں نہیں چاہتا کہ کمزوری کی وجہ سے دوبارہ آپ کے بے ہوش ہونے کی نوبت آجائے" انہوں نے اسطرح کہا جیسے بے ہوش ہوجانا اسکی عادت ہو۔

"وہ ۔۔۔۔۔ وہ تو میں ڈر گئی تھی" اسنے ہاتھ روک کر کہا اور خود ہی اپنی بے وقوفی پر پچھتائی کیونکہ التمش جیسے اپنی ہنسی روکنے کی کوشش کر رہے تھے وہ اسوقت کی اپنی ذہنی کیفیت انہیں کیسے سمجھاتی۔

"ضرور ایسا ہی ہوا ہوگا" انہوں نے ابرو چڑھا کر کہا "ممی نے بھی جب ڈورا کو پہلی بار دیکھا تھا تو سہم گئی تھیں"

"وہ میری بے وقوفی تھی، شاید اسی لئے آپ ہنس رہے ہیں" کاکل نے اپنے دفاع میں کہا۔

"نہیں تو، مجھے تو یہ سوچ کر ہنسی آرہی تھی کہ ڈورا کو اگر اس حقیقت کا پتہ چل جائے تو کیا ہوگا"

اور وہ دونوں ہنس پڑے۔

التمش کے اس دوستانہ برتاو نے کاکل کا ذہنی تناو کچھ کم کر دیا تھا اس نے طے کیا تھا کہ مختصر ترین وقت میں بس تھوڑا سا زہر مار کریگی اور بھاگ

کھڑی ہو گی لیکن اب جب اسنے اپنی پلیٹ کی طرف دیکھا تو دنگ رہ گئی، جو کچھ التمش اسکی پلیٹ میں رکھتے جاتے تھے وہ سب کچھ اس نے کھا لیا تھا۔ اسکی نظر ان کی پلیٹ پر گئی انہوں نے چکن کا وہ ٹکڑا جو اپنی پلیٹ میں رکھا تھا وہ جوں کا توں رکھا تھا انہوں نے ایک لقمہ بھی نہیں اٹھایا تھا۔

"آپ نے خود کچھ نہیں کھایا" کاکل نے حیرانی سے پوچھا۔

"میں دو بار ڈنر نہیں کھایا کرتا" وہ کرسی سے اٹھتے ہوئے بولے۔

یہ واقعہ تھا وہ ڈنر کے لئے کہیں مدعو تھے، واپس آکر انہیں پتہ چلا کہ کاکل نے لنچ بھی نہیں لیا اور ڈنر میں بھی اسنے کافی اور سینڈوچ مانگا تھا، کچھ دیر وہ اس عجیب وغریب لڑکی کے بارے میں سوچتے رہے جسے چند ہی دنوں ہوئے انہوں نے لائبریری سے نکال باہر کیا تھا ان کا غصہ بجا تھا انسان کے لئے شکست برداشت کرنا اتنا مشکل نہیں ہوتا جتنا یہ احساس کہ اسے بے وقوف بنایا گیا۔ خاص کر التمش کی طرح کے انسان کے لئے یہ احساس سوہان روح تھا کہ اتنی سی چھوکری اور بیوقوفوں کی سرفہرست ان کا نام لکھوا گئی، تب سے ان کا ذہن قلابازیاں کھا رہا تھا، پہلی نظر میں وہ کاکل کو دیکھ کر دنگ ہو گئے تھے وہ لڑکی انہیں ایسی لگی تھی کہ دامن نچوڑ دے تو فرشتے وضو کریں وہ اتنی چنٹ، اتنی دیدہ دلیر کیسے ہو سکتی تھی لیکن پھولوں ہی کے بیچ تو ڈسنے والے رہتے ہیں! وہ بظاہر معصوم نظر آنے والی لڑکی صاف ان کا استحصال کر گئی تھی۔

اس سارے تماشے کے پیچھے کیا راز تھا وہ جاننا چاہتے تھے۔

انہوں نے گھنٹی بجا کر کافی کا حکم دیا اور خود آتشدان کے قریب پڑی راکینگ چیر پر بیٹھ گئے کاکل کو وہ پہلے ہی اپنے مقابل آرامدہ صوفے پر بیٹھا چکے تھے۔

"اب بتائیے" انہوں نے سگریٹ جلا کر آرامدہ نشست لیتے ہوئے کہا
کاکل سمجھی نہیں۔

" کیا جاننا چاہتے ہیں آپ ؟ " اس نے ٹھٹک کر اپنے اطراف حصار باندھا۔

" کاکل جہاں، آپ اچھی طرح جانتی ہیں میرا اشارہ کس طرف ہے "
التمش کی تیوری چڑھ گئی تھی، کاکل حیرت میں پڑ گئی تھی کہ ان کا موڈ پل بھر میں کیسے بدل گیا، ابھی ابھی انہوں نے اپنی سبک انگلیوں سے اسکے تنے ہوئے اعصاب پر مرہم رکھا تھا۔

" میرا نام کاکل جہاں نہیں بلکہ کاکل ہے" کاکل کچھ جزبز ہو کر بولی۔
" مجھے آپ کا یہی نام بتایا گیا تھا، اور میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ یہاں پہنچنے کے لئے آپ کو جھوٹ کا سہارا کیوں لینا پڑا " انہوں نے اطمینان سے سگریٹ کا کش لگا کر کہا۔

حور بانو نے اسے اتنے نازک مقام پر لا کر کھڑا کر دیا تھا کہ وہ اپنی بے گناہی کا ثبوت تک پیش نہیں کر سکتی تھی اسکی زندگی ایک کھلی کتاب تھی یہ پہلا موقع تھا کہ اسے اپنی معصومیت اور ناکردہ گناہی کی وکالت کرنی پڑ رہی تھی وہ نہیں چاہتی تھی کہ اسکی پچھلی زندگی معرضِ بحث میں آئے

لیکن التمش کا انداز بناتا تھا کہ اسکے حالات جاننا ان کے لئے ضروری تھا۔ اور وہ جان کر ہی رہینگے اور جب تک وہ انہیں سچائی سے واقف نہیں کرواد یتی اسکا وہاں سے چھٹکارا نا ممکن تھا لیکن کیا بتاتی اپنے بارے میں اسکا تو یہ حال تھا کہ ۔

ناحق ہم مجبوروں پر یہ تہمت ہے مختاری کی
چاہے ہیں سو آپ کرے ہیں ہم کو عبث بدنام کیا

وہ التمش کے سامنے اس بات کا اقرار بھی نہیں کرنا چاہتی تھی کہ وہ مجبور تھی ۔ خود اسکے باپ اسے اپنے راستے کا روڑا سمجھ رہے تھے کیونکہ وہ واقعی اتنی مجبور نہیں تھی حفیظ سے شادی کرنے سے انکار کر کے اسنے بہت بڑے حوصلے کا ثبوت دیا تھا ۔ اسنے اپنی ساری قوتیں یکجا کر کے زندگی میں آگے بڑھنے کا تہیہ کر لیا تھا اس نے کمر ہمت کس لی اسکا مضمون تاریخ تھا، اسنے کاغذات سے اپنے کچھ مضامین چھانٹ نکالے جو اسنے کالج کے سمپوزیم میں پڑھے تھے جنکی چیرمین نے بڑے حوصلے افزا لفظوں میں تعریف کی تھی ، وہ انہیں لئے ایک اخبار کے دفتر پہنچی ، ایڈیٹر نے ایک سرسری نظر اسپر ڈالی اور اس سے وعدہ کیا کہ آنے والے شمارے میں انہیں ضرور جگہ دیگا لیکن یہ کوئی قوی

وعدہ نہیں تھا اور اسکے پاس اتنا وقت بھی نہیں تھا اور تبھی حور بانو نے اوٹی میں نوکری کا ذکر کیا وہ ان حالات اور اس ماحول سے دور چلی جانا چاہتی تھی اور اس نوکری سے بہتر کوئی حل اسکے مسائل کا نہیں ہو سکتا تھا اسی لئے وہ اوٹی چلی آئی تھی۔

اسنے التمش کو بتایا کہ اسے نوکری کی ضرورت کیوں تھی لیکن اپنے والد کا ذکر صاف اڑا گئی

"آپ چچی جان کو کیسے جانتی ہیں ؟" التمش غور سے سن رہے تھے حور بانو کے ذکر پر انہوں نے اسے روکا، کچھ دیر کے لئے کاکل چپ ہو گئی

" میرے لئے یہ جاننا ضروری ہے " اور واقعی یہ ضروری بھی تھا ورنہ کاکل کبھی اس الزام سے بری نہیں ہو سکتی تھی جو اسکے سر منڈھا جا رہا تھا لیکن وہ کیا جانتی تھی حور بانو کو اور کتنا ؟ بس ایک بار کسی کو دیکھنا جاننا تو نہیں ہوتا!

" دیکھیئے آپ خواہ مخواہ بات کو طول دے رہی ہیں " وہ کاکل کی منطق سمجھ نہیں پا رہے تھے ، " آپ کہتی ہیں آپ کسی حور بانو کو نہیں جانتیں اور ابھی یہ بھی بتایا آپ نے کہ آپ کو اوٹی بھجوانے کی ذمہ دار وہی ہیں "

" وہ میرے ابا سے شادی کر رہی ہیں " اسے کہنا پڑا اور التمش ایش ٹرے میں سگریٹ مروڑ کر سیدھے ہو بیٹھے۔

" واللہ " انہوں نے کہا اور کاکل کی سمجھ میں نہیں آیا کہ کدھر دیکھے ، التمش نے اپنی ٹائی ڈھیلی کی اور سر کو پیچھے پھینک کر قہقہہ لگایا، کاکل نے

نظریں اٹھا کر انہیں دیکھا ہنستے ہوئے ان کی شخصیت بالکل بدل جاتی تھی
ان کے دانت ہموار اور موتی کی طرح چمکدار تھے اور آنکھیں چندھیا گئی تھیں،
کاکل سے ان کی ملاقات ہوئے مختصر وقت گذرا تھا، اور اسطرح انہیں ہنستے
اسنے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا، اسطرح کھل کر ہنسنے کی وجہ حور بانو کا
وہ جملہ تھا جب انہوں نے التمش سے کاکل کی مفروضہ مجبوریاں بتائیں تو
قدرتی طور پر التمش نے کاکل کے والد کے بارے میں پوچھا تھا تب حور بانو
نے بڑی سادگی سے بتایا تھا۔

"نکھٹو ہیں لیکن شاعر اچھے ہیں"۔

التمش نے کاکل سے اسکے والد کی یہ تعریف بتانی ضروری نہیں سمجھی
البتہ کاکل نے اگر یہی بات انہیں لائبریری میں بتا دی ہوتی تو یہ معاملہ اتنا
طول نہ پکڑتا لیکن التمش نے اسے موقعہ ہی کب دیا تھا۔

اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے؟" کاکل نے اب بھی اپنے والد کا وقار
قائم رکھنا چاہا" کئی لوگ دوسری شادیاں کرتے ہیں"

"میں کب کہہ رہا ہوں کہ انہیں دوسری شادی نہیں کرنی چاہیئے تھی
التمش سنجیدہ ہوکر بولے "میں تو یہ ثابت کر رہا تھا کہ دنیا میں انسان ہی
ایک ایسا جانور ہے جو ہنس سکتا ہے"

ان دونوں کی نظریں ملیں اور دونوں ہنس پڑے۔

ڈورانے گو اپنا قبیلہ چھوڑ کر عیسائی مذہب اپنا لیا تھا لیکن اس نے
اپنے رسم و راج نہیں چھوڑے تھے۔ اس نے اب بھی ٹوڈاؤں کا مشغلہ

خوبصورت ٹوکریاں بنانا جاری رکھا تھا۔ اسنے اپنی بنائی ایک ٹوکری کاکل کو تحفتاً دی تھی۔

جب مسیح اور کاکل ساتھ ہوتے تو وہ شہزاد اور زینو کو لیکر کسی بہانے وہاں سے ٹل جاتی تاکہ جو چنگاری مسیح کے دل میں جاگی تھی وہ بڑھکر شعلہ بن جائے۔ یہی ایک راستہ تھا مسیح کو پادری بننے سے روکنے کا۔ کاکل تو مسیح کو پسند کرتی ہی تھی۔ اسکی کم گوئی۔ اسکے چہرے پر اچانک نمودار ہوتی مسکراہٹ اور بات چیت کا دلچسپ انداز۔ مسیح میں وہ سارے ہی گن تھے جو ایک قابل بھروسہ دوست میں ہوسکتے تھے۔ وہ اسے چھیڑ بھی لیتی تھی۔ کبھی اسکی تنقید بھی کر دیتی جسکا وہ کبھی برا نہیں مانتا۔ انکی یہ بے تکلفی ڈورا کے پلان کے لئے بڑی اُمید افزاء تھی۔

جب بھی ٹوڈا بستی میں کوئی غیر معمولی بات ہوتی تو ڈورا کو اسکی فوراً اطلاع مل جاتی۔ عام طور پر سوما ہی قاصد بن کر آتا۔ عیسائی بن کر قبیلہ چھوڑنے پر بھی قبیلہ ڈورا کی بزرگی کا معترف تھا۔ وہ جب بھی وہاں جاتی تو نوجوان لڑکے اور لڑکیاں زمین بوس ہوکر اسے تعظیم دیتے۔ رواج کے مطابق ڈورا پہلے اپنا دایاں اور پھر بایاں پاوں انکے سروں سے چھواکر انہیں دعا دیتی۔

اس روز بھی جب سوما کے بلانے پر وہ وہاں پہنچی تو اسکا اسی طرح استقبال ہوا۔ ڈورا کو یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ ٹوڈا قبیلے میں لڑکیوں کی تعداد بھی بڑھ رہی تھی ورنہ عورتوں کا تناسب مردوں کے مقابلے میں بہت کم ہوتا

جارہا تھا جو سارے قبیلے کے لئے فکر کا باعث تھا۔

۱۹۶۰ء تک بھی ٹوڈاوؤں میں طفل کشی عام تھی۔ لڑکی پیدا ہونے پر اسکا گلا گھونٹ کر مار دیا جاتا۔ یہ کام کسی ایک ضعیف عورت کے تفویض ہوتا جو بچی کا گلا گھونٹ کر اسے دفن کر دیتی۔ یہ بربریت اس قبیلے میں عجیب تھی جس کے پاس کسی طرح کے ہتھیاروں کا وجود ہی نہیں تھا۔ جنکا قتل وخون وغارتگری سے کوئی واسطہ ہی نہیں تھا۔

آج ڈورا کو اس لئے بلایا گیا تھا کہ بھینس نے ایک عورت کے پیٹ میں سینگ مار کر اسے ہلاک کر دیا تھا۔

خوشی اور غم دونوں ہی موقعوں پر بھینس کی قربانی دی جاتی ڈورا کو پہنچنے میں کچھ دیر ہو گئی۔ قربانی دی جا چکی تھی پھر بھی قبیلے کے لوگ جمع ہو رہے تھے۔ نیلی گھاٹیوں کے پیچھے غروب ہوتے سورج کی قرمزی شعائیں عجیب سا منظر پیدا کر رہی تھیں۔ اسی میں ٹوڈاوؤں کے صاف ستھرے لباس مدغم ہونے لگے تھے۔ قدیم مقدس گھنٹیاں جنہیں ٹوڈا، اکنکودر اور منی در، کہتے ہیں بھینسوں کے گلوں میں بندھی وقفے وقفے سے بج اٹھتی تھیں۔

بندگی اور عبادت انسان کی سرشت میں داخل ہے۔ جتنی جبینیں ہیں ان سے زیادہ خدا تراش لئے جاتے ہیں، جیسے ایک خدا کے لئے اس ساری کائینات کا کام بہت زیادہ ہو

گھنٹیوں کی آواز میں ملے جلے مدھم سروں میں سازوں پر موت کا مخصوص سر، شام میں رات کے گھلتے گھلتے مرنے والی کی بالوں کی لٹ، اسکے

گہنے نیز اسکے استعمال کی ساری چیزیں اکٹھی رکھی گئی تھیں۔ انہیں اس عورت کی ادھ جلی کھوپڑی کے ساتھ اسکے جھونپڑے میں رکھا جاتا تھا جہاں ہمیشہ ایک ٹمٹماتا دیا جلتا ہے۔

سمادھی کے شعلوں کے ساتھ قبیلے کی واویلا شروع ہوئی۔ رشتے داروں نے مرنے والی کی روح کو مخاطب کر کے پوچھا "اے آتما کہیں تو بیمار تو نہیں ہے۔ تیری بھینسیں تو خیریت سے ہیں؟۔ کیوں تو ہمیں چھوڑ کر چلی گئی؟" پھر سب ایک راگ ہو کر سر میں سر ملائے رو پڑے۔

رات ہو چکی تھی سوما اور دوسروں نے ڈورا پر زور بھی دیا کہ رات کی رات رک جائے لیکن وہ نہ مانی۔ اور اندھیرے میں ہی کوٹھی واپس چلی آئی۔ کیونکہ وہ پہاڑی راستہ اسکے لئے اجنبی نہیں تھا۔

شہزاد اور زینو کا خسرے کا دور ختم ہوا تو کاکل نے بھی چین کی سانس لی۔ لیکن ان چند دنوں میں وہ کاکل کے اور قریب آ گئے تھے۔ ایسے میں مسیح سے اسے بہت مدد حاصل ہوئی وہ کبھی کبھی خود بچوں کے پاس جاگ کر اسے آرام کرنے پر مجبور کر دیتا۔ کوٹھی کے دن رات معمول پر آ گئے تھے۔ التمش کی مصروفیات بڑھ گئی تھیں۔ مسیح اور ہنمنت راو کی مدد سے اب وہ اسٹیٹ کے کاموں پر حاوی ہو گئے تھے۔ انکی اپنی سوشل مصروفیات بھی تھیں۔ شاذونادر ہی کاکل کی ملاقات ان سے ہوتی۔ کیونکہ جب وہ اور بچے صبح ناشتہ کرتے تو التمش تب تک گھوڑ سواری یا ٹینس کھیل کر واپس نہیں ہوتے۔

انہوں نے کبھی اسکے معمول میں دخل اندازی نہیں کی۔ فرصت کے جو لمحے ملتے کاکل مطالعے میں گذارتی۔ اس نے طے کر لیا تھا کہ ہسٹری میں ایم۔ اے کا امتحان خانگی طور پر دیگی۔ وہ فی الحال یہ سوچنا بھی نہیں چاہتی تھی کہ کوٹھی میں اور کتنے شب و روز اسکی قسمت کی باقی ہیں۔ اس نے تہیہ کر لیا تھا کہ پلٹتے پنوں میں الجھ کر نہیں رہ جائیگی بلکہ ہر اس روز کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے مقابلہ کریگی جو اسکے مقابل کھڑا ہوگا۔

راکنگ چیر میں ہولے ہولے جھولتی وہ کتاب میں مصروف تھی کہ شہزاد اوپر چڑھ آیا۔

"کہانی!" ۔۔۔ اس کی گود میں بیٹھے بیٹھے، اس کی موٹی ریشمی چوٹی سے کھیلتے ہوئے شہزاد نے کہا۔۔۔ بہت جلد زینو نے آکر کاکل کی دوسری جانب اپنی جگہ بنالی۔ یہ ان دونوں کی مقررہ جگہ تھی جہاں وہ رشوت کی طرح کاکل سے کہانیاں وصول کرتے تھے۔ کاکل نے کتاب بند کر کے رکھ دی اور سوچنے لگی کہ انہیں کونسی کہانی سنائے۔ کہانیوں کا اسٹاک بڑی تیزی سے ختم ہو رہا تھا۔ اسے اچانک ایک پرانی انگریزی نظم یاد آئی۔ یہ نظم دو توام بچوں کے بارے میں تھی۔ اور شہزاد اور زینو انگریزی بہت اچھی طرح سمجھ لیتے تھے اس نے دونوں کو گود میں لئے جھولتے ہوئے نظم شروع کی۔

My dear do you know
How a long time ago
Two poor little children
Whose names I don,t know
Were stolen away
On a fine summer day
And left in the wood
As I have heard people say.

Among the trees high
Beneath the blue sky
They plucked the bright flowers
And watched the birds fly
Then on the black berries fed
And straw - berries red
And when they were weary
" We,ll go home". They said.

But then it was night
And sad was their plight
The Sun it went down
And the moon gave no light
They sobbed and they sighed.

And they bitterly cried.
And long before morning
They lay down and died.

And when they were dead
The Robin so red
Brought strawberry leaves
And over them spread.

And all the way long
The green branches among
They would prettily whistle
And thus was their song.

"Poor babies in the wood
Sweet babies in the wood
On the sad fate of
The babes in the wood."

پھر نظم ختم ہو گئی۔ کاکل کے گلے میں خداداد سوز تھا۔ اس نظم کو
وہ جب بھی دہراتی ان دو معصوم گمنام بچوں کیلئے اس کی آنکھیں بھر آتیں
جنہیں گرمیوں کی ایک دوپہر کوئی ظالم اٹھالے گیا۔ اور گھنے جنگل میں چھوڑ
کر چلتا بنا۔ وہ معصوم انجان، ناکردہ گناہ ـــــ اپنے ساتھ ہونے والی

واردات سے یکسر بے نیاز ـــــ قدرت کے تحفوں میں الجھے رہے ۔ کبھی پھولوں سے دل بہلاتے تو کبھی بیری اور اسٹرا بیری سے پیٹ بھرتے ۔ انہیں گزرتے وقت کا اندازہ ہی نہیں ہوا ۔ اچانک شام ہوئی ـــــ شامِ غریباں! ـــــ شام سو سو سے اپنے جلو میں لاتی ہے اور وہ بھی جنگل کی شام! دونوں نے سادگی سے سوچا اب انہیں گھر لوٹنا چاہیئے لیکن وہاں کوئی راستہ نہیں تھا ـــــ سارے راستے مسدود ـــــ اندھیروں کی نذر ہو چکے تھے ۔ چاند نے بھی اپنا منہ پھیر لیا تھا ۔ ان کی حسرت اور خوف کا کوئی گواہ نہیں تھا ۔ وہ روتے رہے ۔ بلکتے رہے ایک دوسرے سے لپٹ کر سسکتے رہے ۔ حتیٰ کہ موت نے انہیں گلے لگا لیا ۔ اگلے دن جب چڑیوں کی چہکار ہوئی تو سرخ گلو رابن نے ان ٹھٹھرے ہوئے بے جان جسموں کو اسٹرا بیری کے پتوں سے کفن پوش کیا اور ان کے غم میں نوحے گائے ۔

کاکل نظم گاتے ہوئے بھول ہی گئی تھی کہ شہزاد اور زینو کو جھولتی کرسی کے ہلکوروں نے سلا دیا تھا ۔ لیکن اسکا خیال غلط تھا کیونکہ مسلسل سبکیوں نے جب اسے چونکا دیا تو پتہ چلا دونوں چپکے چپکے رو رہے تھے ۔

"شہزادا ـــــ زینو" اس نے انہیں ہلکے سے جھنجھوڑا ۔ اور جواب میں دونوں اس کی گردن میں باہیں ڈال کر چپک گئے ۔

"جنگل میں نئیں جانا ہے" ـــــ شہزاد نے سبکیوں کے بیچ کہا ۔

"میں بھی نئیں جاؤں گا ۔ پلیز کاکل!" ـــــ زینو نے اسے اور بھی زیادہ کستے ہوئے کہا اور کاکل کو اپنی غلطی کا شدید احساس ہوا ۔ اسے یہ نظم

ہرگز دونوں کو نہیں سنانی چاہیئے تھی ۔وہ کہانی جو خود اس کی پلکیں تر کر دیتی تھی ۔ شہزاد اور زینو پر چسپاں ہو کر رہ گئی تھی ۔اس نے دونوں کو چمٹا لیا ۔ اپنے دوپٹے سے ان کے آنسو پونچھے اور اسی طرح انہیں کلیجے سے لگائے لگائے کہا

"نہیں یہاں کوئی تمہیں پکڑنے کے لئے نہیں آئیگا"

"تامش ماریں گے اسے ؟" کتنا یقین تھا انہیں تامش کی ذات پر

"خوب ماریں گے ۔۔۔تامش ۔۔۔۔۔۔اسے "۔۔کاکل نے کچھ رُک کر جملہ پورا کیا۔ تامش !خود اس کے کانوں کو یہ نام انوکھا لگا۔ تامش ۔۔اس نے زیر لب دہرایا ۔۔۔ اس بار یہ محض ایک نام نہیں تھا ۔ بلکہ پوری چھاجانے والی شخصیت تھی ۔

"کسے ماریں گے بھئی ہم ؟" ۔۔۔التمش اندر آتے ہوئے بولے ۔۔وہ بہت دیر پہلے وہاں پہنچ چکے تھے ۔لیکن کاکل کی محویت دیکھ کر ، دروازے کے باہر ، بڑھتے ہوئے دھند لکے میں ٹھٹک گئے تھے ۔ دل کو چھولینے والے اس منظر کا ایک لمحہ بھی ان کی نظر سے ضائع نہیں ہوا تھا ۔ نہ کاکل کی آنکھوں میں تیرتے آنسو ، نہ اس کی آگے کو جھولتی چوٹی نہ اس کے رخسار پر کھیلتی لٹ جسے اپنی محویت میں اس نے ایک بار بھی کان کے پیچھے نہیں کیا ۔دل کی گہرائیوں کو چھولینے والی وہ نظم انہوں نے بھی بچپن میں پڑھی تھی اور آبدیدہ ہو گئے تھے کاکل کو ان دونوں بچوں کو خود سے لپٹائے دلاسہ دیتے دیکھ کر وہ ممتا کے اس لافانی جذبے کے قائل ہو گئے ۔جو دنیا میں ہر جذبے سے افضل اور پاکیزہ ہے ۔کاکل کی شخصیت کا وہ روپ انہیں حیران کر گیا ۔اس کی آنکھیں بند تھیں

گھنی پلکوں سے ٹوٹا ہوا ایک آنسو اب بھی اس کے رخسار پر لرز رہا تھا۔ اس نے اس آنسو کو پونچھنے کی کوشش بھی نہیں کی تھی کیونکہ اس کے دونوں ہاتھ شہزاد اور زینو کو لپٹائے ہوئے تھے۔ التمش کا دل چاہا کہ اپنے رومال میں وہ آنسو محفوظ کر لیں لیکن انہوں نے خود کو روک لیا۔ وہ موتی تو ابھی ابھی صدف سے نکلا تھا۔ اسے یوں بٹور لینا مناسب نہیں تھا۔

شائد کاکل کو بھی پتہ نہیں چلتا کہ التمش کب سے اسے ٹکٹکی لگائے دیکھ رہے تھے اگر زینو نے سر اٹھا کر "تامش!" نہ کہا ہوتا۔ کاکل نے آنکھیں کھول دیں اور حیرت سے انہیں دیکھنے لگی۔ اگر پل بھر پہلے اس نے دیکھا ہوتا تو ان کی آنکھوں کی وہ پر اسرار گہرائی دیکھ پاتی جس پر دفعتاً التمش نے پردہ ڈال دیا تھا۔

وہاں التمش کی آمد غیر متوقع تھی۔ انہیں کبھی ضرورت ہوتی تو خود کاکل کو بلا بھیجتے تھے۔

"آپ نے کبھی کھیڈا آپریشن دیکھا ہے؟" التمش وہیں تپائی پر ٹکتے ہوئے بولے ۔۔۔ ان کے ہاتھ میں ایک خط تھا۔

"نہیں، ۔۔۔ کاکل نے محض سر کی جنبش سے کہا ۔۔ اس نے کبھی نہیں دیکھا تھا کہ جنگلی ہاتھیوں کو کس طرح پکڑا جاتا ہے۔

اس نے کرسی سے اٹھنے کی کوشش کی لیکن کرسی جھول گئی اور دونوں بچے اور زیادہ چمٹ گئے۔

التمش نے اسے بیٹھے رہنے کا اشارہ کیا۔

"یہ خط اسی کے بارے میں ہے"۔۔التمش نے خط لہرایا "اگر آپ کو دلچسپی ہو تو ہم چل سکتے ہیں۔"

انہیں یہ خیال بھی ابھی آیا تھا ورنہ خط کو آئے چار دن ہو چکے تھے۔ عدیم الفرصتی کی وجہ سے انہوں نے اس پر توجہ نہیں دی تھی۔۔لیکن التمش کسی آئینہ بند کمرے میں نہیں رہتے تھے۔جہاں تا حدِ نظر بس وہی وہ نظر آتے رہیں نہ صرف اسٹیٹ ان کی ذمہ داری تھی بلکہ کوٹھی میں بسنے والوں اور ان کے مسائل کا بھی انہیں خیال رکھنا پڑتا تھا۔جب سے کاکل اوٹی آئی تھی اس نے گھر سے باہر قدم نہیں نکالا تھا۔خاص کر پچھلے دنوں جب بچے بیمار تھے اس نے نیند چین خود پر حرام کر لیا تھا۔التمش بظاہر اپنے کام اور ریسرچ کے سلسلہ میں مصروف رہتے لیکن حیرت انگیز طور پر کوٹھی اور اسٹیٹ میں جو کچھ ہوتا تھا اس سے مکمل طور پر واقف رہتے تھے۔جس روز انہوں نے کاکل کو خود اپنے سامنے بٹھا کر کھانا کھلایا اور اس سے بات چیت کی تھی ان کا معاندانہ برتاؤ ختم ہو گیا تھا۔لیکن اس کے بعد ہی ہونے والے ایک چھوٹے واقعے نے اس کے بارے میں ان کے شبہات بڑھا دیئے تھے۔

ایک روز رات میں اسٹیڈی میں کام کرتے ہوئے وہ بچوں کو دیکھنے کے لئے گئے۔شہزاد اور زینو بخار کی زیادتی کی وجہ سے بے چین تھے اور ابھی ابھی ان کی آنکھ لگی تھی۔نرسری میں مکمل خاموشی تھی۔ادھ کھلے دروازے سے انہوں نے دیکھا۔۔کاکل اپنے ڈریسنگ گاؤن میں بیٹھی شہزاد یا زینو کی قمیص میں بٹن ٹانک رہی تھی۔اس کی گستاخ لٹ ہمیشہ کی طرح اس کے

رخسار پر جھول آئی تھی۔ اس کے تروتازہ رخسار تھکان کی وجہ سے ماند لگ رہے تھے لیکن اس حالت میں بھی اسکا حسن خود اپنا جواب تھا۔ لیکن التمش کی توجہ جس بات نے زیادہ اپنی طرف مبذول کی وہ وہاں مسیح کی موجودگی تھی ویسے وہ جانتے تھے کہ مسیح وقتاً فوقتاً کاکل کی مدد کرتا تھا۔۔۔ لیکن اب انہوں نے دیکھا کہ مسیح وہاں صرف موجود ہی نہیں تھا بلکہ ایک مخصوص زوایئے سے ٹکٹکی باندھے اس کی نظر کاکل کے چہرے کا طواف کر رہی تھی ۔۔۔ زبان حال سے وہ نظر کہہ رہی تھی۔ دوستو! ہم بھی اسی زلف کے بیمار ہوئے۔ التمش کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی اور بجائے اندر جانے کے وہ واپس چلے گئے ۔۔۔ کیا مسیح کا کلیسائی دل اس کاکل پیچاں میں پھنس کر رہ گیا تھا؟ ۔۔۔ انہوں نے ایسے سوچا جیسے اس بات کا ان سے کوئی واسطہ نہیں تھا۔

" ویسے یہ بالکل آپ کی مرضی پر منحصر ہے " ۔۔ کھیڑا کی دعوت دیکر گویا التمش دور جا کھڑے ہوئے۔

کاکل نے ان کے لاتعلق انداز کو دیکھا اور سوچا کہ انکار کر دے کیونکہ یہ دعوت رسمی بھی ہو سکتی تھی ۔ اس توقع سے کہ کاکل ضرور انکار کریگی ۔ لیکن وہ بھی زندگی کی یکسانیت سے تنگ آگئی تھی۔

" میں ضرور چلونگی " ۔۔۔ اس نے اعلان کیا " شہزاد اور زینو کے لئے بھی اچھی دلچسپی ہو جائے گی ۔۔۔ وہاں جنگل میں کوئی گیسٹ ہاؤس تو ہوگا جہاں ہم ٹھہر سکیں ۔؟"

" نئیں جنگل نئیں جانا ہے " ۔۔ زینو دہل کر بولا۔

"میں بھی نہیں جاؤں گا جنگل" ۔۔۔۔ شہزاد اس کا ماؤتھ پیس تھا۔ کہانی کا اثر اب تک ان دونوں پر باقی تھا۔

التمش نے نفی میں سر ہلایا "گیسٹ ہاؤس تو وہاں ہے لیکن کھیڈا دیکھنے کے لئے جانے والی پارٹی میں بچے نہیں ہونگے"

"تو پھر میں نہیں جا پاؤں گی" ۔۔۔۔ کاکل نے اپنی مجبوری بتائی "شہزاد اور زینو بیماری کی وجہ سے کچھ زیادہ چڑچڑے ہو رہے ہیں۔"

"تو کیا مسیح اکیلے ان کے لئے کافی نہیں ہونگے؟" التمش کے لہجے میں جو طنز تھا وہ کاکل نے محسوس نہیں کیا۔ "ویسے آپ کی مرضی" ۔ انہوں نے اپنے مخصوص انداز میں شانے چڑھائے اور جانے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے "یا پھر ۔۔" انہوں نے جاتے ہوئے رک کر جملہ پورا کیا "میرے ساتھ جانے میں کوئی اعتراض ہے؟"

"نہیں نہیں، میں چلونگی اگر مسیح اس مدد کے لئے تیار ہو جائیں" ۔ ان کا اکھڑا ہوا انداز دیکھ کر کاکل نے جلدی سے کہا۔

"میں مسیح سے کہہ دونگا" ۔۔۔ التمش نے کہا ۔۔۔ اگر انہیں کاکل کی رضامندی سے خوشی ہوئی تھی تو اس کا کہیں اظہار نہیں تھا۔

کسی کی معصومیت اور مجبوری سے فائدہ اٹھانا صدیوں سے انسان کا مشغلہ رہا ہے ۔ سانپ کے کاٹے کے سو منتر ہیں لیکن انسان کا کاٹا پانی بھی نہیں مانگتا ۔ آپریشن کھیڈا بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے ۔ "کھیڈا کنٹری زبان کا لفظ ہے جسکے معنی ہیں "خندق" ۔ خندقیں کھود کر دیو ہیکل ہاتھیوں

کو اسیر بنایا جاتا ہے۔ ایک زمانے میں بنگال میں جو طریقہ ہاتھیوں کو پکڑنے کا رائج تھا اس میں سنگدل اور وحشیانہ طریقے سے انہیں باقاعدہ خندقوں میں گرنے پر مجبور کیا جاتا تھا۔ اور پھر موٹے موٹے رسوں سے انہیں کھینچ کر باہر نکالا جاتا تھا۔ اسطرح بیچارے ہاتھی بری طرح زخمی بھی ہوتے اور بعض جو سر کے بل خندق میں گرتے انکی موت تک ہو جاتی۔

میسور میں بھی خندقوں کا استعمال ہوتا ہے لیکن ہاتھیوں کو خندقوں میں گرانے کے بجائے انہیں پکڑنے کیلئے بڑے بڑے پنجرے تیار کئے جاتے ہیں اور انکے اطراف خندقیں کھودی جاتی ہیں۔ نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن والا معاملہ ہوتا ہے۔

کھیڈا کیلئے کافی وقت درکار ہوتا ہے۔ مہینوں پہلے وسیع و عظیم پنجرے تیار کئے جاتے ہیں۔ کرناٹک کے جنگل ساگوان اور بانس کیلئے مشہور ہیں اور وہی ہاتھیوں کے قید کا سامان بنتے ہیں۔ ہزاروں بانس اور ساگوان کے استعمال سے پنجرے تیار کئے جاتے ہیں اور سارے علاقے کے اطراف گہری خندقیں کھودی جاتی ہیں تاکہ اگر قیدی پنجرے سے بچ بھی نکلے تو خندق پار نہ کر سکے۔ آزاد ہاتھیوں کو غلامی کا طوق پہنانے والا کھیڈا اندرون اور بیرون ملک سے تماش بینوں کو کھینچ لاتا ہے پانچ سو کا ٹکٹ بھی اس تفریح طبع کیلئے سستا سمجھا جاتا ہے۔

کاکل کیلئے بھی یہ انوکھا تجربہ تھا۔ اسنے اپنے مختصر وارڈروب پر نظر ڈالی کہ موقع کے لحاظ سے کونسا لباس موزوں ہوگا۔ کچھ ایسے کپڑے بھی تھے

جو اسکی ماں نے اسے سیل سے خرید کر دئے تھے اور جنہیں کاکل کو سینے کا موقعہ نہیں ملا تھا۔ وہ قمیص اچھی طرح سینا جانتی تھی۔

کوٹھی کے ایک کمرے میں اسنے سلائی کی مشین، پینٹنگ کا سامان وغیرہ رکھا دیکھا تھا۔ وہ روشن اور دل آویز کمرہ کبھی شاہ نور بیگم کا ورک روم رہا ہوگا۔ نٹنگ کی ایک باسکٹ میں اب بھی سفید اون کا ایک نامکمل سوئیٹر رکھا تھا۔ مشین پر گرد کی ہلکی تہہ جم رہی تھی۔ ایسا لگتا تھا اور کمروں کی طرح اس کمرے کی صفائی نہیں کی جاتی تھی۔ صرف بڑے بڑے روشن دریچوں کو بند کر کے ان پر پردے تان دئے گئے تھے۔ کاکل نے ڈوری کھینچی اور کمرہ دوپہر کی روشنی سے جگمگا اٹھا۔

انہیں صبح نو بجے نکلنا تھا۔ کاکل نہیں چاہتی تھی کہ التمش وقت پر تیار رہیں اور اسے ہی دیر کرنے کی خفت اٹھانی پڑے۔ التمش نے کھیڈا کی مصروفیت کے بارے میں ٹائم ٹیبل کی ایک کاپی اسے دے دی تھی۔ اسی کے مطابق اسنے ایک اٹیچی میں کچھ کپڑے اور ضروری سامان رکھا اور جب باہر نکلی تو التمش جیپ کی طرف بڑھ رہے تھے۔ جو ڈرائیور نے لاکر سیڑھیوں کے پاس کھڑی کر دی تھی اور اگلے حکم کا منتظر تھا۔

التمش نے براؤن کارڈرائے کی پینٹ اور بالکل سرخ قمیص پہنی ہوئی تھی جو انکے چست بدن پر بہت سج رہی تھی۔ انہوں ے براؤن کیپ لگائی ہوئی تھی۔ انکی بلند قامت ٹوپی سے باہر گردن تک پہنچے ہوئے بال جو وہاں پہنچتے ہلکا سا پیچ کھا جاتے تھے اور لاپرواہی سے کندھے پر ایک ہاتھ سے تھاما ہوا

کارڈرائے ہی کا جیکٹ ۔ وہ مردانہ حسن کا نمونہ لگ رہے تھے

جیپ تک پہنچ کر انہوں نے نظر دوڑائی ۔ سیڑھیوں پر اترتی کاکل پر انکی نظر اٹک گئی ۔ وہ شاید اسی کے منتظر تھے ۔ ایک تحقیقاتی نظر ۔ ایک تجزیاتی پیمانہ اور پھر تسلی ۔ گویا کاکل اور اسکے لباس نے انہیں مطمئن کر دیا تھا ۔ اسے دیکھ کر انکی نظر ٹھٹکی تو تھی لیکن قیمتی رے بین Rayban چشمے کے اندر انکی آنکھوں میں کیا تھا وہ کوئی نہیں جان سکتا تھا ۔

کاکل نے سفید فلالین کی پتلون اور سفید ہی قمیص پہنی تھی جسے اسنے بعجلت سیا تھا ۔ قمیص کے ڈھیلے آستین نیچے پہنچ کر کف سے بند ہو جاتے تھے ۔ قمیص کے کالر سے اسکی بلوری نازک گردن کا کچھ حصہ عریاں تھا ۔ قمیص پر اسنے سرخ رنگ کی بغیر آستین اونی جیکٹ پہنی تھی ۔ جسکے بٹن کھلے چھوڑ دئے تھے یہ جیکٹ اسنے ریڈی میڈ ہی خریدی تھی ۔ احتیاطاً اسنے ایک پرنٹڈ سلک کا اسکارف کندھوں پر ڈال لیا تھا تاکہ بوقت ضرورت اپنے سرکش بالوں کو قابو میں رکھ سکے ۔

اسے دیکھ کر التمش مطمئن تو ہوئے لیکن انہیں ہلکا سا اچنبھا بھی ہوا ۔ انہیں کاکل سے ذوق کی اس نفاست کی شائد امید نہیں تھی ۔ انہوں نے جب بھی اسے دیکھا تو اندازہ ہوا تھا کہ لباس کے بارے اسکی پسند کچھ خاص نہیں تھی ۔ اور اب اچانک اسمارٹ کاکل اپنے ہاتھ میں بیگ لئے مکمل اعتماد کے ساتھ جیپ کی طرف بڑھ رہی تھی ۔ ڈرائیور نے آگے بڑھکر اسکے ہاتھ سے اٹیچی لی اور جیپ میں پیچھے رکھ دی ۔ کاکل کے بیٹھنے کے بعد التمش نے جیپ

اسٹارٹ کی اور وہ چل پڑے۔

صبح کی نرم دھوپ میں یوکلپٹس کے پیڑوں کے سائے ابھی لمبے ہی تھے ہوا میں خنکی تھی۔ بڑے گیٹ سے گذر کر گھنی جھاڑیوں کے درمیان سے گذرتی جیپ نے پرائیویٹ سڑک چھوڑی اور ہائی وے پر آگئی۔ چکر دار راستے میں وادیاں گہری اور پہاڑ اونچے ہونے لگے۔ کوٹھی سے کچھ دور پہنچ کر التمش نے ایک کنارے کار روک دی۔ اوٹی پہنچنے کے بعد یہ پہلا موقع تھا کہ وہ التمش کے ساتھ باہر نکلی تھی۔ اسکی نسیں تنی تنی سی تھیں۔ التمش سے اٹھتی انکے آفٹر شیو لوشن کی مہک سے اور بھی زیادہ لپٹنے برابر انکی موجودگی کا احساس دلا رہی تھی۔ اب اچانک کار روک دینا اسکے لئے ایک معمہ بن گیا۔

التمش نے جیکٹ سے جو انہوں نے سیٹ کی پشت پر ڈال رکھا تھا ایک پتلا سا ڈبہ نکالا۔ "A token gift for your first outing" ۔ انہوں نے کاکل کو اسکی پہلی آوٹنگ کا تحفہ دیا۔ اس غیر متوقع تحفے نے کاکل کو بوکھلا دیا۔

وہ کہنا چاہتی تھی کہ انہوں نے ناحق تحفہ دینے کی زحمت کی لیکن بمشکل صرف تھینک یو بول پائی۔ اس نے ڈبہ لیا اور گود میں رکھ لیا۔ وہ جب بھی التمش کے ساتھ اکیلی ہوتی تو پہلے خود میں طمانیت پیدا کرنے کی کوشش کرتی۔ اپنی خواہ مخواہ کی بوکھلاہٹ کا اسکے پاس کوئی جواز نہیں تھا۔ بات یہ بھی نہیں تھی کہ اسے مردوں سے بات کرنے میں جھجھک محسوس ہوتی۔ اسے ایسے بے مطلب غمزوں سے آپ ہی نفرت تھی جنکو استعمال کر کے لڑکیاں

اپنی نسوانیت کا ڈنکا پیٹنا چاہتی تھیں لیکن وہ خود التمش کے ساتھ گنگ سی کیوں ہوجاتی تھی ؟ اگر وہ اسکی فطری کمزوری تھی تو مسیح کے ساتھ اسے ایسا کیوں نہیں محسوس ہوتا تھا ؟ ابھی کل ہی کی تو بات تھی کہ مسیح نے اسے بائیبل کا ایک نسخہ دیا تھا تو وہ بلاجھجک اسکے ساتھ بحث مباحثے پر اتر آئی تھی۔ بحث تو وہ التمش کے ساتھ بھی کرنے لگی تھی لیکن اسکے لئے پہلے اسے اس احساس سے گذرنا پڑتا تھا جیسے وہ آگ کے الاوے میں کودنے والی ہو۔

"دیکھو گی نہیں" ؟ التمش نے کہا۔

اس نے ایک نظران کی طرف دیکھا اور ڈبہ کھولا۔ اس میں ایک بہت ہی خوبصورت دھوپ کا چشمہ تھا جس کے ڈبے کی بناوٹ ہی بتاتی تھی کہ کافی قیمتی ہوگا۔ بے اختیار اسنے انکی طرف ایک شکر گذاری کی نظر ڈالی۔ التمش اسکی سراسیمگی سے لطف اندوز ہورہے تھے۔ انکے ہونٹوں کے کنارے تدرے جھک گئے تھے۔ انہیں اپنے برابر بیٹھی وہ حسین لڑکی انوکھی لگی جو تحفہ لے کر خجل ہوجاتی تھی۔ ورنہ انہوں نے بارہا اس سے کہیں زیادہ قیمتی تحفے لڑکیوں کو دیئے تھے جنہیں لے کر انہوں نے اسکے چہرے پر بوسوں کی بارش کی تھی۔

"آپ نے شکریہ ادا کرلیا ہو تو آگے بڑھوں" انہوں نے کہا۔

"ہم ۔۔ میں نے کہا تو ہے شکریہ۔"

"مغربی ملکوں میں لڑکیاں کسی اور طرح شکریہ ادا کرتی ہیں۔" انہوں نے مسکرا کر جیپ کو حرکت میں لاتے ہوئے کہا اور کاکل کے کانوں

تک ایک گلابی لہر دوڑ گئی۔ التمش نے وہ شریر جملہ جیسے خود سے کہا تھا لیکن اسکا بھی یقین تھا کہ انکے برابر جو بھی بیٹھا ہو وہ اسکے کانوں تک ضرور پہنچ جائے گا۔

کاکل نے چاہا کہ ان سے کہے کہ مغرب میں لڑکیوں کو تحفے کسی خاص مقصد سے دئے جاتے ہیں۔ جبکہ انہوں نے یہ تحفہ اپنے ہاں کام کرنی والی ایک محنت کش لڑکی کو اسکی کارکردگی کا انعام دیا تھا۔ اگر اسے اس بات پر کوئی شک تھا بھی تو وہ اس تحفے کا مقصد اس سے زیادہ کچھ نہیں سمجھنا چاہتی تھی۔ اسی میں اسکی خیریت تھی۔

التمش بڑی آسانی سے جیپ چلارہے تھے۔ ہیرپن موڑ زندگی کے اندھے زاویوں کیطرح ہوتے ہیں جو اچانک راستوں میں ابھر آتے ہیں۔ پہاڑوں اور وادیوں کی یہ بلندیاں یہ پستیاں انسان کے کردار کی آزمائش بھی تو ہیں جہاں کوئی لغزش اسے خود اپنی نظروں میں گرا سکتی ہے وہاں بلندیوں پر پہنچنے کے لئے کوہ کنی کرنی پڑی ہو اور ہاتھ میں شیشہ ہوتا ہے برداشت و تحمل کا

مسافت طے ہوتی رہی انہیں شام سے پہلے ستاگوڈی پہنچنا تھا جہاں سے قریب ہی دریائے کابینی بہتا ہے۔ گیسٹ ہاوز اسکے کنارے پر فضا مقام پر بنا تھا جو کھیڈا کے سین سے کچھ دور تھا۔ یہاں اور بھی سیاحوں کے ساتھ التمش اور کاکل کیلئے دو کمرے ریزرو تھے۔

ایک جگہ کافی دور تک کوئی ہیرپن موڑ نہیں تھا۔ تھوڑی تھوڑی دور کلورٹ بنے تھے۔ التمش بہت دیر تک خاموش ڈرائیو کرتے رہے

انہوں نے اب ایک طرف جیپ روک دی اور اتر آئے انہوں نے کاکل سے کچھ نہیں کہا۔ ٹوٹے کلورٹ کے پاس انہیں چپ چاپ کھڑا دیکھ کر کاکل بھی اتر آئی۔ انکی نظریں کھائی سے پرے کچھ کھوجنے کی کوشش کر رہی تھیں۔ کاکل انکی محویت میں مخل ہونا نہیں چاہتی تھی لیکن التمش کے بھنچے ہوئے ہونٹوں اور چہرے کے تاثر سے ہی اسے اندازہ ہو گیا کہ یہی وہ جگہ تھی جہاں انہوں نے اپنی زندگی سے تعلق رکھنے والی تین اہم ہستیاں کھو دی تھیں۔ اختر بخت، بیگم اور شاہ نور۔ وہ ٹوٹا کلورٹ ابھی تک اسی شکستہ حالت میں تھا جہاں سے اختر بخت کی کار کھائی میں گری اور جل کر راکھ ہو گئی۔ کاکل کو ایسا لگا جیسے التمش کا غم اسکے دامن کو بھی چھونے لگا۔ خاموشی میں کتنی یگانگت ہوتی ہے۔ انسان کچھ نہ کہکر بھی سب کچھ کہہ جاتا ہے۔ کاکل کا ہاتھ نادانستہ طور پر اٹھا اور التمش کے بازو پر ٹک گیا۔ ہاتھ کے اس سبک لمس میں وہ سب کچھ تھا جو ایک غمخوار کسی غمگین سے کہنا چاہتا ہو۔

التمش نے دھیرے سے گردن موڑی اور اسکے ہاتھ کو دیکھا جو انہیں اپنائیت اور دمسازی کا پیام دے رہا تھا جو اب بھی انکے بازو پر رکھا تھا۔ پھر انکی دہی نظریں کاکل کی طرف اٹھیں اور جیسے انکی نظروں ہی نے کاکل کو انکی طرف دیکھنے کی دعوت دی ہو اس نے انکی طرف دیکھا۔ زیاں التمش کا تھا لیکن آنکھ نم کاکل کی تھی۔ کچھ دیر نگاہوں کا تصادم قائم رہا نہ التمش کے ہونٹوں کے کنارے تمسخر آمیز مسکراہٹ سے پھڑکے نہ کاکل کی آنکھوں نے کوئی شکایت کی۔ ہو سکتا ہے دمسازی کے یہ لمحے لامتناہی ہو جاتے اگر مخالف

سمت سے آنے والی کار نے کاکل کو چونکا نہ دیا ہوتا۔ اس نے دفعتاً اپنا ہاتھ ایسے ہٹالیا جیسے کوئی چوری کرتی ہوئی پکڑی گئی تھی۔

"معاف کیجئے گا"۔ کاکل نے کہا۔

"معافی مانگ کر ایک اعلیٰ جذبے کی توہین نہ کرو ۔۔۔۔ کاکل شب گیر" انہوں نے اپنے صاف ستھرے رومال سے کاکل کے ماتھے پر آئے پسینے کو جذب کرتے ہوئے کہا۔

وہ دونوں واپس جیپ کی طرف چلے لیکن اس بار التمش کا ہاتھ کاکل کے کندھے پر تھا۔ جب کاکل بیٹھ گئی تو وہ خود گھوم کر اپنی سیٹ پر چلے گئے لیکن ان کے ہاتھ کا لمس کاکل میلوں دور تک اپنے کندھے پر محسوس کرتی رہی

گیسٹ ہاوس پہنچتے پہنچتے شام ہو گئی۔ کھیڈا کی کاروائی دیکھنے کیلئے اور بھی لوگ وہاں آئے تھے۔ زیادہ تر بدیسی ہوٹلوں میں ٹھہرے تھے جہاں سے کھیڈا کا فاصلہ زیادہ نہیں تھا۔ سرکاری افسروں نے گیسٹ ہاوس کی ترجیح دی تھی کیونکہ انکی بھائیں بھائیں کرتی جیبیں مہنگے ہوٹلوں کی تاب نہیں لا سکتی تھیں اور سرکاری افسر ہونے کی وجہ سے انہیں گیسٹ ہاوس کا سارا آرام بیدام حاصل ہو جاتا تھا۔ التمش کے گیسٹ ہاوس کو ترجیح کی وجہ اسکا محل وقوع تھا۔ ندی کے کنارے بنے اس خوشگوار گیسٹ ہاوس کے آس پاس کسی پرشور آبادی کا گمان نہیں ہوتا تھا۔ ندی کی دوسری جانب جنگل اتنا گھنا نہیں تھا اور عقب میں میدانی حصہ دور تک چلا گیا تھا۔ جہاں پرانے کھنڈروں کے آثار تھے۔ اس سے کافی دور بستی میں ایک مندر تھا جہاں کھیڈا کی کارروائی شروع ہونے سے پہلے مددگار سدھے ہوئے ہاتھیوں کو دیوی کی پوجا کے لئے لے جایا جاتا تھا۔

کاکل اور التمش کے کمرے ساتھ ساتھ تھے جن میں دریچوں سے پیچھے کا منظر وہی تھا۔ کمرے آرامدہ اور غسل خانہ میں گرم پانی موجود تھا۔ رات کے کھانے کیلئے انہیں ڈائننگ ہال ہی جانا تھا جہاں سبھی سیاحوں کے لئے کھانے کا انتظام تھا۔

کاکل نے نہا کر اپنی فیروزی ساڑی اور اسی رنگ کا بلاوز پہنا۔ اسی رنگ کے چھوٹے ٹاپس اور لاکٹ جو پتہ نہیں اس نے کب اپنے ٹرنکٹ بکس میں رکھ چھوڑے تھے۔ اسے ویسے ہی نقلی زیورات کا شوق نہیں تھا اور اصلی

زیورات اسکی پہنچ سے باہر تھے۔ یہ فیروزی سیٹ اسکی ایک سہیلی نے اسے اسکی سالگرہ پر تحفہ دیا تھا۔ تیار ہو کر ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے میں خود کو دیکھ کر ایسا لگا جیسے اس نے قرنوں بعد آئینہ دیکھا ہو۔ وہ اس کاکل سے بہت مختلف نظر آ رہی تھی جسکی ماں کالج جانے تک بھی پکڑ کر اس کی چوٹی گوندھ دیا کرتی تھی۔ کبھی ڈانٹ بھی دیتی کہ اور لڑکیوں کی طرح اسے سنور نے کا شوق کیوں نہیں تھا۔ اس کاکل نے آج اپنے گھنے بالوں کی چوٹی بنائی اور کمرے میں رکھے گلدان سے ایک گلاب اس میں سجا لیا۔ لیکن سامنے کی شریر لٹ کسی طرح قابو میں نہیں آتی تھی۔ آخر تھک ہار کر اس نے اسے کان کے پیچھے کر لینے پر اکتفا کیا۔

التمش اور کاکل دونوں ہی ساتھ ساتھ ڈائننگ ہال میں پہنچے دوسرے مہمان آچکے تھے۔ تین جوڑے اور دو اکیلے مرد۔ جب وہ کمرے میں پہنچے تو سبھی کی نظریں ان پر تھیں۔ سب کی توجہ اپنی طرف دیکھ کر کاکل کا چہرہ تمتما گیا۔ جہاں تک التمش کا تعلق تھا وہ پتلون اور سادی قمیص میں بھی اتنے ہی وجیہہ لگ رہے تھے جتنے کسی اور لباس میں۔ قمیص کے پہلے کھلے بٹن سے انکی مضبوط گردن اور اس کے نیچے سیاہ بالوں کا رقبہ عیاں تھا۔ قمیص کی آستین انہوں نے کہنیوں تک پلٹا دی تھیں۔ ان کی سیاہ آنکھوں کا اطمینان اور چمک بتاتی تھی کہ اپنے برابر بیٹھی کاکل کی دلکش شخصیت سے وہ بے بہرہ نہیں تھے۔

جب کئی لوگ جمع ہوں تو تعارف ایک رسم بن کر رہ جاتا ہے۔ نہ کوئی کسی کا نام ٹھیک سے سنتا ہے نہ خود اپنا بتا کر یقین کر سکتا ہے کہ اسکے

مقابل نے سن لیا۔ کاکل اور التمش جس طرح ہال میں داخل ہوئے تو وہاں موجود لوگوں کی غلط فہمی واجبی تھی۔

"آپ لوگوں نے الگ الگ کمرے کیوں لئے"؟ ایک گھامڑ افسر کی گھامڑ بیوی نے کہا "ہمارا ڈبل روم تو بہت اچھا ہے"۔ وہ اپنے شوہر کی افسری میں سرشار تھی۔

"کہہ دیتا ہوں کہ ہماری لڑائی ہو گئی" کاکل کے سرخ ہوتے رنگ کو دیکھ کر التمش نے زبان گال میں دبا کر جھک کر اس سے کہا۔ کاکل کو سراسیمہ دیکھ کر انہیں چھیڑ سوجھ رہی تھی۔

کاکل دم سادھے بیٹھی رہی۔

" دراصل جب ہم نے گیسٹ ہاوس میں Booking مانگی تو سارے ڈبل روم بک ہو چکے تھے" پتہ نہیں وہ کیوں جھوٹ بولنے میں مزہ لے رہے تھے۔

" ہمیں تو انہیں دینا ہی تھا"۔ افسر لگے ہیں نا میرے ہزبینڈ" افسرنی نے چمچہ سالن میں گھیڑتے ہوئے کہا۔

نئے بیاہتا جوڑے نے کچھ ناک سکیڑ کر ایک دوسرے کو دیکھا اور خاموشی سے کھانے لگے۔

کھانا اچھا تھا۔ مغلئی اور جنوبی ہند کا امتزاج۔

بات ہاتھی اور اسکی رقابت کی نکل آئی۔

"میں نے انکی لڑائی دیکھی ہے صاحب" گیم وارڈن نے کہا، "ہاتھی

میں رقابت کا مادہ بہت زیادہ ہوتا ہے ۔ اگر وہ کسی رقیب کو اپنی منظور نظر ہتھنی کی طرف متوجہ دیکھتا ہے تو اس سے گتھم گتھا ہو جاتا ہے ۔"

"اور جب دو ہاتھی لڑتے ہیں تو بیچاری گھاس تباہ ہو جاتی ہے" التمش نے کہا۔

"مگر ہر وقت وہ گھاس پر ہی تھوڑے ہی لڑتے ہونگے" سرکاری افسر نے کینیائی کہاوت کو نہ سمجھتے ہوے کہا۔

"۔۔۔۔اور پھر وہ اپنی بے وفا ہتھنی کو بھی نہیں بخشتا" گیم وارڈن نے بیان جاری رکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں جی وہ تو جروری بات ہے" افسرنی بولی "پتنی کو تو پتی کا ہی ہو کر رہنا چاہیئے" ۔

"کیا خیال ہے" ؟ التمش نے پھر آواز دبا کر کاکل سے کہا ۔ اب کی بار کاکل بھی مسکرائے بغیر نہ رہ سکی لیکن نئے بیاہتا جوڑے نے افسرنی کی بات پر پھر ناک سکیڑ کر ایک دوسرے کو دیکھا جیسے سخت بور ہو رہے ہوں ۔

"کبھی ہاتھیوں کو خوب سی افیون کھلا کر بھی پکڑا جاتا تھا ۔" گیم وارڈن بولے ۔ جب ان پر نشہ اور نیند طاری ہوتی تو آسانی سے انکے پیروں میں رسیاں باندھ دی جاتیں" ۔

"میں نے ایک بار سرکس میں ہاتھی دیکھا تھا ۔ وہ یوں سونڈ اٹھا کر سلام کرتا تھا ۔ افسرنی نے اپنی سونڈ ہوا میں اٹھائی ۔

نئے بیاہتا جوڑے کا ناک سکیڑنا کم ہو گیا تھا ۔ التمش سب سے

معذرت کر کے اٹھے اور ساتھ ہی کاکل بھی۔

لمبی کوریڈور طے کر کے جب وہ اپنے کمروں تک پہنچے تو کاکل کے کمرے پر وہ کچھ دیر تک رک گئے۔ انکی گہری گہری آنکھوں نے شائد کچھ کہا۔ کاکل نے اپنی آنکھیں اٹھائیں تو التمش کی آنکھوں کو نگران پایا۔

"فارسی سمجھ لیتی ہو؟" انہوں نے اچانک کاکل سے پوچھا۔

"جی بابا فارسی میں بھی شاعری کرتے ہیں۔ ان ہی سے سیکھی" کاکل اس بے محل سوال کا مطلب نہیں سمجھی۔

"Good" التمش نے کہا۔

دیشب کہ می رفتی بتارو کردہ ازما یک طرف
افگندہ کاکل یک طرف زلف چلیپا یک طرف

ان کی آواز بوجھل ہو رہی تھی۔ کاکل حیران نظروں سے انہیں دیکھتی رہ گئی التمش نے اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے اسکے رخسار پر جھول آئی زلف کو کان کے پیچھے کیا اور کہا "شب بخیر"۔ انہوں نے پلٹ کر نہیں دیکھا اور اپنے کمرے میں چلے گئے۔

کاکل نے اندر آکر دروازہ بند کر لیا لیکن اس سے ایک قدم بھی آگے بڑھا نہیں گیا۔ اسکی آنکھیں بند ہو گئیں اور وہ دروازے سے ٹیک لگا کے کھڑی ہو گئی۔ اس نے حافظ کا وہ شعر دہرایا جو ابھی ابھی التمش نے زیر لب پڑھا تھا (کل رات جب تم ہم سے منہ پھیرے جا رہی تھیں تو بس ہم نے اتنا دیکھا کہ تمھاری چوٹی ایک طرف لہرا رہی تھی اور کھلی زلف ایک طرف) کیا

کھلواڑ کر رہے تھے حالات اسکے ساتھ ۔ کیا مقصد تھا التمش کا اسطرح اچانک سوکھی زمین پر ساون کی بدلی بن کر برسنے کا تپتے صحرا پر سے خشک ہوا کا جھونکا بن کر گذر جانے کا کیا وہ اسکی قوت برداشت کو آزمارہے تھے ۔ انکی انگلیوں کا لمس اب بھی اسکے رخسار میں بیدار تھا ۔ اور وہاں جہاں کان کے پیچھے پل بھر کو ان کا ہاتھ سرسرایا تھا ۔ وہ تو اس سے نفرت کرتے تھے اسے دھوکے باز اور فتنے کی جڑ سمجھتے تھے پھر یہ التفات کیا معنیٰ رکھتا تھا ۔ کیا انہوں نے اسے اپنی پراپرٹی سمجھنا شروع کر دیا تھا؟ اگر یہ اسکی آزمائش تھی تو وہ اسے کیوں آزمانا چاہتے تھے ۔ کیا انہیں اسکی اس ذہنی کیفیت کا اندازہ ہو گیا تھا جو انکی قربت اس میں جگاتی تھی ۔ دل کے دھڑکنے کی صدا تو بہت موہوم ہوتی ہے وہ انکے مغرور کانوں تک کیسے پہنچی ۔ اسنے اپنا دل تھام لیا وہی کم بخت سراب کے پیچھے بھاگنے لگا تھا ۔ اگر اس نے اسے قابو میں نہیں رکھا تو ایک دن وہی اسکی رسوائی کا ذمہ دار ہوگا ۔ بہتر تھا کہ وہ بروقت سنبھل جائے ۔ التمش مغرب زدہ تھے جہاں کسی لڑکی میں دلچسپی کا اظہار عین تہذیب کی نشانی سمجھا جاتا ہے اسمیں سچائی کا ہونا ضروری تو نہیں! وہ بھی کوئی چھوئی موئی نہیں تھی ۔ اگر ہوتی تو آج حفیظ کی بیوی بن کر اسکے ہوٹل کے برتن مانجھ رہی ہوتی اسی نے اپنے لئے وسیع تر دنیا چنی تھی اور دقیانوسی بندشوں سے باہر نکل آئی تھی ۔ لیکن اسکا یہ مطلب نہیں تھا کہ کوئی اسے کھلونا بنا کر کھیلے ۔ عورت اب اتنی بے بس نہیں رہی جتنی کسی زمانے میں تھی ۔ زمانے کا مزاج اسکی قدریں بدل رہی تھیں ۔

ان خیالات نے اسے تقویت دی لیکن انصاف کا تقاضہ یہ تھا کہ وہ خود اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھتی۔ اسکے باغیانہ خیالات کی رو اچانک رک گئی۔ کیا وجہ تھی کہ مسیح نے جب اسکی زلف چھوئی تھی تو اسکے جذبات میں ہیجان بپا نہیں ہوا۔ اسے خود ٹٹولنے کی ضرورت نہیں پڑی۔ جب کہ پہلے ہی دن التمش اور انکی شخصیت مسلسل اسکے خیالات پر حاوی ہونے لگی تھی۔ کیوں اسے بار بار اپنا دامن جھٹک کر خود کو یقین دلانا پڑا تھا کہ نہیں کچھ نہیں ہوا۔

رات زیادہ ہو رہی تھی اسنے طے کیا کہ اس معمولی واقعے کو کوئی اہمیت نہیں دے گی۔ اس نے کپڑے تبدیل کئے منہ دھو کر ہلکی پھلکی نائٹ میں سونے کی تیاری کی۔ کمرے میں پنکھے کی مصنوعی ہوا میں گھٹن سی محسوس ہونے لگی تو کچھ دیر کیلئے اس نے بتی بند کر کے دریچے کے پردے ہٹا دئے اور دروازے کھول دئے خوشگوار ہوا کے جھونکوں نے اسکے سر کے ہلکے ہلکے درد کا علاج کر دیا۔ ہوا میں گھلی مدھم خوشبو۔ اسنے اسکا ایک بھرپور سانس لیا تو جان گئی کہ وہ سن کیسر کی سگندھ تھی جو گیسٹ ہاؤس کے احاطے میں اونچے اونچے پیڑوں سے گچھوں کی شکل میں لٹکتے تھے۔ وہ اور اس کی سہیلیاں بچپن میں انہیں ایک خاص طرح سے گوندھ کر لمبے لمبے گجرے بنایا کرتی تھیں۔ لیکن مدھم چاندنی میں اس خوشبو سے پرے کچھ دور ندی کے کنارے چٹان پر ایک ہیولا تھا۔ آرامدہ نشست لئے۔ ہاتھ میں جلتا ہوا سگریٹ۔

کاکل التمش کے سگریٹ پینے کے انداز سے بخوبی واقف تھی۔

سویرے کاکل دعا کرتی رہی تھی کہ ان کی مچان افسرنی سے دور ہو۔ دعا قبول ہوئی۔ ویسے بھی ہر مچان کے درمیان فاصلہ چھوڑا گیا تھا۔ مچانوں کو حتی الامکان آرامدہ بنایا گیا تھا۔ سبھی نے موقعہ کے لحاظ سے مناسب لباس پہنے ہوئے تھے۔ نیا شادی شدہ جوڑا بھی پوری تیاری سے آیا تھا۔ التمش نے خاکی سفاری اور جنگل بوٹ پہن رکھے تھے جبکہ کاکل نے کارڈرائے کی پتلون اور قمیص کے اوپر پتلون سے میچنگ جیکٹ۔ اسکے گلے میں شوخ رنگ کا مفلر اسکے لباس کی یکسانیت کو توڑ رہا تھا۔ اسکے دونوں کنارے اس نے جھولتے چھوڑ دئے تھے۔

کچھ دیر بعد انہوں نے دیکھا کہ موٹی افسرنی بھی اپنے میاں کے ساتھ ڈولتی آرہی تھی۔ گہری چھولدار ساڑی اور ہاتھ میں بڑا سا ناشتہ دان حالانکہ مچانوں پر پہلے ہی سینڈوچ اور تھرماسوں میں کافی رکھ دی گئی تھی۔ افسرنی کے انتظام کو دیکھ کر یکلخت التمش نے نئے بیاہتا جوڑے کی طرح ناک سیکڑی اور فی البدیہہ کاکل نے بھی وہی کیا اور دونوں ہنس پڑے۔

"کیا ہاتھی آگئے؟" ان کے مچان سے گذرتے ہوئے افسرنی نے ہانپ کر پوچھا۔ جھاڑیوں میں الجھ الجھ کر اس کی ساڑی نے اس کا ناطقہ بند کر رکھا تھا

"ابھی تو ایک ہی آیا ہے"۔ دوسرے مچان سے کسی نے آواز لگائی۔

تماش بینوں کی کافی تعداد جمع ہو گئی تھی۔

سنسنا گوڈی میں کابینی ندی اور چٹانوں کے بیچ میدان میں مہاوت پالتو ہاتھیوں کو لئے پہنچ گئے تھے جنہیں پہلے بستی کے مندر لیجایا جا رہا تھا تاکہ

پوجا کے بعد اصلی کارروائی شروع ہو۔ پوجا کے بعد ان پالتو ہاتھیوں کا رخ جنگل کی طرف موڑ دیا گیا اور پھر "ہاکا" شروع ہوا۔

التمش دوربین لگائے کھیڈا کے انتظامات دیکھ رہے تھے۔ ساگوان کے تنوں سے بہت بڑا احاطہ گھیرا گیا تھا۔ اس احاطے کے اندر ایک اور احاطہ تھا اور اس سارے رقبے کے اطراف کھیڈے یا خندقیں کھودی گئی تھیں تاکہ پکڑے گئے ہاتھیوں کی راہ فرار مسدود ہو جائے۔

ڈھول اور کنستر پیٹ کر ہاکا کرنے والوں کی آوازیں قریب آنے لگیں۔ کاکل اور التمش سنبھل کر بیٹھ گئے۔ کھیڈا التمش نے پہلے بھی دیکھا تھا انہوں نے دوربین کاکل کے ہاتھ میں تھمادی اور ساری کارروائی کی وضاحت کرنے لگے۔

اتنا زبردست شور و غوغا تھا کہ اللہ کی پناہ۔ ہاتھیوں کا غول دریا کے کنارے پہنچنے لگا۔ جہاں پالتو ہاتھی ان کے منتظر تھے۔ شور و ہنگامے سے گھبرا کر جنگلی ہاتھی جیسے ہی وہاں پہنچے تو پالتو ہاتھیوں نے انہیں گھیر لیا اور اپنی کمر سے دھکے دے دے کر انہیں احاطے کی طرف ڈھکیلنے لگے۔ بس وہی ایک راستہ، انکی غلامی کا راستہ، ان کے لئے کھلا تھا جو سیدھے انہیں قید خانے لے جاتا تھا۔ احاطے کے دروازے پر پہنچتے ہی شاید انکی چھٹی حس نے انہیں خبردار کیا کہ آگے خطرہ ہے اور وہ واپسی کیلئے مچل گئے۔ ایسے میں کھیڈا والوں نے ہر طرف سے ان پر گولیوں کی بوچھاڑ کر دی۔

یہ بربریت دیکھ کر کاکل لرز گئی۔ لیکن التمش نے اسے بتایا کہ ان

گولیوں کا مقصد ہاتھیوں کی جان لینا نہیں تھا بلکہ قدرے زخمی کرنا تھا تاکہ وہ بس اسی راستے پر بھاگ چلیں جہاں ان کی قید کا انتظام تھا۔ زندگی میں کبھی سامنے ایک ہی راستہ ہوتا ہے اور ہم جانتے ہیں کہ وہ تباہی کا راستہ ہے پھر بھی ہم اس پر چل پڑتے ہیں۔

ہاتھیوں کی چٹانوں جیسے جسموں سے خون کی بہتی دھاروں نے کاکل کو نروس کر دیا لیکن وہ بڑی ہمت سے دوربین آنکھوں سے چپکائے بیٹھی رہی وہ اپنی کمزوری ظاہر کرنا نہیں چاہتی تھی کہ کہیں وہ التمش کے مضحکے کا سامان نہ بنے۔

جنگلی ہاتھیوں کے غول جب دھکے مکے کھا کر احاطے میں داخل ہو گئے تو فضا اللہ اکبر کے نعروں سے گونج اٹھی کیونکہ پالتو ہاتھیوں کے تقریباً سارے ہی مہاوت مسلمان تھے۔ بنگال سے کرناٹک پہنچی ان کی ہر نسل یہی کام کرتی آئی تھی ۔ انگریزی ٹارزن فلموں کا مشہور ایکٹر سابو جسے Elephant Boy کہا جاتا تھا۔ یہیں سے ہالی ووڈ پہنچا تھا جو اب انگریز بیوی کے ساتھ وہاں چین کی زندگی گذار رہا تھا۔

بیچارے ہاتھیوں کی آزمائش ابھی ختم نہیں ہوئی تھی ۔ انہیں تو قید تنہا تک پہنچنا تھا جہاں سے واپس لوٹنے کا ہر راستہ مسدود ہو جاتا ہے۔ جس طرح انسان ہی انسان کی تباہی کا باعث ہوتا ہے اسی طرح سدھے ہوئے گھاگ ہاتھیوں نے بھی اپنے سادہ لوح ہاتھیوں کو دھکے دے دے کر اندرونی احاطے میں ڈھکیلنا شروع کیا جہاں تجربے کار کھیڈا کارکن موٹے

موٹے رسے لئے انکے منتظر تھے۔ ہاتھیوں کے وہاں پہنچتے ہی انہوں نے انکے پیروں اور گلے میں پھندے ڈالکر انہیں بس میں کر لیا۔ یہ کام بہت خطرناک بھی ہوتا ہے ہاتھی کا ایک ایک قدم انہیں موت سے دوچار کر سکتا ہے۔

کھیڈا کا پہلا مرحلہ طے ہوا۔ لیکن کامیاب اور فاتح قوم جس طرح مجبور و محصور قوم کی اشک شوئی کرتی ہے انکے آگے اپنی بھیک کے ٹکڑے پھینکتی ہے اسی طرح مفتوح ہاتھی اب پابہ جولاں واپس ساگوان کے جنگل لے جائے جا رہے تھے تاکہ انہیں نہارا جائے۔ یہ بھی انکا ذہنی بلیک میل ہوتا ہے۔ جنگل کا وہ حصہ جہاں ہاتھی لائے جاتے ہیں "فیل خانہ" کہلاتا ہے جہاں انہیں مضبوط پیڑوں سے باندھ دیا جاتا ہے۔ انکی مرہم پٹی کی جاتی ہے پھر ان کی ٹریننگ شروع ہوتی ہے اور انکی آزادانہ روش کو کچل کر رکھ دیا جاتا ہے۔ جہاں میں حلقہ بگوشوں کے نام کچھ بھی نہیں انکی گنے اور گڑ سے تواضع کی جاتی ہے۔ دن میں دو بار ندی میں نہانے کی اجازت دی جاتی ہے جو انکا مرغوب مشغلہ ہے۔

جو غیور ہاتھی کسی قیمت پر قید برداشت نہیں کر پاتے۔ رسے توڑ کر نکل بھاگنے کی کوشش انہیں لہولہان کر دیتی ہے۔

اگلے دن افسرنی اور دوسرے ساتھی جا چکے تھے۔ چند لوگ یہ دیکھنے کے لئے رک گئے تھے کہ ہاتھی سدھائے کس طرح جاتے ہیں۔ ان میں مٹھوں کے پروہت۔ سرکس کے مالک اور ٹمبر مرچنٹ تھے جنہیں یہاں سے ہاتھی خریدنے تھے۔

التمش اور کاکل نے بھی اپنا مختصر سامان پیک کر رکھا تھا تاکہ ایک نظر ٹریننگ کیمپ دیکھیں اور واپس آکر سامان لیں اور چل پڑیں۔

کابینی ندی کو پیچھے چھوڑ کر میدانوں سے سیدھا راستہ جنگل جاتا تھا جہاں فیل خانے میں ہاتھی سدھائے جا رہے تھے دور داہنے ہاتھ کو پرانے کھنڈر تھے جو اتنے پرانے بھی نہیں لگتے تھے کہ التمش کو دعوت فکر دیتے ٹوٹی دیواروں کی ساخت بتاتی تھی کہ وہ غالباً اسی صدی کے آثار تھے اسکے علاوہ انہیں فیل خانہ کا خیال ترک کر کے داہنے ہاتھ کو تقریباً ایک فرلانگ دور جانا پڑتا۔

فیل خانہ اتنی دور بھی نہیں تھا۔ وہاں کوئی دس پندرہ ہاتھی تھے جو نوجوان فیل بانوں کی تحویل میں تھے۔ کچھ نے تن بہ تقدیر قسمت کے فیصلے کو مان لیا تھا اور رغبت سے گنا اور گڑ کھا رہے تھے۔ لیکن ان میں ایک کمسن ہاتھی بھی تھا جسے اپنی آزادی ہر چیز سے زیادہ پیاری تھی۔ اسکی آنکھوں سے بہتے پانی نے ان کہانیوں کی تصدیق کر دی جو ہاتھیوں کی ذہانت اور حساسیت کے بارے میں سنی تھیں۔ ایک اور ہاتھی نے التمش اور کاکل کی تمام تر توجہ اپنی طرف مبذول کر لی۔ وہ ایک نوجوان جیالا ہاتھی تھا اور اپنی اسیری سے سمجھوتہ کر ہی نہیں پا رہا تھا۔ اسکی فلک شگاف چنگھاڑ اور جسم کے زخم جو رسوں کی رگڑ سے پیدا ہو گئے تھے اتنے گہرے تھے کہ اسکی ہڈی نظر آ رہی تھی پھر بھی وہ اپنی آزادی کی کوشش کئے جا رہا تھا۔ اسکا نوجوان فیل بان سخت آزمائش کے دور سے گذر رہا تھا۔

ظلم اور استبداد کس طرح جیالوں کو بھی گھٹنے ٹیک دینے پر آمادہ کر دیتا ہے وہ سرفروش ہاتھی اسکی بہترین مثال تھی۔ ہاتھی کی حالت زار کے ساتھ التمش سے کاکل کی ذہنی کیفیت بھی چھپی نہیں رہی گو کہ اس نے اپنی قوت برداشت سے کام لیکر اپنی گردن پھیرلی تھی لیکن اسکا چمیلی کی طرح سفید ہوتا ہوا رنگ اسکی دل کی کیفیت کا مظہر تھا۔ انہوں نے واپسی کا قصد کیا اور کاکل کی آستین چھوکر اسے واپس چلنے کا اشارہ کیا۔ شکست پندار کا منظر کچھ کم دردناک نہیں ہوتا۔

وہ دونوں جنگل کو پار کر کے میدانی حصے تک چلے آئے۔ ابھی صبح ہی تھی لیکن سورج میں تمازت آگئی تھی۔ التمش نے اپنی کیپ کاکل کے سرپر رکھدی وہ جلد ہی گیسٹ ہاوس پہنچ جانا چاہتے تھے کہ جیپ لیں اور چل پڑیں۔ انکے قدم جلدی جلدی اٹھ رہے تھے۔ دور سے اس پابجولاں ہاتھی کی دردناک چنگھاڑ اب بھی سنائی دے رہی تھی۔ یکایک ایک شور غل اٹھا، ساتھ ہی لوگوں کے چلانے اور دوڑنے کی آوازیں۔

التمش نے خطرے کو محسوس کیا انہوں نے کاکل کا ہاتھ تھاما اور اپنی رفتار تیز کر دی۔ انکا خیال درست تھا۔ آزادی کے متوالے نے اپنی سلاسل توڑ پھینکی تھی اور بھاگ نکلا تھا۔ جنگل کی طرف سے سارے راستے بند پاکر اسنے ندی کا رخ پکڑ لیا تھا۔ اسکا غضب اور وحشت ایسے تھے کہ راستے کی ہر چیز کو پامال کرتا بڑھا چلا آتا تھا۔ اسکے ذہن میں انسان اور اسکی عیاری کا زخم بالکل تازہ تھا۔ اس نفرت کو جسم کا گھاو اور بھی ہوا دے رہے تھے دور سے

اس نے التمش اور کاکل کو دیکھا۔انسان سے بدلہ لینے کی خواہش نے اسے اور بھی بھبھوکا کر دیا ساری انسانی نسل کا بدلہ وہ ان سے لینے کیلئے لپکا۔

التمش کی تیز گامی کو کاکل یوں بھی چھو نہیں پا رہی تھی ۔اسکا سانس پھولنے لگا تھا۔بڑھتے ہوئے خطرے کے خوف سے اور بھی اسکے پاؤں لڑ کھڑانے لگے ۔

التمش نے یکایک گیسٹ ہاوس کا راستہ چھوڑ دیا اور مڑکر کھنڈر کی طرف چل پڑے وہ ہاتھی کی اس خصلت سے واقف تھے کہ وہ ناک کی سیدھ میں ہی دوڑتا ہے لیکن اسکے راستے سے کوئی اچانک زاویہ بدل کر نکل جائے تو بچاو ہو سکتا تھا۔یہ بھی ممکن تھا کہ ہاتھی رکے اور پلٹ کر انکا پیچھا کرے انکا خیال سچ نکلا ہاتھی کی چنگھاڑنے کے ساتھ انکے قدم اور بھی تیزی سے اٹھنے لگے اب کھنڈر بالکل سامنے تھے اور خطرہ پیچھے ۔ہاتھی تیزی سے اپنی مسافت طے کر رہا تھا۔

"کاکل چھلانگ لگادو " التمش نے کاکل کو دھکا دیا لیکن فوراً اسے پکڑ کر پیچھے کر دیا۔وہ کاکل کی جان کو خطرے میں ڈالنے سے پہلے خود اس کھنڈر کی گہرائی کو ناپنا چاہتے تھے ۔پس ایک ہی زقند میں وہ کھنڈر میں کود پڑے وہ گڑھا اندھا گڑھا بھی ہو سکتا تھا۔ہو سکتا تھا وہاں اندھا کنواں ہو ۔ایسا ہی ہوا دو تین ٹوٹی ہوئی سیڑھیاں وہیں ختم ہو گئی تھیں ۔وہ پھسل کر کوئی دس فیٹ نیچے آرہے ۔کاکل کو انہوں نے پل بھر کے لئے روک دیا تھا۔لیکن نیچے محفوظ پہنچنے کے بعد انہوں نے آواز لگائی "اب کود جاو کاکل " ویسے التمش کو

کھنڈر میں کودتے دیکھنا ہی اسکے لئے کافی تھا۔ اس خطرے سے لاتعلق جو اسکی طرف بڑھا چلا آرہا تھا۔ کاکل نے آنکھیں بند کیں اور ایک ہی چھلانگ میں کھنڈر کی اس خندق میں کود پڑی۔

پیٹ میں پرندے کی سی پھڑپھڑاہٹ، پھولی ہوئی سانس اور دھونکنی بنا ہوا دل۔ اوسان کہاں جگہ پر رہتے۔ التمش نے اسے یوں جھیل لیا تھا جیسے وہ پھولوں سے بھری ایک ٹوکری تھی۔ ڈوبتا انسان تو تنکے کو بھی سہارا بنا لیتا ہے۔ سنگلاخ سینے اور مضبوط بازوؤں نے اسے ایسے تھام لیا جہاں تحفظ تھا، دمسازی تھی۔ کاکل کے دونوں بازو التمش کی گردن میں حمائل ہو گئے تھے۔ اس نے انہیں اتنا کس لیا تھا کہ ان کے سینے سے لگے اسکے کان انکے دل کی بتدریج بڑھتی دھڑکنیں سن سکتے تھے۔ پتہ نہیں کتنے لمحے اسی طرح گذر گئے پھر ایک مخصوص خوشبو نے، جسے وہ بہت اچھی طرح پہچاننے لگی تھی اسے ہوش دلایا اور اسے التمش کی قربت کا شدید احساس ہوا۔ اس نے حیران ہو کر آنکھیں کھولیں تو انکی سیاہ آنکھوں کو نگران پایا۔ ان کی آنکھوں میں کئی سمندروں کی گہرائی اتر آئی تھے۔ ان ابروؤں کے بیچ وہ لکیر ابھر آئی تھی جو ان کی محویت کی گواہی تھی۔ کاکل ان آنکھوں میں دیکھتی رہ گئی اور بھول گئی کہ اسکی بانہیں اب بھی التمش کی گردن میں حمائل تھیں۔ وہ کونسی مقناطیسی کشش تھی جس نے اسکی سوچنے سمجھنے کی قوت کو سلب کر لیا تھا۔؟ وہ کونسا جادو تھا جس نے اسے دنیا و مافیہا بے خبر کر دیا تھا؟ التمش کا دل کیوں دھونکنی بن گیا تھا۔ کیوں انکی آنکھوں کی گہرائی میں وہ ڈوبتی ہی جارہی تھی؟ ان سب

سوالوں کے جواب ہی میں گویا التمش کا سر دھیرے سے جھکا اور اس کے اورانکے لبوں کے درمیان جو موہوم سافاصلہ تھا وہ بھی ختم ہوگیا۔ اسکی آنکھیں بند ہوگئیں اور وہ اس لمحے کے طلسمات میں کھو گئی تھی۔ جس نے پہلی بار اسے اجنبی لبوں سے آشنا کروایا تھا۔ التمش نے اسکے قدم زمین پر ٹکا دئے تھے اور اسے اپنی باہنوں کے تنگ گھیرے میں لئے کھڑے تھے۔

کاکل کے دل ودماغ ایک جھٹکے کے ساتھ جاگ اٹھے۔ اسنے اپنے دونوں ہاتھ سینے پر رکھ کر انہیں دھکیلنا چاہا لیکن التمش کی گرفت اور بھی تنگ ہو گئی۔

"چپکی کھڑی رہو۔ ابھی خطرہ ٹلا نہیں ہے" انکی آواز گمبھیر تھی۔ انکا خدشہ صحیح تھا۔ ہاتھی نے انہیں کھنڈروں کی طرف جاتا دیکھا تو پلٹا۔ اتنی دیر میں التمش اور کاکل نے کھنڈر کی خندق میں پناہ لے لی تھی۔ وہ بظاہر ماضی کے کسی خواب یا چھوٹے موٹے راجا کی حویلی کے کھنڈر تھے اسکے جس حصے میں کاکل اور التمش محصور تھے وہاں کسی زمانے میں اناج کی بوریاں رکھی جاتی ہونگی۔ امتدادِ زمانے نے دیواروں اور سیڑھیوں کو ڈھا دیا تھا۔ تہہ خانے کے اس حصے میں بمشکل اتنی جگہ تھی دکہ دو نفر اس طرح کھڑے ہو سکتے تھے جیسے التمش اور کاکل تھے۔

ہاتھی کا سایہ خندق کے ایک حصے پر پڑ رہا تھا۔ ساتھ ہی اس کی چنگھاڑ نے کاکل کو دہلا دیا۔ زخمی اور غصیلا ہاتھی اپنے غیض وغضب میں خود کو خندق میں جھونک سکتا تھا۔ التمش نے سر پر کھڑے خطرے کو محسوس کیا اور

کاکل کو کمر سے گھسیٹ کر ٹوٹی چھت کے آسرے میں ہو گئے تاکہ ہاتھی کی نظر ان پر نہ پڑے ۔ وہ اسطرح جڑے کھڑے تھے کہ التمش کے گرم سانسوں کی لو کاکل کے رخساروں کو دہکا رہی تھی ۔

ہاتھی کے پاؤں خندق کے پاس رک گئے تھے ۔ خندق کا تجربہ اس کے ذہن میں بالکل ابھی تازہ تھا ۔ وہ خود کو دوبارہ اس میں جھونکنے ہرگز تیار نہ تھا وہ وہاں کھڑا چنگھاڑتا رہا اور بدحواسی میں کاکل کے ناخن التمش کی کلائی میں دھنستے رہے ۔

ایک شور مچا، کھیڈا کے کارکن اور مہاوت رسے توڑ کر بھاگے ہوئے ہاتھی کے پیچھے دوڑ کر آرہے تھے ۔ ٹین پیٹنے کی آوازیں، لوگوں کا چلانا اور ہوا میں بندوقوں کے فائر اور سینکڑوں دوڑتے ہوئے قدموں کے انتشار نے ہاتھی کو دہلا دیا اور وہ پچھلی دونوں ٹانگوں پر کھڑا ہو گیا ۔ اس کی چنگھاڑ میں زخموں کی شدید تکلیف کا کرب تھا قریب تھا کہ وہ اپنی استقامت کھو کر خندق میں جا گرتا کہ بندوق سے نکلی ہوئی کئی گولیوں نے اسے ٹھنڈا کر دیا ۔ اس کے زخمی پاؤں اور بدن میں تشنج سا آیا ۔ سونڈ کمزور پیچ کھا کر اٹھی اور چھوٹی چھوٹی آنکھیں ساکت ہو گئیں ۔

ایسے ہوتے ہیں آزادی کے متوالے

التمش نے ٹھیک ہی کہا تھا ۔ خطرہ ٹلا نہیں تھا ۔ بلکہ خطرہ تو اب بالکل سامنے کھڑا تھا، کاکل کی انا کے لئے ۔ اس نے جب خود کو ٹٹولا تو پتہ چلا کہ

وہ کوئی بیرونی خطرہ نہیں تھا بلکہ کاکل خود اپنے آپ سے خوف زدہ تھی۔ خود کو خود سے بچانا کتنا مشکل ہوتا ہے۔

التمش اور کاکل کو رسی کی سیڑھی کی مدد سے باہر نکالا گیا۔ "آج کسی آرکیالوجسٹ کو خود کھدوائیوں سے نکالا گیا"۔ التمش نے ہنس کر کہا۔ ان کی حاضر دماغی اسی طرح بنی ہوئی تھی جبکہ کاکل کی حالت زبوں تھی۔ التمش کی پتلون گھٹنے پر سے پھٹ چکی تھی جہاں سے خون رس رہا تھا۔ اور کاکل کا پسندیدہ مفلر وہیں کھنڈر میں چھوٹ گیا تھا۔

ایمرجنسی وین وہاں پہنچ چکی تھی جس میں انہیں گیسٹ ہاؤس لے جایا گیا۔

غسل کر کے دونوں نے کپڑے تبدیل کئے اور التمش کی مرہم پٹی ہوئی۔ چائے کے گرم گرم پیالوں سے بڑی تقویت ملی لوگوں نے صلاح دی کہ وہ رک جائیں اور اگلے دن واپس جائیں لیکن التمش نہیں مانے۔

واپس ہوتے ہوئے وہ مسلسل منہ پھیرے جیپ میں بیٹھی رہی۔ وہ کوشش کر رہی تھی کہ کھنڈر میں پیش آئے رومانی حادثے کو اپنے ذہن سے یکسر مٹا دے۔ اسے اضطراری حالت کا ردِ عمل سمجھے۔ کبھی وہ التمش پر فردِ جرم لگانا چاہتی۔ انہیں کیا حق تھا اس کے جذبات سے کھیلنے کا؟ لیکن اس کے لئے ضروری تھا کہ پہلے وہ خود کو بے گناہ ثابت کرے۔ اگر وہ سب کچھ زہر تھا تو اس نے امرت کی طرح کیسے پی لیا؟ کیوں اس کے لبوں پر اب بھی کسی احساسِ لطیف کی لرزش تھی؟ کیوں اس کے مافی الضمیر میں اب بھی التمش

کی سانسوں کی مہک بسی تھی ؟ کیوں ان کی قربت میں اس کا رواں رواں جاگ اٹھتا تھا؟ کیوں ؟اس سے خود اپنے سوالوں کے جواب نہیں بن پڑ رہے تھے ۔حالات نے بے شک اسے کمزور سچویشن میں جھونک دیا تھا لیکن کیا التمش اتنے گر گئے تھے کہ اس کی مجبوری کا فائدہ اٹھائیں ۔۔۔ اسے اپنا کھلونا سمجھیں۔

شائد نہیں ۔اس نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر سوچا۔خندق کے وہ لمحے جو اس کے دل کے تہہ خانے میں جاگزیں ہوگئے تھے ۔انہیں وہ شائد کبھی نہیں بھول سکتی تھی ۔انکے ساتھ ہی کچھ اور لمحے بھی تو تھے جو اس سے انصاف مانگ رہے تھے ۔اسے اپنی آغوش میں جھیلنے کے بعد التمش نے یقیناً کوشش کی تھی کہ اس کے بوجھ کو انسانیت کا خوشگوار فرض سمجھ کر سہارا دیں ۔لیکن جس طرح چقماق کی رگڑ سے چنگاریاں اٹھتی ہیں اسی طرح دو دھڑکتے دل اس قدر قریب آجائیں تو نغمے کا پیدا ہونا ناگزیر تھا اور ایسا ہی ہوا ۔ وہ لمحے ان دونوں کی قدرت سے باہر تھے ۔

اس کے جوار بھاٹا خیالات سے یکسر بے نیاز جیپ یکساں رفتار سے آگے بڑھ رہی تھی ۔التمش ، بالکل خاموش تھے ۔ان کا دیا ہوا تحفہ ، دھوپ کا وہ چشمہ اس نے اپنے زانو پر رکھے ہاتھ میں پکڑا ہوا تھا۔ایک زاویئے پر التمش کے چہرے کا مکمل عکس اسمیں اتر آیا تھا اس کی نظریں انکے عکس پر جم گئیں ۔ کبھی ان کے لبوں پر وہی مسکراہٹ کھیل جاتی تھی ۔جس کا مطلب اسکی سمجھ سے بالا تھا۔اور پھر وہ اچانک سنجیدہ ہو جاتے ۔اس نے ترچھی نظروں سے ان کے

مضبوط بازوں کو دیکھا جو مشاقی سے جیپ کو بلندیوں اور پستیوں میں کنٹرول کر رہے تھے۔ ان کے کلائی پر وہاں زخم تازہ تھا جہاں اس نے وحشت اور خوف کے زیر اثر اپنے ناخن گڑ دئے تھے۔ اسے ایک جھرجھری سی آئی بہت ممکن تھا کہ ہاتھ بڑھا کہ وہ ان زخموں کو چھو لیتی لیکن اس نے بروقت خود کو ٹوک دیا۔ یہ اسکا لاشعوری عمل ہوتا لیکن موجودہ حالات میں وہ کوئی حرکت ایسی نہیں کرنا چاہتی تھی جو اس کی پوزیشن کو اور بھی خراب کر دے۔

"کیا صرف سوری کہنے سے کام چل جائے گا"؟ چشمے کے گلاس میں ان کی آنکھوں میں شائد اس کے چہرے کا اتار چڑھاؤ اس کا تذبذب کچھ بھی ان سے چھپا نہیں تھا وہ یہ بھی طے نہیں کر پائی کہ تمسخر آمیز مسکراہٹ کے ساتھ جو الفاظ انہوں نے ابھی کہے تھے وہ اس کے لئے تھے یا خود اپنے لئے۔

"سوری" اسنے ان کی کلائی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"اوہ" انہوں نے کلائی کی طرف ایسے دیکھا جیسے وہ ان کی نہیں کسی اور کی کلائی تھی۔ "سوونیر تو کسی اچھے کام کے صلے میں دئے جاتے ہیں۔ میں نے ضرور کوئی اچھا کام کیا ہوگا۔ جس کا تم نے صلہ دیا"۔ اور کاکل کا دل چاہا کہ وہیں گود میں رکھا اپنا بیگ ان پر دے مارے۔

لیکن بعض حالات میں غصہ، خجالت، شرمندگی سب کچھ بیکار ثابت ہوتے ہیں اس نے خاموش ہو جانے کو ہی بہتر سمجھا۔

"مانا کہ خاموشی سونے کے مول ہوتی ہے" کچھ دیر خاموشی سے مسافت طے ہونے پر التمش نے کہا "کیا لوگی تم اپنی خاموشی توڑنے کے دام؟

" سونے کو کان سے نکالا جائے تو کان کنی کہتے ہیں " کاکل نے انہیں نارمل موڈ میں دیکھ کر چین کا سانس لیا " بخیل سے دام نکالنے کے لئے جانکنی سے کام لینا پڑتا ہے ۔ آپ میری خاموشی کے دام نہیں دے سکیں گے "

" دام صرف پیسے ہی کی شکل میں تو نہیں چکائے جاتے " التمش نے جیپ کو کیفٹیریا کے احاطے میں موڑتے ہوئے کہا " لیکن معلوم تو ہو کہ مجھ پر بخالت کا تازہ ترین الزام کیوں لگ رہا ہے ؟ انہوں نے جیپ روک لی ۔

" زینو اور شہزاد ذہین بچے ہیں " کاکل نے کہا ۔ انہیں صرف کھیل کود اور کہانی قصوں میں الجھائے رکھنا ان کے ذہن کی ہتک ہے "

" ہوں " التمش نے کچھ سوچتے ہوئے کہا " اتفاق سے میں بھی یہی سوچتا ہوں " ۔

" میں کل شاپنگ کے لئے جانا چاہتی ہوں ۔ ان کی ضرورت کی کچھ چیزیں اور تعلیمی کھیل خریدنے ہیں ۔ پیسے کی ضرورت ہے " ۔

" اچھا تو اسی لئے مجھ پر بخالت کا الزام تھا " ۔ التمش نے ایک بناوٹی لمبی سانس لی جیسے انہیں کسی بڑے الزام سے بری کر دیا گیا ہو " صبح سے کہدیا ہوتا ۔"

" میں شہزاد اور زینو کو بھی ساتھ لے جاؤں گی " اس نے اطلاعاً کہا ۔

" یہ تو اور بھی اچھا ہو گا " ۔ انہوں نے اس سے اتفاق کرتے ہوئے کہا " بلکہ ہو سکے تو انہیں وہیں بیچ آؤ Twins ہیں ۔ اچھے دام آئیں گے " ۔ کاکل ہنس پڑی اور ساتھ ہی التمش بھی ان کے ہموار چمکدار دانت بے عیب تھے ۔ اور

ہنستے وقت آنکھوں کے کنارے جھریاں سی نمودار ہوجاتی تھیں۔

"کاکل جہاں! آج کے بعد جب بھی پیسے کی ضرورت ہو مجھ سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں۔ مسیح سے کہہ دینا کافی ہوگا۔" وہ سنجیدہ ہو کر بولے

"شکریہ! اور میرا نام کاکل جہاں نہیں صرف کاکل ہے۔" کاکل نے کھسا کر کہا۔

"چچی جان نے تو یہی کہا تھا" انہوں نے دونوں ابرو چڑھا کر اسے دیکھا اور دونوں ہنس پڑے۔ حور بانو سے متعلق ہر بات اب دعوتِ مزاح دینے لگی تھی۔

فضا میں کافی کی خوشبو گھلی تھی۔ وہ اور التمش جیپ سے اتر آئے اور کیفٹیریا کی طرف بڑھے کاکل نے گویا ایک موہوم سی "سی" کی آواز سنی اور دیکھا کہ پل بھر کیلئے التمش لنگڑا گئے لیکن انہوں نے فوراً ہی خود پر قابو پالیا۔

"آپ جیپ میں بیٹھیں" کاکل نے بے ساختہ انکا بازو تھام کر کہا "کافی میں لے آؤنگی"

"مجھے شائیلاک کے قبیلے میں پہلے ہی داخل کر چکی ہو" انہوں نے خوش مزاجی سے کہا "اگر کافی کے پیسے بھی دینے پڑے تو اخباروں میں چھپوا دوگی کہ کھدائیوں میں سے نکالا گیا آرکیالوجسٹ قلاش ہو گیا ہے" التمش کی خوش طبعی بلندیوں پر تھی۔ کاکل کو بھی اپنا کھنچاؤ کم ہوتا محسوس ہوا۔

"جانتی ہو کاکل جہاں" کافی کا آرڈر دیکر التمش نے کہا۔

"صرف کاکل" کاکل نے ہاتھ اٹھا کر روکا۔

"۔۔۔انگلستان کی بات ہے سے پہلا کافی ہاؤس سینٹ مائیکل ایلی۔کارن ہل میں کھولا گیا۔ ۱۶۵۲ء کے اس ماحول کو بعینہ لندن کے اس کافی ہاؤس میں برقرار رکھا گیا ہے۔میں جب بھی وہاں رہتا ہوں اس کافی ہاؤس میں ضرور جاتا ہوں"۔۔التمش نے برسبیل تذکرہ کہا۔

۔۔۔۔اور ساتھ میں کون ہوتا ہے؟ کاکل سوچے بغیر نہ رہ سکی شاید کوئی حسینہ جو کافی سے زیادہ ان کے ساتھ چند لمحے گذارنے کی آرزومند ہوتی ہوگی۔

"کہہ ڈالو لڑکی"۔۔التمش نے اسے کچھ سوچتا ہوا پاکر کہا "الفاظ دلی کیفیت کو چھپانے کے لئے بنے ہیں جبکہ خاموشی بہت کچھ کہہ جاتی ہے"۔

اب وہ ان سے کیا کہتی کہ اس کا ذہن کہاں بھٹکنے لگا تھا۔ان کی ٹیبل جہاں لگی تھی وہاں شیشے کی دیوار کے نیچے دور دور تک وادی میں کافی کے باغ پھیلے ہوئے تھے۔سبز پتوں کے بیچ خوش رنگ بیریاں رنگ بدلنے لگی تھیں۔

"میں سوچ رہی تھی کہ جس طرح "صفر" ہندوستان کی دین ہے اسی طرح کافی کا تحفہ دنیا کو عربوں نے دیا"۔۔۔وہ صاف جھوٹ بول گئی۔حالانکہ اس وقت جو کچھ وہ سوچ رہی تھی اس میں ہلکا سا خوف کا شائبہ بھی تھا۔ابھی ماضی قریب ہی کی تو بات تھی کہ وہ اپنے لئے کسی ٹھکانے کی تلاش میں ہراساں تھی۔اسے نوکری کی تلاش تھی اور اب وہ سب کچھ ماضی کے خلاء میں گھل چکا تھا۔کیسے وہ سب کچھ بھول کر التمش کی ذات میں دلچسپی لینے لگی تھی۔خوف اسے اس لئے ہوتا تھا کہ اس کی ذرا سی لغزش اسے لے ڈوب سکتی تھی۔

التمش مرد تھے ۔ مردانگی کا مکمل نمونہ ۔ بین الاقوامی حیثیت تھی ان کی ۔ ہزاروں دل ان پر نچھاور ہونے کے لئے بیتاب ہوتے ہونگے اور کیا پتہ انہوں نے اب تک کتنے دل اپنی انا کے قدموں تلے روند ڈالے ہونگے ۔ اسے ان کا کھلونا نہیں بننا ہے ۔ التمش کی شخصیت والے لوگ دوسروں سے اپنی پرستش کرواتے ہیں ۔ اس نے طے کر لیا کہ وہ اس مغرور دیوتا کے مندر کے حدود میں بھی داخل نہیں ہوگی ۔ اس کے لئے ضروری تھا کہ وہ خود اپنے جذبات کی لگام کو تھامے رکھتی ۔ ان کی چھوٹی چھوٹی پر اخلاق مہربانیوں کو معنی پہنانے کی کوشش نہ کرتی ۔ یہ لمحہ اس کے لئے لمحہ خود آگہی تھی جس نے اسے بہت تقویت بخشی ۔

"تو پھر چلیں کاکل بیچاں ؟" التمش اٹھتے ہوئے بولے اور ان کے گھٹنے کی چوٹ پھر بول گئی "سی" ۔۔۔۔ لیکن اس بار کاکل نے اپنا ہمدرد ہاتھ ان کے بازو پر نہیں رکھا ۔

یوکلپٹس کے سرسراتے پیڑوں کے درمیان ہری ہری دوب پر چٹ پٹ ، چٹ پٹ ، اون کی سلائیوں کی آواز سنتے ہوئے کاکل بور ہونے لگی تھی ۔ جب وہ مسیح زینو اور شہزاد شاپنگ کے لئے گئے تو ضروری سامان اور بچوں کے لئے تعلیمی کھیلوں کے ساتھ وہ اون بھی خرید لائی تھی ۔ مسیح نے دوکان دار سے پوچھا تھا کہ کیا وہ ہاتھ کے بنے سویٹر بھی دے سکتا ہے تو دوکاندار نے نفی میں جواب دیا تھا تب کاکل نے اسے سویٹر بنا کر دینے کی پیشکش کر دی تھی ۔ اب وہ مسیح ہی کا سویٹر بنا رہی تھی ۔

شہزاد اور زینو ڈھلوانوں پر سرخ سرخ بیربہوٹیاں جمع کر کے ڈبوں میں ڈالتے جا رہے تھے۔ بس یوں بارش کھلی ہی تھی کہ حشرات کی اقلیم کی یہ دلہنیں اپنی سرخ مخملی پوشاکیں پہنے زمین سے باہر نکل آئی تھیں۔ اس نے اون اور سلائیاں تھیلی میں واپس رکھیں اور ان دونوں کا انہماک دیکھنے لگی دور دور تک چائے کے باغوں کے نشیب و فراز میں اُجلی سفید مانگ کی طرح پگڈنڈی بن گئی تھی اور اسی پر اس نے دور سے مسیح کو سائیکل پر آتے دیکھ کر ہاتھ ہلا دیا۔

شاپنگ کے لئے جاتے ہوئے مسیح نے اخلاقاً اس سے پوچھا تھا کہ کھیڈا کا تجربہ اس کے لئے کیسا رہا۔ کاکل نے اپنے حادثے کے سوائے اسے ساری تفصیل بتائی اور وہ اس کے معصومانہ جوش کو ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ دیکھتا رہا۔ لیکن ایک مقام پر کاکل کی زبان کی لکنت نے اسے ٹٹولتی نظروں سے اس کی طرف دیکھنے پر مجبور کر دیا۔ اسے شک تھا کہ کاکل نے کوئی خاص بات اسے بتانی نہیں چاہی تھی وہ التمش کا بچپن کا ساتھی تھا۔ وہ ان کی خطرناک کشش سے بھی واقف تھا جو وقت پڑنے پر ان کے دشمن کو بھی بے ضرر کر دیتی تھی۔ وہ چاہتا تھا کہ کاکل کو اس خطرے سے آگاہ کرے جس میں وہ گھر سکتی تھی کیونکہ اس کا حاصل کچھ نہیں تھا۔ التمش نے یہ بات اچھی طرح واضح کر دی تھی کہ وہ شادی کو ایک بندھن، ایک خواہ مخواہ اڑچن سے زیادہ کچھ نہیں سمجھتے اور اگر لڑکیاں ان کی کشش کا شکار ہوتی تھیں تو یہ ان کی خوش فہمی تھی۔ لیکن وہ کاکل سے یہ سب کچھ نہیں کہہ سکا کیونکہ وہ خود اپنی

الجھن کا شکار ہو گیا تھا۔ وہ خود اپنی لڑائی آپ لڑ رہا تھا لیکن اسے مفر کہاں تھا! دوسرے وہ اس آزمائش میں کامیاب ہو کر سرخرو ہو سکتا تھا۔ تپا ہوا کھرا سونا بن کر ہی اس چوکھٹ پر سر جھکا سکتا تھا جو اس کا ہاتھ پکڑے دنیا کے ہر لالچ سے دور بندگی کے عروج تک پہنچا سکتی تھی۔

پگڈنڈی پر آتے ہوئے اس نے کاکل کو دور سے ہاتھ ہلاتے دیکھا اور چاہا کہ اپنا رخ بدل دے لیکن کسی انجانی قوت نے اسے کاکل کی طرف ڈھکیلنا شروع کر دیا اور وہ آگے ہی آگے بڑھتا گیا۔ اس کے قریب آتے ہی شہزاد دوڑا ہوا گیا اور مسیح کے آگے بیٹھنے پر مچل گیا۔ مسیح نے ایک ہاتھ بڑھا کر شہزاد کو لٹکایا اور وہ آگے سائیکل کے ڈنڈے پر بیٹھ گیا۔ دھلی ہوئی فضا میں چشمے کے پیچھے اس کی آنکھیں اور بھی نیلی ہو گئی تھیں۔ ہلکے ہرئیے بال ہوا سے منتشر تھے۔ وہ شائد گودام سے واپس ہو رہا تھا۔

"میں بھی بیٹھونگا" زینو بھی اس کے پاس جا پہنچا۔

"زینو رک جاؤ۔ تم اپنی باری بعد میں لے لینا"۔ کاکل نے اسے سمجھایا کیونکہ سائیکل میں کیریئر نہیں تھا اور دو تندرست و توانا بچوں کو ایک ساتھ سامنے بٹھانا مشکل تھا لیکن زینو ٹھنکنے لگا۔ سائیکل سواری تو اس کا پسندیدہ مشغلہ تھا جو اسے کبھی کبھی نصیب ہوتا تھا۔

"کوئی اور سائیکل ہوتی تو میں چلاتی اور اسے بٹھا لیتی"۔ کاکل نے ادھر ادھر دیکھ کر کہا۔

"تم سائیکل چلا لیتی ہو؟ مسیح نے مسکرا کر پوچھا۔

"بس سائیکل ہی تو چلانا جانتی ہوں۔" کاکل بولی "کالج اسی پر جایا آیا کرتی تھی" اسے اپنی سائیکل یاد آئی جسے بیچنا پڑا تھا۔

"پھر تو کوئی مشکل نہیں ہے" مسیح نے پاس ہی میدان میں پیڑ کے نیچے رکھی دو سائیکلوں کی طرف اشارہ کیا۔ باغ میں کام کرنے والے مزدور جو آس پاس رہتے تھے۔ اپنی سائیکلوں پر آتے اور انہیں پیڑوں کے نیچے چھوڑ کر باغ میں مصروف ہو جاتے۔

"زینو اپنا مسئلہ حل ہوتے دیکھ کر اچھلنے لگا۔

"لیکن!" کاکل کچھ جھجکی۔۔۔ "ان کے مالک اگر اپنی سائیکل لینے آئیں تب؟"

"بس ابھی کچھ دیر میں واپس آنا ہے"۔ مسیح کو تو شہزاد اور زینو کی ضد پوری کرنی تھی۔ فراٹے بھرتی سائیکلوں نے کوٹھی کا گیٹ چھوڑا اور باہر نکل آئیں۔ "میں نے تو زندگی میں اتنے رنگ برنگے پھول کہیں نہیں دیکھے" کاکل نے راستے کے دونوں جانب خودرو پھولوں کے تختوں کو دیکھتے ہوئے کہا "تمہیں کونسے پھول پسند ہیں مسیح؟"

للی" گویا مسیح کا جواب پہلے ہی سے تیار تھا۔

"پھر تو ضرور کسی "للی" نام کی لڑکی سے شادی کرنا" کاکل نے ترنگ میں بچکانہ جملہ کہا اور خود ہی ہنس پڑی۔ آج عرصے بعد سائیکل پر بیٹھ کر اسے اپنا لڑکپن یاد آرہا تھا۔

"شادی عشق و محبت کا مادی تصور ہے"۔ اب کی بار مسیح نے مڑ کر

اسے دیکھا۔ گویا کاکل سے اسے اتنے کھوکھلے انداز بیان کی امید نہیں تھی۔

سائیکلوں نے پرائیویٹ سڑک سے گذر کر ہائی وے کا راستہ لے لیا تھا۔ سائکلیں جتنی زیادہ اچھلتیں شہزاد اور زینو اتنے ہی خوش ہو کر کلکاریاں بھرتے۔

وہ کوٹھی سے کافی آگے نکل آئے تھے اور مسیح کو فکر دامنگیر ہونے لگی تھی۔

"کاکل اب واپس چلیں" اس نے نشیب اور فراز پر سائیکل چلانے کی مشقت سے کاکل کے سرخ ہوئے چہرے کی طرف دیکھ کر کہا۔

زینو اور شہزاد چلائے "نئیں نئیں اور آگے" لیکن انہوں نے اپنی سائیکلیں روک لیں۔ اس سے پہلے کہ وہ واپس لوٹتے سامنے سے آتی ہوئی سیاہ چمکیلی کار نے انکا راستہ روک لیا۔ مسیح تو اس سیاہ کار کو جانتا ہی تھا لیکن کاکل بھی ان سیاہ گہری آنکھوں کو خوب پہچان گئی تھی جو شدید غصے کے عالم میں انہیں دیکھ رہی تھیں۔ ابرو پر آئی شکن اتنی گہری تھی کہ کوئی روڈ رولر ہی اسے ہموار کر سکتی تھی۔

"تامش" زینو چلایا۔

"میں نہیں چاہتا کہ نور کے بچے ان کھائیوں کی نذر ہوں"۔ التمش کی دبی ہوئی آواز میں اژدہے کی پھنکار تھی۔ "Masih, I thought you had some sense"۔ انہوں نے کاکل کو مکمل طور پر نظرانداز کرتے ہوئے اپنی مضبوط انگلیوں والا ہاتھ پیچھے بڑھا کر دروازہ کھولا

"شہزاد، زینو، بیٹھ جاؤ"

"ٹرسٹ کی فائل میری تلاش پر بھی نہیں ملی" انہوں نے سخت لہجے میں مسیح سے کہا "پہنچا دو۔۔۔ اگر فرصت ملے" وہ شہزاد اور زینو کے بیٹھنے کے بعد دروازہ بند کر کے لاک لگاتے ہوئے بولے اور ایکسلیٹر کو کار کے سینے میں گھونپ دیا اور آگے بڑھ گئے۔

کاکل کو لگا جیسے وہ دروازہ نہیں ایک تھپڑ تھا جو اس کے منہ پر لگا تھا۔ وہ نروس ہاتھوں سے سائیکل کا ہینڈل ملتی رہ گئی۔

کیا یہ وہی التمش تھے جنہوں نے خندق میں اسے زندگی کا پہلا درس دیا تھا؟ جنہوں نے اوٹی واپس ہوتے ہوئے اپنے برتاؤ سے اسے تیقن دیا تھا کہ وہ ان کی ملازم نہیں بلکہ ہم سفر اور دوست تھی؟۔ اچھا ہوا جو اس نے ان کے اور خود کے بیچ میں ایک دیوار خود ہی کھڑی کر لی تھی۔ اس نے سوچا۔

مسیح کا گورا رنگ ندامت اور سراسیمگی سے کانوں تک سرخ ہو گیا تھا غلطی ضرور ہوئی تھی۔ وہ خالی الذہنی سے سڑک پر وہاں تک نکل آئے تھے۔ جہاں سے کچھ خطرناک ہیرپن موڑ شروع ہوتے تھے۔ اور دونوں طرف کھائیاں کافی گہری تھیں۔

التمش اپنے پلان کے تحت جائیداد میں شاہ نور کے حصے کو شہزاد اور زینو کے لئے ٹرسٹ میں تبدیلی کر رہے تھے۔ خاندانی وکیل ہمنت راؤ اسی فائل کے لئے آئے تھے۔ اور وہ فائیل دوسری فائلوں کی طرح مسیح کی تحویل میں تھی۔ دراصل مسیح گھر پہنچ کر اصلی فائیل کو التمش تک پہنچانے جا رہا تھا

کہ کاکل نے اسکا راستہ کھوٹا کر دیا۔ کافی انتظار کے بعد بھی جب مسیح نے فائیل نہیں پہنچائی تب ڈورا سے انہیں پتہ چلا کہ اسنے مسیح، کاکل اور بچوں کو سائکلوں پر جاتے دیکھا تھا۔ التمش کا ماتھا ٹھنکا۔ انہوں نے کار لی اور دل میں خدشے لئے روانہ ہوگئے۔ ان کا خدشہ شدید غصے میں اس وقت تبدیل ہوگیا جب انہوں نے کاکل اور مسیح کو ساتھ ساتھ آتے دیکھا۔ جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ ہونہہ!

ایک دن پہلے بھی یہی کچھ ہوا تھا۔ وہ لائبریری کے دریچے میں کھڑے تھے۔ دور سے گیٹ میں داخل ہوتی کار مسیح ڈرائیو کر رہا تھا۔ کاکل کی بے ساختہ ہنسی بتا رہی تھی کہ وہ مسیح سے کافی بے تکلف تھی۔ کاکل کے گلے میں زینو کی باہیں، شہزاد کا ہاتھ مسیح کے کندھے پر۔ بڑا مانوس خاندانی یکجہتی کا ماحول ہے۔ انہوں نے طنزیہ مسکرا کر سوچا۔ اور پھر یکسر اسے اپنے دماغ سے خارج کر دیا۔ پھر بھی یہ معلوم کرنا نہیں بھولے کہ ڈرائیور چھٹی پر نہیں تھا۔

"آئی ایم سوری کاکل" مسیح نے اپنی پیشانی پونچھتے ہوئے کہا۔

"غلطی میری بھی تو تھی" کاکل نے چنگاریاں اگلتی ان آنکھوں کو اپنے تصور سے مٹانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"مجھے معلوم ہونا چاہیئے تھا کہ بچوں کو سائکل پر نیند بھی آسکتی تھی، سائیکل کے بریک فیل بھی ہوسکتے تھے،۔ مسیح کا راست گو ضمیر واقعی اسے ملامت کر رہا تھا۔ اتنا غیر ذمہ دار وہ کیسے ہوگیا۔ وہ کونسی قوت تھی جو اسے صراطِ مستقیم سے ہٹا کر زندگی کے پیچدار زاویوں میں بھٹکانے لگی تھی۔

کاکل نے شکر ادا کیا کہ رات کے کھانے پر التمش مدعو تھے ۔ بچوں کے ساتھ اسنے کھانا کھایا ۔ کافی عرصہ بعد سائیکلنگ کرنے کی وجہ سے اسکی رگ پٹھے اکڑ کر تانت ہو رہے تھے ۔ سونے سے پہلے اسنے خوب گرم پانی سے انکی تواضع کی اور لپنے آرامدہ بستر پر دراز ہو گئی ۔ یہ سچ تھا کہ غلطی اسکی بھی تھی ۔ کوئی سچائی کھل کر سامنے نہیں آتی کیونکہ ہم اپنے مطلب کی سچائی ہی ڈھونڈتے ہیں ۔ جیسے خود اپنی پسند کے کپڑے پہنتے ہیں ۔ ویسے بھی انسان بہت زیادہ سچائی برداشت نہیں کر پاتا ۔ اگر خود اپنی نظریں ملزم ہوں بھی تو اگلے ہی لمحے دماغ بھی خود سنبھال لیتا ہے ۔ اسے التمش کا اتنا غصہ بھی بیجا لگا ۔ بچوں کا بال بھی بانکا نہیں ہوا تھا ۔ دوسرے ، انہوں نے ایک پل کے لئے بھی یہ نہیں سوچا کہ خدانخواستہ سائکلیں کھڈ میں گرتیں تو مسیح اور کاکل خود بھی تو اللہ کو پیارے ہو گئے ہوتے ۔

یا انکی خفگی کسی اور وجہ سے تھی لیکن غور کرنے پر بھی وہ کسی نتیجے پر نہیں پہنچ پائی ۔

صبح بالکونی سے اس نے التمش اور مسیح کو گھوڑوں پر باغوں کی طرف جاتے دیکھا ۔ موقعہ غنیمت تھا وہ بلا تکلف لائبریری سے کتابیں لا سکتی تھی ۔ وہ فی الحال التمش کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی ۔ پتہ نہ کس موڈ میں ہوں ۔ وہ انکے آنکھوں کی خشمگینی نہیں بھولی تھی ۔ اسنے غسل کیا ۔ کپڑے بدلے اور چوٹی گوندھ کر لائبریری پہنچی ۔ آج اس نے سوچا کہ خود کیلئے نہیں ۔ بلکہ بچوں کیلئے کوئی کتاب چھانٹ لائے گی ۔ وہ جب بھی لائبریری میں آتی تو وہاں کا مخملی

سکون جیسے اسے باندھ لیتا تھا۔ آج پہلی چیز جس نے اسکی توجہ مبذول کر لی ایک تصویر تھی جو التمش کے ٹیبل پر کاغذوں اور نقشوں کے ساتھ رکھی جاتی تھی۔ وہ اس تصویر کو بہت اچھی طرح جانتی تھی ایک غضبناک شیر ایک انگریز فوجی کو جھنجھوڑ رہا تھا۔ اس نے یہ تصویر بار بار دیکھی تھی۔ وہ تصویر دراصل لکڑی کے ایک مجسمے کی تھی جو لندن وکٹوریہ البرٹ میوزیم کے ہندوستانی حصے میں رکھا گیا تھا۔ دو سو سال پرانا یہ مجسمہ آرٹ اور فن کی نازک قدروں کو اجاگر کرنے کی بجائے ایک بھونڈے سے انداز میں ہندوستان کی عظیم ہستی شیر میسور شہید ٹیپو سلطان کیلئے حقارت اور اسکے غیض و غضب کی نمو کو کس حد تک اجاگر کرتا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ شیر ٹیپو کا پسندیدہ جانور تھا اور خود اسمیں شیر کی صفات موجود تھیں۔ جنگجو، جیالا، جری، شیر دل ٹیپو کا قول تھا کہ شیر کی ایک دن کی زندگی گیدڑ کی سو سالہ زندگی سے بہتر ہے۔

شیر کا شکار ٹیپو کا پسندیدہ مشغلہ تھا۔ اسکی ریاست کا سرکاری نشان شیر تھا۔ سلطان کی فوج کی وردیوں میں شیر کی دھاریاں تھیں۔

انگریزوں کے خلاف ایک جنگ میں انگریز کمانڈر سر ہیکڑ منرو نے حیدر علی اور ٹیپو کو شکست دی تھی یہ بھی عجیب اتفاق تھا کہ اسی منرو کے اکلوتے بیٹے کو سندر بن میں ایک شیر اٹھا لے گیا تھا۔ اور اسکے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے اور منرو کے خیر خواہ تماشہ دیکھتے رہ گئے۔

تاریخ کا کل کا پسندیدہ سبجیکٹ تھا۔ اسے اس بات سے بھی اتفاق تھا

کہ ہر دور میں تاریخ کو مسخ کیا جاتا ہے۔ اسکی ایک زندہ مثال وکٹوریہ البرٹ میوزیم میں رکھا ہوا شیر تھا۔ جسے آج بھی کینہ پرور انگریز ٹیپو کی شخصیت سے تعبیر کرتے ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اگر اپنے ہی ہموطنوں نے اپنے ضمیر بیچ کر ٹیپو سے غداری نہ کی ہوتی تو ہندوستان کی تاریخ کچھ اور رہوتی۔

کاکل کو اچانک یاد آیا کہ وہ کس مقصد سے لائبریری آئی تھی۔ پھر بھی اس سے رہا نہ گیا۔ اسنے اس تصویر کے حاشئے پر پنسل سے اقبال کا وہ مشہور شعر لکھا۔

جعفراز　　　بنگال　　　صادق　　　ازدکن
ننگ　　آدم　　ننگ　　دیں　　ننگ　　وطن

"میں اپنے کام میں مداخلت پسند نہیں کرتا"۔ آواز آئی اور وہ گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔ وہ واقعی التمش کے کاغذات الٹ پلٹ کرتی رہی تھی۔ انہوں نے تصویر پر اسے شعر لکھتے دیکھ لیا تھا۔ اپنی وہاں موجودگی کو جان بوجھ کر کافی دیر تک ظاہر نہیں ہونے دیا۔ ہوسکتا ہے اسکی وجہ یہ ہو کہ وہ کاکل اور اسکی کارروائی کا مقصد جاننا چاہتے ہوں یا کاکل کا انہماک اور اسکی دلآویزی نے انہیں خاموش تماشائی بنا دیا تھا۔ اسکی ایک شانے پر آگے پڑی چوٹی، اسکے رخساروں پر سے کھیلتی بالوں کی لٹ، وہ اب اسکے انداز کے عادی ہوتے جا رہے تھے۔ وہ محویت سے اسے دیکھتے رہے۔ کتنا مختلف تھا اس مشرقی لڑکی کا حسن جیسے گلاب کی پتیوں کو آبِ زمزم میں گوندھا گیا ہو۔ انہوں نے فوراً اپنے سبک ہوتے ہوئے خیالات کو لگام لگائی۔ اور نپے تلے قدموں سے چلتے میز

تک پہنچے اور سوالیہ نظروں سے اسے گھورنے لگے ۔ کاکل کا اندازہ صحیح تھا۔
انکے ماتھے کی سلوٹ ابھی ختم نہیں ہوئی تھی۔

"کیا لکھ رہی تھیں آپ؟" ان کے لہجے میں تہدید تھی۔

"میں ۔۔۔۔۔ میں اسے مٹا دیتی ہوں" کاکل نے اپنی سراسیمگی چھپانی چاہی۔

"آپ سمجھتی ہیں ہر تحریر مٹائی جا سکتی ہے؟" وہ تم سے زیادہ رسمی آپ پر آ گئے تھے التمش گھوم کر گئے اور کرسی پر بیٹھتے ہوئے شعر پڑھا جو کاکل نے ابھی ابھی لکھا تھا۔

"پنسل ہی سے تو لکھا ہے، مٹ جائیگا اتنی دیر میں دو تین گہری سانسیں لے کر اسنے خود میں ہمت جگائی تھی۔ اسکی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ التمش ذرا سی بات کا بتنگڑ کیوں بنا رہے تھے۔

"تقدیریں پنسل سے نہیں لکھی جاتیں" کاکل نے سمجھا جیسے وہ اب کوئی ایسی بات کہنا چاہتے تھے جو وہ سننا نہیں چاہتی تھی۔

"بیٹھ جائیے" ۔ انہوں نے مقابل رکھی کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

"ہندوستان کی تقدیر میں جو غلامی لکھی تھی وہ کوئی نہ مٹا سکا" ۔ کاکل نے اطمینان سے سانس لیا۔

"میں جاؤں؟" اسنے کہا اور جانے لگی۔

"میں نے کہا نا بیٹھ جاو کاکل ۔ پلیز" کاکل نے نظریں اٹھا کر التمش کی طرف دیکھا۔ انکی آنکھیں سنجیدہ تھیں لیکن ہونٹ مسکراہٹ کو دبانے کی

کوشش میں سکڑ گئے تھے۔ وہ بادل ناخواستہ مقابل رکھی کرسی پر ٹک گئی۔ یہی کیا کم تھا وہ آپ سے تم پر آ گئے تھے۔ یہ نیک فال تھی۔

"تاریخ میں دلچسپی ہے تمہیں؟"

"ایم اے میں میرا سبجکٹ تاریخ تھا" اس نے گود میں رکھے اپنے ہاتھوں سے کہا۔

"کس سال کیا تم نے ایم اے؟" انہوں نے پیپر ویٹ سے کھیلتے ہوئے کہا۔

"مکمل نہیں کر پائی"

"کیوں؟"

"چھوڑنا پڑا۔ حالات ہی کچھ ایسے تھے"۔ اسنے سامنے رکھی کتاب پر نظریں جمائے تاسف سے کہا۔

"اچھا! ۔۔۔ میں نے سمجھا تھا خوبصورت لڑکیاں حالات کی تابع نہیں ہوتیں" وہ مسکرا رہے تھے۔ وہی پاگل کر دینے والی مسکراہٹ جو کاکل کو تشدد پر آمادہ کر دیتی تھی۔

"جب لڑکیوں سے زیادہ مضبوط اور طاقتور مرد حالات کے تابع ہو جاتے ہیں تو لڑکیاں کیوں نہیں ہو سکتیں؟" کاکل کو مسیح نے بتایا تھا کہ التمش کو مجبوراً ہندوستان سے واپس چلے جانے والا ارادہ بدلنا پڑا تھا۔

اگر انہوں نے کاکل کے تیز دھار کی طرح کے جواب کو سنا بھی تو ان سنی کر گئے۔

" تم نے میرے کاغذات کا معائنہ تو کر ہی لیا ہے " انہوں نے اسکے تجسس پر الزام رکھا۔ " اس ریسرچ میں اگر پسند کرو تو میری مدد کر سکتی ہوں " یہ جملہ انہوں نے ایسے کہا جیسے وہ طے شدہ امر تھا۔ کاکل نے عجلت میں سوچا کہ انکار کر دے۔ لیکن التمش کے اس آفر میں اسے خود اپنی دلچسپی کا سامان نظر آیا۔

اس نے سمجھا بات ختم ہوئی اور اٹھ کر جانے لگی۔

" تم یہاں شاید کسی کتاب کی تلاش میں آئی تھیں "۔ التمش نے اسے جاتے دیکھ کر کہا۔ " یا صرف تجسس تھا جو تمھیں یہاں کھینچ لایا تھا؟ " کاکل نے چونک کر انکی طرف دیکھا۔ یہ بات انہوں نے بالکلیہ کاکل کو خجل کرنے کے لئے کہی تھی کیونکہ انکے لبوں پر دبی مسکراہٹ تھی۔ بات ویسے سچ تھی کیونکہ وہ بھول ہی گئی تھی کہ وہ وہاں کس مقصد سے آئی تھی۔

" مجھے HANS CHRISTIAN ANDERSON کی ضرورت تھی۔

" لڑکیاں بھی عجیب عجیب فرمائش کرتی ہیں " التمش اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولے " مجھے افسوس ہے کہ میں اس ولندیزی ادیب کو تمھارے حضور میں حاضر نہیں کر سکتا کیونکہ وہ ۱۸۷۵ میں مر چکا ہے "۔

" میں ــــــ میرا مطلب بچوں کیلئے لکھی کتاب ــــــ "

" ــــــ یہ رہی " التمش نے الماری سے خوبصورت جلد والی کتاب نکالتے ہوئے کہا

کاکل منتظر رہی کہ التمش اسے کتاب تھما دیں گے لیکن وہ کتاب ہاتھ میں لیکر کچھ کھو سے گئے۔ ورق الٹتے ہوئے ایک صفحے پر انکی نظریں جم گئیں۔ وہاں سیاہی کا ایک دھبہ لگا تھا۔

"نور اور میں جب چھوٹے تھے"۔ انہوں نے گویا خود سے کہا ـــــــ "یہ کتاب نئی آئی تھی۔ ہم دونوں میں اس کتاب پر چھینا جھپٹی ہو گئی تھی۔ غصے میں میں نے اس پر سیاہی جھٹک دی۔

ضرور کیا ہوگا تم نے خبیث کاکل نے دل میں سوچا۔

"نور نے ممی سے میری شکایت کر دی" التمش آگے بڑھے ۔۔ مجھے سزا ملی کہ میں دس دن تک اس کتاب کو نہیں پڑھونگا۔ اسکا صاف مطلب تھا کہ نور مجھ سے پہلے کتاب پڑھ لیتی۔ لیکن نور نے بھی دس دن تک اس کتاب کو ہاتھ نہیں لگایا۔ کیونکہ اسے میری کمزوری معلوم تھی کہ جو بھی کتاب ہمارے لئے آتی اسے میں ہی پہلے پڑھنا چاہتا"۔ نور کی باتیں کرتے التمش کی آنکھوں میں نرمی اتر آئی تھی جس سے کاکل نے انہیں عاری سمجھا تھا۔ وہ ایک معمہ تھے جنہیں سمجھنا مشکل تھا۔ ان کی باوقار شخصیت، مضبوط گردن، چوڑے شانے جہاں مجملہ طور پر انہیں سفاکی بخشتے تھے وہیں انکی آنکھوں کی گہرائی اور ان پر ٹنگی پلکوں کی جھالر بتاتی تھی کہ ان کے اشارے پر کئی دل داؤں پر لگنے کیلئے تیار رہتے ہونگے۔ اس نے محض لفظ "شکریہ" کہا اس نے کتاب لی اور جانے کے لئے پلٹی۔

"ٹھہرو"۔ التمش کی آواز رک گئی۔ اس نے دیکھا وہ میز کی دراز

کھولکر کچھ نکال رہے تھے ۔" یہ لیتی جاو"

" یہ ۔۔۔۔ کیا ہے ؟" کاکل نے براون رنگ کے لفافے کو الٹ پلٹ کر دیکھا۔

" یہ وہ چیز ہے جس کے لئے لوگ بڑے بڑے جوئے کھیلتے ہیں" ۔ کیا انکے لہجے میں تلخی تھی ؟ کاکل طے نہ کر پائی ۔اس نے لفافہ کھولا ۔اس میں بینک کی چیک بک اور پاس بک تھے ۔اسکی سمجھ میں نہیں آیا کہ التمش کو کیا کہے۔

" میں نے تمھارا ذاتی اکاونٹ کھلوایا ہے ۔ تم جیسے چاہو اپنا پیسہ خرچ کر سکتی ہو" ۔

" میں ۔۔۔۔ میں اتنا پیسہ لے کر کیا کرونگی ؟" کاکل نے پاس بک میں کافی بڑی رقم جمع دیکھ کر کہا۔

" پیسہ آپ اپنا استعمال سکھا دیتا ہے ۔فی الحال اپنے لئے کچھ اچھے لباس بنوالیں"

التمش نے کہا اور بظاہر کام میں مشغول ہوگئے ۔وہ شائد کاکل کے چہرے کاوہ تاثر بھولے نہیں تھے ۔جب گیسٹ ہاوس میں اپنے لباس کو جگہ سے پھٹا دیکھکر اسکے چہرے پر آیا تھا۔اسکے پاس کل دو ہی تو اچھے ڈریس تھے ۔

کاکل غیر محسوس طور پر کوٹھی کی روزمرہ زندگی کا ایک حصہ بنتی جا رہی تھی ۔حالانکہ اس نے طے کر لیا تھا کہ صرف اپنے کام سے کام رکھے گی ۔ لیکن کونسا کام اسکا تھا اور کونسا پرایا یہ طے کرنا مشکل تھا۔ڈورا کا برتاو جو

مخاصمت سے شروع ہوا تھا دوستانہ اور اب کافی حد تک عاجزانہ ہوگیا تھا۔ اسکے جوڑوں کی مسلسل تکلیف، کاکل کا ہمدردانہ برتاو اور ان سب سے زیادہ خود اسکی چھٹی حس، جس نے بتایا تھا کہ اسکا بیٹا مسیح اپنی تمام تر احتیاط کے باوجود اس خوبصورت لڑکی کی کشش سے بے بہرہ نہیں تھا۔ اسے اور بھی یقین اسوقت ہوا جب اپنی مصروفیت کے باوجود کاکل مسیح کیلئے پل اوور بنانے لگی۔

"کس کا سویٹر بناتا ہے بیبی؟" ڈورا نے اسی کی بنائی ٹوکری ہیں جو اس نے کاکل کو تحفتاً دی تھی، مسیح کا نامکمل سوئٹر رکھا دیکھ کر پوچھا۔

"مسیح کا ہے ڈورا" کاکل نے شہزاد کے کوٹ کو برش کرتے ہوئے جواب دیا۔

"بھوت اچھا ہے۔ کب پورا ہو جائیگا؟ ڈورا کی آنکھوں کی چمک کئی گنا بڑھ گئی۔

"تمھارے لئے بھی بنا دونگی" کاکل نے شہزاد کی کمر پر دھپ لگا کر ہٹایا اور زینو کے بالوں میں کنگھی کرنے لگی۔

"ہم کیا کرے گا؟" ڈورا نے پیار سے تھپک کر سوئیٹر ٹوکری میں رکھا۔ "ہم ٹوڈا لوگ تو بس یہ پہنتا ہے" اسنے اپنے سات گز کی چادر کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "یا ٹھنڈی لگے تو شال"

"لیکن تم تو کرسچن ہو"۔

"مگر کسٹم تو وہی ہوا نا" کاکل کو ایسے لگا جیسے اس وقت بھی

ڈورا کو اپنے ٹوڈا ہونے پر فخر تھا۔

"بی بی آج ہم کو بستی جانا ہے" اسنے کچھ جھجک کر کہا۔" رات کو اُدر ہی رہینگا"

" کاکل کو اسکی شرمساری سمجھ میں نہ آئی ۔ اسنے ڈورا کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔" ضرور جاو ڈورا" ۔اب تک ڈورا سے بتائے بنا ہی چلی جایا کرتی تھی۔

" اور تم کو بھوت کام ہو گیا" ڈورا نے کہا۔ جیسے یہ کوئی نئی بات تھی ویسے ہی وہ زیادہ تر اپنی کھٹیا میں پریشان دھوپ سینکتی پڑی رہتی یا پہاڑوں میں جاکر اپنے علاج کے لئے جڑی بوٹیاں لے آتی ۔ التمش کے لاکھ سمجھانے پر بھی وہ ڈاکٹری علاج کی قائل نہیں ہوئی ۔ جڑی بوٹیوں سے اسکا روگ عارضی طور پر کم تو ہوجاتا تھا۔ لیکن پھر وہی تکلیف ادھر کچھ دنوں سے اسکے ٹوڈا بستی کے دورے بھی بڑھ گئے تھے۔

" آج کھانساماں بھی گیا ہے" ۔ ڈورا نے جاتے جاتے شوشہ چھوڑا۔

" اسکا دوسرا بی بی کے گھر میں نیاز ہے" کاکل نے ٹھنڈی سانس بھر کر دروازے کی طرف دیکھا جس سے ڈورا ابھی باہر گئی تھی ۔ اسکا مطلب تھا آج کھانا بھی اسے ہی بنانا تھا۔ کوئی ایسی بڑی بات بھی نہیں تھی ۔ التمش کے ٹیبل پر اسنے ڈپارٹمنٹ آف ٹورزم کا دعوت نامہ دیکھا تھا۔ صرف وہ اور بچے ہونگے ۔ ارھر کی پتلی کھچڑی سے کام چل جائے گا جو شہزاد اور زینو بھی شوق سے کھاتے تھے۔

مقررہ وقت پر وہ لائبریری پہنچی التمش گویا اسکے منتظر ہی تھے۔ انہوں نے کتابوں کی ایک فہرست اسے پکڑا دی۔ ان میں کافی کتابیں خود انکی لائبریری میں موجود تھیں چند ایک کیلئے بیرونی ممالک کو خط لکھنے تھے۔ اس جگہ کاکل کی ٹائپنگ کی ادھوری ٹریننگ کام آئی۔ سبجکٹ بھی چونکہ اسکا پسندیدہ تھا۔ وہ بہت جلد التمش کے کام کرنے کے ڈھنگ کو سمجھ گئی۔

"یورپ سے جو قومیں ہندوستان آئیں ان میں پرتگالی اور فرانسیسی اتنے کامیاب نہیں ہوئے جتنے انگریز" التمش نے بحث طلب نظروں سے کاکل کو دیکھا۔

"انگریزوں نے ہماری ہی کمزوری سے فائدہ اٹھایا۔ راجاؤں اور نوابوں کو اکسا کر مال وزر کے بدلے میں انہیں اپنی فوجیں دیں۔ کاکل نے کہا۔ "جب کہ فرانسیسی انگریزوں ہی سے شمالی افریقہ میں الجھے ہوئے تھے۔"

"غداروں کے بارے میں کیا خیال ہے؟" التمش نے ہاتھ سے قلم رکھ کر کرسی سے ٹیک لگالی۔ "ذرا سنبھل کر جواب دیجئے گا کیونکہ اس میں آپ کے آباواجداد بھی شامل ہیں"۔ کاکل انکی چھیڑ پر مسکرا دی۔

"آپ کا مطلب نظام علی خان آصفجاہ دوم سے ہے؟ بھلا وہ میرے آباواجداد کیوں ہونے لگے؟۔ ویسے ٹیپو سلطان سے وعدہ خلافی اور بے وفائی کی سازش میں مرہٹے بھی تو پیش پیش تھے۔ اور جناب آصف جاہ دوم کے والد کا تعلق شمالی ہند سے تھا۔ انہیں دکن کا صوبیدار بنا کر بھیجا گیا تھا۔ ہاں یہ کہہ سکتے ہیں کہ انہوں نے مغلیہ حکومت سے غداری کی اور خود مختاری کا

اعلان کر کے دکن میں آصف جاہی سلطنت کے بانی بن بیٹھے"۔
التمش اسے دیکھتے ہی رہے، وہ آزمانا چاہتے تھے کہ کاکل کتنے پانی میں ہے۔
انہوں نے محض اسے اکسانے کیلئے یہ بات کہی تھی۔

"اقبال کا" جاوید نامہ پڑھا ہے تم نے؟" انہوں نے پوچھا۔" جہاں
انہوں نے میر جعفر اور میر صادق ــــــــ"

" جہاں ایک خونین سمندر میں ایک کشتی جا رہی ہے جس میں یہ
دونوں غدار سوار ہیں" کاکل نے خوش ہو کر سر ہلایا۔" وہ فریاد کرتے ہیں
لیکن انہیں نہ عدم قبول کرتا ہے نہ وجود حتیٰ کہ دوزخ بھی انکے لئے ایک
شعلہ تک برباد کرنا نہیں چاہتی"۔

" تبھی تم نے یہ شعر اس تصویر پر لکھ دیا تھا۔" التمش نے اسکے جوش کو
دیکھتے ہوئے وہ تصویر آگے بڑھا دی جس پر کاکل نے "قلزم خونیں" کا وہ شعر
لکھ دیا تھا۔

جعفر از بنگال و صادق از

ـــ "لائیے ابھی مٹا دیتی ہوں" اسنے ہاتھ بڑھایا۔

" جن ضمیر فروشوں پر دوزخ تک اپنا شعلہ ضائع کرنا نہیں چاہتی تم
ان کے نام مٹانے کی زحمت کیوں کرو؟" انہوں نے تصویر ایک طرف ڈال
دی۔" ویسے تم صاف بچا گئیں اپنا دامن غداری کے دھبے سے"؟ التمش
بولے اور ان کتابوں کی طرف متوجہ ہوئے جو کاکل نے اکٹھے کی تھیں۔

" ان میں سے کچھ کتابیں میں نے دیکھی ہیں۔" کاکل نے الماریوں

سے نکالی کتابوں کو الٹ پلٹ کر کہا۔ لیکن یہ زیادہ تر بیرونی مورخوں کی لکھی ہوئی ہیں اور انہوں نے ٹیپو سلطان کے ساتھ انصاف نہیں کیا؟۔

ٹیپو سلطان کی موت کے بعد بھی برسوں تک انگریز ٹیپو سے خائف رہتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی تاریخ میں ٹیپو کے بارے میں بہت سی ایسی ویسی باتیں لکھی گئی تھیں۔ تاریخ داں اور آرکیالوجسٹ ہونے کے ناطے التمش کی نظر سے سلطان کے بارے میں اس طرح کے مونوگراف اور مضامین گذرے تھے جن میں سلطان کے کردار کو مسخ کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ وہ کاکل سے متفق تھے۔ جہاں ایک طرف وہ فرانس سے متعلق پیرس کے سیمینار میں لئے گئے فیصلوں پر فرانسیسی ٹیم کی مدد کر رہے تھے تو دوسری طرف وہ ٹیپو سلطان کی زندگی اور اسکے کردار کی چھان بین کر رہے تھے۔ لیکن تاریخ کی کتابوں میں مورخین کے اتنے متضاد بیان ہوتے ہیں کہ کس کے بیان کو صحیح اور کس کو غلط سمجھا جائے طے کرنا مشکل ہوتا ہے اور یہیں آرکیالوجیکل دستاویزات کام آتی ہیں جو کسی حد تک مشعل راہ ہوتی ہیں

"پھر بھی کوئی دستاویز اتنی گہرائی میں نہیں جاتی کہ فتح و شکست کے وقت انسانی جذبات کی ترجمانی کر سکے" التمش بغور کاکل کو سنتے رہے۔ "کیا کوئی بتا سکتا ہے کہ واجد علی شاہ کے دل و دماغ کی کیا حالت ہوگی جب انگریزی فوجوں کا قبضہ لکھنؤ پر ہو گیا؟ کنیزیں ہاتھ جوڑ جوڑ کر جان عالم سے التجا کر رہیں تھیں کہ "نکس چلو جنیا ہمار کہا مانو"۔ وہ بار بار اپنی گستاخ لٹ کو کان کے پیچھے کئے جا رہی تھی اور التمش اسکے خاموش تماشائی تھے۔ "کیونکہ

ایک بادشاہ جب اپنی سلطنت ہارتا ہو تو وہ محض ایک زمین کا ٹکڑا نہیں ہارتا بلکہ اپنی رعایا کا غرور، خودداری، جذبات اور احساسات بھی ہارتا ہے جسکا وہ امام ہوتا ہے۔ محافظ ہوتا ہے"۔

التمش نے پانی کا گلاس خاموشی سے کاکل کی طرف کھسکا دیا۔ دل میں وہ مطمئن تھے کہ کاکل کو اپنے کام میں شامل کر کے انہوں نے غلطی نہیں کی تھی۔

"معاف کیجئے۔ میں بہہ گئی تھی"۔ اسے اچانک احساس ہوا کہ اسنے اچھی خاصی تقریر کر ڈالی۔

"بہتے دریا ہی بنجر زمینوں کو سیراب کرتے ہیں"۔ التمش بولے۔

"لیکن ـــــ آپ کو دیر ہو گئی ہے" اس نے گھڑی دیکھ کر کہا "ڈنر میں نہیں جائیے گا؟

"نہیں ارادہ نہیں ہے" وہ بولے

یعنی اسکا مطلب تھا کہ التمش کی قسمت میں بھی وہی ارہر کی پتلی کھچڑی لکھی تھی۔

وہ شہزاد اور زینو کو لینے کیلئے نرسری گئی تو وہاں ایک غدر مچا ہوا تھا۔ کمرے کی ہر چیز وہیں تھی جہاں اسے نہیں ہونا چاہیئے تھا۔ کرسیاں الٹی ہوئی۔ بستر ادھڑے ہوئے۔ شہزاد اور زینو رنگین چاک سے چہرے رنگے ہوئے ریڈ انڈین اور بحری قزاق بنے ہوئے تھے۔ کاکل ایک کو پکڑنے جاتی تو دوسرا بھاگ نکلتا۔ وہ ہانپ گئی دور بے بسی سے ہنستی ہوئی کھڑی ہو گئی اور اسکی نظر

دروازے میں ٹیک لگائے سینے پر ہاتھ باندھے التمش پر گئی ۔ وہ ساری کارروائی دلچسپی سے دیکھ رہے تھے ۔

" Damsel in distress " انہوں نے کہا اور ایک ہی چھلانگ میں زینو کو دبوچ لیا ادھر کاکل نے شہزاد پر فتح پالی ۔ جائے فرار مسدود دیکھ کر زینو او شہزاد نے ہتھیار ڈال دیئے ۔اس موقعہ پر التمش کی مدد بہت کام آئی ورنہ دونوں کا موڈ تانڈو رقص کا ہو رہا تھا۔

التمش اور اسنے دونوں کے منہ دھلائے اور شب خوابی کے کپڑے پہنا دیئے ۔ جس مہارت سے التمش اسکی مدد کر رہے تھے اسے دیکھ کر کاکل کو تعجب ہوا۔

" کتنے بچے تھے آپ کے کریچ میں ؟ " بے اختیار اسکے منہ سے نکلا اور بالکل اسی لہجے میں جیسے التمش نے اس سے پہلی ملاقات میں پوچھا تھا۔

پل بھر کو وہ ایک دوسرے کو دیکھتے رہے اور پھر ہنس پڑے ۔

" میں چل کر ٹیبل لگاتی ہوں " کاکل ڈائننگ ہال کی طرف چلی ۔

" نہیں آج کچن ہی میں کھانا کھایا جائے گا " التمش نے اسے روکا اور زینو کو اپنی پشت پر سوار کر لیا۔ شہزاد کاکل کے کندھوں سے چمٹ گیا۔

کچن کے سیاہ آبنوسی ٹیبل پر دودھ کا گلاس ، پھل اور مکھن رکھے گئے ۔ روشنی کے ہالے میں بیٹھے التمش نے بچوں کے گلے میں نیپکین لگائے تب تک کاکل نے کھچڑی گرم کی ۔ کچن میں انکے ساتھ کھانا کھاتے ہوئے التمش بچوں کو انوکھے لگے ۔ وہ چاروں اسوقت ایک مکمل فیملی تصویر تھے ۔ بے لاگ ،

نارمل، ہنستے بولتے

"تامش" شہزاد بولا "جب میں بڑا ہو جاونگا تو کاکل سے شادی کرونگا"

"میں بھی" زینو نے ہمیشہ کی طرح شہزاد کا ساتھ دیا۔

"لو بھئی سوئمبر میں اپنا تو چانس گیا" التمش بولے کاکل نے ہنس کر زینو کے منہ میں کھچڑی بھرا چمچہ ٹھونس دیا۔

کاکل جانتی تھی یہ ہنستے مسکراتے لمحے عارضی تھے۔ کل وہ پھر اپنا کاروباری لبادہ پہننگے انکی آنکھوں میں اجنبیت آجائیگی۔ لیکن پھول بھی تو چند لمحوں کیلیئے ہی کھلتے ہیں۔ پھر بھی اپنی تازگی اپنی نکہت بانٹ جاتے ہیں۔ ایسے میں کوئی قنوطی ہی سوچ سکتا ہے کہ کل کو یہ مرجھا جائینگے۔ انکی پتیاں بکھر جائینگی۔ کاکل بھی ان مہکتے لمحوں کو اپنے دل کے کسی گوشے میں بسا لینا چاہتی تھی۔ اپنے کمرے کا دروازہ کھول کر وہ اندر داخل ہوئی تو سامنے ہی قد آدم آئینے میں خود کو دیکھ کر ٹھٹک گئی۔ کیا یہ وہی لڑکی تھی جو کبھی اپنے مستقبل کی فکر میں ہراساں تھی؟ کہاں تھیں وہ آنکھیں؟ وہ فکر مند آنکھیں جن پر خود انکی پلکیں بوجھ بن رہی تھیں؟ وہ چمپئی رنگت جو اندرونی غیر یقینی ہونے کی وجہ سے مٹیالی ہونے لگی تھی؟ اب وہاں جو لڑکی کھڑی تھی وہ شبنم سے دھلے گلاب کی طرح تھی جس کی آنکھوں میں خواب سے مچل رہے تھے۔ حیران ادھ کھلے لبوں سے آبدار بتیسی جھلک رہی تھی۔ ٹکٹکی لگائے آئینے میں دیکھتی آنکھوں نے ایک خواب بنا۔ اسے ایسا لگا جیسے اچانک کسی نے اسے دلہن کی طرح سنوار دیا۔ سرخ قیمتی جوڑا، ہاتھوں میں مہندی، سر ماتھے تک ڈوپٹے میں

چھپا، کپکپاتے ہونٹ اور سرگیں بوجھل آنکھیں۔ اسنے ہاتھ اٹھاکر اپنے
رخسار کو چھوا تو چوڑیوں کی چھنک اسے صاف سنائی دی۔ لیکن وہاں پیچھے
ایک اور عکس تھا۔ وجیہہ خوبصورت دہانے والا جو مسکرا رہا تھا۔ زرین
اچکن اور برہنہ سر۔ وہ اسے متجب نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ جو رفتہ رفتہ
وارفتگی میں بدل گئی تھیں۔ اسکے خوبصورت خمیدہ بال کہیں کہیں سنہری
جھلک لئے ہوئے تھے۔ اسکی خاموشی نظریں اس سے بہت کچھ کہہ رہی تھیں
جس کا ایک ایک لفظ کاکل کا دھڑکتا دل سن رہا تھا۔ وہ اب تک خود سپردگی
کے اس احساس سے کبھی دوچار نہیں ہوئی تھی۔ وہ ہیولا اس کے بالکل
قریب کھڑا تھا۔ وہ اسکی گرم سانسوں کو خوب پہچانتی تھی۔ وہ پراسرار چمک
اسکی جانی مانی تھی۔ ایسے لگا جیسے وہ مضبوط باہیں ان لمبی انگلیوں والے
ہاتھوں نے اسے اپنے گھیرے میں لے لیا جذبات کا جوش کھاتا سمندر اسے تنکے
کی طرح بہالے گیا۔ اسکی آنکھیں بند ہوگئیں اور اسنے اپنا سر اپنے خیالی
ہیولے کے سنگلاخ سینے سے ٹکا دیا۔ وہ کچھ دیر اور ان باہوں کے گھیرے میں
پرسکون لمحے گذارنا چاہتی تھی جو اسکے لئے دائمی بن جاتے۔ اس ہاتھ نے جس
کا لمس بہت سبک تھا۔ اسکی تھوڑی اونچی کی اور اس نے آنکھیں کھول دیں۔
اور اسکے ساتھ ہی اسکے خوابوں کا وہ محل مسمار ہوگیا کیونکہ وہ خوابوں کا محل
نہیں تھا جو اسکے جذبات کے ہیجانی سمندر سے بیش بہا موتی بن کر ابھرا بلکہ وہ
واقعی التمش تھے جو اسکی تھوڑی اونچی کئے اپنی اتھاہ گہری سیاہ آنکھوں سے اسکی
حیران آنکھوں میں تعجب سے کچھ ڈھونڈنے کی کوشش کر رہے تھے۔

کاکل نے پلٹ کر انکے سراپے کو دیکھا۔ اور پھر خود کو نظروں سے ٹٹولا۔ کہاں تھا وہ دلہنوں والا سرخ زرین جوڑا جسکا پر تو رخساروں کو رنگین کر رہا تھا۔ وہ کنگن وہ جھومر، گلے کی وہ چنت وہ ست لڑا، وہ پہنچیاں، ہیرے زمرد کی انگوٹھیاں اور التمش نے بھی زرین اچکن نہیں پہنی تھی۔ وہ تو اسی نیلی قمیص میں تھے جس میں ابھی ابھی اسکے ساتھ بچوں کو سلا کر گئے تھے۔ گہری نیلی قمیص کے کھلے بٹن سے مضبوط گردن عیاں تھی۔ جسکی رگ رگ میں موہوم سی پھڑک تھی۔

دیکھتے دیکھتے انکے ہونٹوں کے کنارے جھک گئے اور وہی مسکراہٹ جس نے کاکل کے ہر احساس کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ اسے ایسا لگا جیسے اسنے بجلی کے زندہ تار کو چھولیا ہو۔ اسنے اپنے ہاتھ انکے بازوؤں سے ہٹا لئے اور ایک قدم پیچھے ہٹ۔ التمش سے اسکی نظریں ملیں اور وہ بھاگ کھڑی ہوئی۔ اس نے بعجلت خود کو غسل خانے میں بند کر لیا اور دروازے سے سر ٹکا کر کھڑی ہو گئی لیکن دروازہ بند کرنے سے پہلے اسنے التمش کا دبا دبا سا قہقہہ ضرور سن لیا جو ایک فاتح کا قہقہہ ہو سکتا تھا۔

وہ پسینے میں شرابور تھی۔ اسکا سارا جسم بید کی طرح کانپ رہا تھا۔ اور رونے کے باوجود آنکھیں بالکل خشک تھیں جیسے کسی نے ان دونوں آنکھوں میں الاؤ جلادئے ہوں۔ اسکا دل چاہا کہ دروازے سے اپنا سر دے مارے لیکن وہ یوں ہی پھٹنے لگا تھا۔ اسنے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا اور وہیں بیٹھ گئی۔ اسمیں اتنی ہمت بھی نہیں تھی کہ باتھ روم سے لگے آئینے میں

خود سے آنکھ ملا سکتی۔ شرمندگی پشیمانی، خجالت، غصہ بے بسی، وہاں کیا نہیں تھا جو اسے کچوکے لگا رہا تھا۔ کیا ہو گیا تھا اسے؟ کیسے بہہ گئی تھی وہ اپنے جذبات کی رو میں؟ ایک بات مسلم تھی۔ اس نے ہمیشہ کے لئے خود کو التمش کی نظروں سے گرا لیا تھا۔ کیا سوچ رہے ہونگے وہ؟ اس نے اپنے دہکتے رخساروں کو ہاتھوں کے کٹوروں میں تھام لیا۔ انکا قہقہہ بتاتا تھا کہ وہ اسے بھی ایک خام، رومان زدہ، سستی ناولوں میں بسنے والی چھوکری سمجھ رہے تھے کسی گرم سینے کی متلاشی، جس پر سر رکھ کر موم بن جائے پگھل جائے۔ وہ ایسی موم تو کبھی نہیں تھی۔ اس دامن کو آج کس چنگاری نے چھو لیا تھا جسے اس نے ہمیشہ مہمل سمجھا تھا۔ کیا یہ وہی چنگاری تھی جسے اس نے ہمیشہ حقارت سے محض جگنو کی بے ضرر چمک سمجھا تھا۔ محبت سے منکر خود پسندوں کا یہی حشر ہوتا ہے۔ وہ خود اپنی نظروں میں خطاکار ہوتے ہیں پھر بھی کوئی سزا خود کے لئے تجویز نہیں کر پاتے لیکن یک طرفہ محبت ناکردہ گناہ کی سب سے بڑی سزا ہے۔

کاکل نے اٹھ کر منہ دھویا اور بغیر لباس تبدیل کئے بستر پر آگری پہلی بار اسکے آنسو بہ نکلے جو تکئے میں جذب ہوتے رہے۔ تکیہ دل کے ماروں کا سب سے بڑا رازدان ہے۔ غمخوار ہے جو رات کے اندھیرے میں کئی داستانیں سمیٹ لیتا ہے۔ لب مہر بند جیسے کسی گونگے نے خواب دیکھا جسے وہ کسی کو سنا نہیں سکتا۔

لیکن التمش وہاں بذاتِ خود پہنچے کیسے تھے؟ شہزاد اور زینو کو سلانے

کے بعد وہ دونوں اپنی اپنی راہ نکل گئے تھے ۔ کاکل اپنے کمرے میں اور التمش جانے کہاں ؟ ضرور لائبریری گئے ہونگے کیونکہ وہ اتنا جلد سونے کے عادی نہیں تھے اور واقعہ بھی یہی تھا جب وہ لائبریری پہنچے تو انکی نظر کتابوں کے اس بنڈل پرپڑی جو انہوں نے کاکل کے لئے منگوادی تھیں ۔ وہ لٹے پاوں بنڈل لئے پہنچے کہ کاکل کو دیدیں ۔ کاکل کے کمرے کا دروازہ کھلا تھا ۔ انہوں نے تھپتھانے کیلئے ہاتھ اٹھایا لیکن اسی وقت انہوں نے کاکل کا عکس شیشے میں دیکھا جو کھوئی کھوئی سے خود کو آئینے میں تکے جارہی تھی ۔ وہ دبے پاوں آگے بڑھے ، بنڈل نیچے رکھ دیا اور کاکل کی محویت کو دلچسپی سے دیکھتے رہے ۔ اور نتیجہ اسوقت کاکل کے سامنے تھا ۔ اسکا دل چاہ رہا تھا کہ خود کو کہیں اس طرح گم کردے کہ پھر کبھی التمش سے آنکھیں چار کرنے کا خطرہ نہ ہو ۔ کیونکہ ہمت وہ اب خود میں نہیں پارہی تھی کاکل نے چاہا تھا کہ وہ زمین کی آخری حد تک پہنچ جائے تاکہ التمش سے آنکھیں چار نہ کرنا پڑیں کیونکہ اس میں تاب نہیں تھی کہ ان آنکھوں میں تمسخر اور مضحکہ دیکھے لیکن اللہ نے زمین بھی تو گول بنائی ہے ۔ گھوم پھر کر انسان وہیں پہنچ جاتا ہے جہاں سے چلا تھا ۔ چند قوسیں، چند زاوئے زندگی انہیں کا تو مرکب ہے تاحیات انکا حساب جوڑتے رہو پھر بھی یہی چند لکیریں نئے مسائل کھڑا کردیتی ہیں ۔ شائد زندگی اسی کا نام ہے

کاکل کا خوف بے بنیاد تھا ۔ کیونکہ جب وہ سٹیڈی میں پہونچی تو التمش اپنے کام میں منہمک تھے ۔ بجز ایک سرسری نظر کے جو اسکی آہٹ پر اٹھی انہوں نے اسکا کوئی نوٹس نہیں لیا ۔

"شہزاد اور زینو کو کتنے دنوں کے لئے لے جائیگا؟ التمش کچھ دنوں سے بچوں کو ایک بھرپور آؤٹنگ دینا چاہتے تھے۔ میسور کا مشہور عام دسہرہ اس کام کیلئے عین مناسب تھا۔ کیونکہ ٹیپو سلطان کے متعلق ریسرچ کا کام بھی اسی خطے میں تھا۔

التمش نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ "یعنی مجھ سے یہ امید کی جارہی ہے کہ دسہرے کے ہنگامے میں میں دو پٹاخے دونوں ہاتھوں میں تھامے پہونچ جاؤں"؟

کاکل ان کے دونوں اٹھے ہاتھ اور چہرے پر لائی پریشانی دیکھ کر ہنس پڑی۔

" NO Way کاکل جہاں، تمہیں بھی چلنا ہوگا" انہوں نے صاف صاف کہا اور کاکل کچھ سوچ میں پڑ گئی۔

"کیا بات ہ؟ کوئی اعتراض؟" ان کی تیوری چڑھ گئی۔

"نہیں نہیں کوئی اعتراض نہیں" کاکل نے جلدی سے بات بنائی" میں نے سوچا کچھ وقت مل جائے تو آپ کی ریسرچ کے سلسلہ میں جو نوٹس میں نے مختلف کاغذوں پر تیار کئے انہیں اکٹھا کر لوں"

"مس کاکل حسین، آپ کا پہلا فرض شہزاد اور زینو ہیں۔ چاہے وہ کتنے ہی گردن زدنی کیوں نہ ہوں۔" التمش نے اسے اس کا فرض یاد دلایا۔

وہ چشم زدن میں اپنا موڈ بدل لیتے تھے۔ اپنے لہجے پر زبردست اختیار حاصل تھا انہیں۔ کاکل کا دل چاہا کہ وہ سارے کاغذات۔ دو من وزنی

کتابوں سمیت ان کے مغرور سر پر دے مارے۔ اور لائبریری سے نکل جائے لیکن فرق ہوتا ہے سوچنے اور کر جانے میں۔

لیکن التمش کے نارمل برتاؤ نے اسے بڑی ہمت دے دی تھی۔ ولولے اور جذبات کی جس آندھی نے آئینے کے سامنے اسے مبہوت کر دیا تھا وہ بالکلیہ اس کی داخلی کیفیت تھی جس سے التمش یکسر بے بہرہ تھے۔ اس نے خود کو یقین دلایا۔ کیا پتہ وہ اسی وقت پہنچے ہوں جب وہ پلٹی تھی اس نے کئی زاویوں سے حالات کا جائزہ لیا اور مطمئن ہو گئی۔ اسے اپنے دل پر سے ایک بوجھ سا اٹھتا محسوس ہوا۔ کیا ہوتا جو وہ سب کچھ سچ ہوتا؟ یہ سوچ کر ہی وہ کانپ گئی۔ اس بار وہ بال بال بچ گئی تھی۔ آگے اسے محتاط رہنا ہوگا۔ اسی میں اسکی خیریت ہے۔ اس کے لئے ضروری تھا کہ وہ اپنے ذہن کو بھٹکنے نہ دے ویسے اب اس کی گنجائش بھی نہیں تھی۔ اس نے رفتہ رفتہ اپنی مصروفیت اتنی بڑھالی تھی کہ فالتو باتوں کے لئے اس کے پاس وقت نہیں تھا وہ نادانستہ ہی کوٹھی اور باغات کے معاملے میں دلچسپی لینے لگی تھی جیسے شروع ہی سے اس ماحول کا حصہ رہی ہو۔ لیکن وہ اپنے ماضی سے بھی شرمسار نہیں تھی۔ یہی کیا کم تھا کہ وہ نامساعد حالات میں تن تنہا بھری دنیا کا مقابلہ کرنے کے لئے نکل آئی تھی؟ اب یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ خود کو خوابوں کے حوالے کر دے؟ وہ بھی ایسے خوابوں کے کہ جن کی تعبیر کے بارے میں اسے یقین تھا کہ صد فیصد الٹی ہوگی۔ عورت اور مرد کے تعلقات کی حد تک اس نے صرف اپنے ماں باپ کو دیکھا تھا۔ اس کا یہ محدود تجربہ بھی خوشگوار نہیں تھا۔ اور

اب التمش کا نظریہ بھی عورت کے بارے میں کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں تھی یہ امر مسلمہ تھا کہ انہیں اپنی مرحوم ماں اور بہن سے دلی لگاؤ تھا۔ لیکن ان رشتوں کے آگے وہ عورت کو محض ایک دلچسپی کا سامان سمجھتے تھے۔ جس کی طرف مسیح نے بھی بند بند الفاظ میں اسے خبردار کیا تھا۔ التمش کی شخصیت ہی ایسی تھی کہ لوگ اور خاص کر عورتیں ان کی طرف کھینچی چلی آتی تھیں۔ شائد انہیں اپنی اس کشش کا احساس بھی تھا جسے بڑی کامیابی سے وہ اپنی موہوم مسکراہٹ کے پیچھے چھپا جاتے تھے۔ ہوسکتا ہے یہ ان کی فتوحات کا احساس تھا جو مسکراہٹ بن کر ان کے لبوں کے کنارے سے جھکا جاتا تھا۔ کاکل انکی مقناطیسیت کھیڑا کے موقعہ پر دیکھ چکی تھی جب نئی بیاہتا لڑکی کی نظر بار بار التمش کی طرف مبذول ہو رہی تھی جسے اس کے شوہر نے تاڑ لیا اور اسے لئے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

ایک اور موقعہ پر جب مسیح بنگلور گیا ہوا تھا التمش نے کسی سیمینار میں کاکل کو بھی ساتھ چلنے کی دعوت دی تھی۔ کاکل کو یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ غیر ممالک کے لوگ اپنے سیمیناروں اور جلسوں میں کس دلچسپی سے شامل ہوتے ہیں۔ باہر سے آئے ہوئے وفود میں چند ایک کافی بزرگ عورتوں اور مردوں کی موجودگی اس کی شاہد تھی۔

بل کھائے اوپر جاتی سیڑھیوں کے پائیدان پر ایک ضعیف خاتون سیڑھی پر پہلا قدم رکھتے ہچکچا رہی تھیں۔

"کیا تم ایک بوڑھی عورت کو اوپر چڑھنے میں مدد دو گے؟" انہوں

نے اپنے عین پیچھے کھڑے التمش سے درخواست کی ۔ اس سے پہلے کہ اس خاتون کا جملہ پورا ہوتا التمش نے اپنا بازو پیش کر دیا ۔ اس کے ساتھ ساتھ دھیرے دھیرے سیڑھیاں چڑھتے ہوئے وہ اس کے ملک اور سیمناروں کے دلچسپ پہلوؤں کے بارے میں باتیں کرتے رہے ۔ آخری سیڑھی پر انہوں نے اس عورت کو چھوڑا ۔ اس کا شکریہ قبول کیا لیکن بظاہر حیرت سے ادھر ادھر دیکھ کر پوچھا "آپ نے کہا تھا کسی ضعیف عورت کی مدد کہاں ہے وہ ؟"

کاکل کو ان کی یہ ادا بہت پسند آئی ۔ ہمارے اپنے ملک میں عام طور پر لوگوں کو بڑھاپے سے پہلے ہی بڑی بے دردی سے انکی بزرگی اور اس سے پیدا ہوئی لاچاری کا احساس دلا دلا کر ادھ موا کر دیا جاتا ہے ۔ چنانچہ اچھے بھلے طاقتور بوڑھے غیر ضروری ہمدردی کا ناجائز فائدہ اٹھا کر "پیر تسمہ پا" بن جاتے ہیں ۔

اس خوبصورت ریاکاری کے لیے وہ التمش کو کس طرح موردِ الزام ٹھہراتی ؟

جب التمش اپنا مقالہ پڑھ رہے تھے تو کاکل نے دیکھا کہ التمش کو دیکھتے ہوئے اس بزرگ خاتون کی نظروں میں گرمجوشی اور مادرانہ شفقت تھی جیسے وہ عرصہ سے انہیں جانتی ہوں ۔

چند ایسی نگاہیں بھی تھیں جو مقالے سے زیادہ التمش میں دلچسپی لے رہی تھیں ۔ ان خواتین کو نفسِ مضمون سے کوئی سروکار نہیں تھا ۔ پھر بھی وہ وہاں موجود تھیں کیونکہ ایسے ہی موقعوں پر ذی حیثیت پڑھے لکھے بر بھی تلاش

التمش کی محدود جانکاری پر افسوس تھا۔

Oh ! come on Mummy بیٹی نے منکسر مزاجی سے کام لیا۔

کاکل کو تخیل ہی میں التمش "فیشن پریڈ" پڑھتے ہوئے بڑے انوکھے لگے۔

"یہاں تو بات نہیں ہو سکتی" لڑکی نے ناز و انداز سے گردن ایک طرف کو موڑ کر اپنے خوبصورت بالوں کو تھپتھپاتے ہوئے کہا" میں کب آسکتی ہوں آپ کے گھر؟ ۔اس موقعہ پر التمش نے ایک عجیب حرکت کی ۔ انہوں نے ایک طرف کو کھڑی ہوئی کاکل کی کلائی پکڑ کر اپنے قریب کیا اور اسے اپنے ایک بازو کے گھیرے میں لیتے ہوئے کہا" جب بھی آپ چاہیں"

ابھی تو وہ فی الحال مصروف ہے" اماں نے کھسیا کر کہا اور بیٹی کو لئے آگے بڑھ گئیں ۔ایک فوٹو گرافر نے بڑھ کر ان دونوں کی تصویر کھینچ لی ۔ اسے التمش کی کسی لڑکی کے ساتھ تصویر چاہئیے تھی۔

"یہ تم الگ کیوں کھڑی تھیں" انہوں نے اپنا بازو اسی طرح رکھے اس سے پوچھا" لائبریری میں تو خوب بولتی ہو"

وہ ، وہ میں نے سوچا" ـــــ کاکل تصویر کے بارے میں سوچ رہی تھی کہ قربت والی تصویر اگر اخبار میں چھپ جائے تو کیا ہوگا۔

"کیا سوچا؟ ـــــــ وہ کیسے بتا دیتی کہ ان کی قربت اسے کتنا سراسیمہ کر رہی تھی۔

"میں نے سوچا" ۔۔۔۔۔ اس نے ہکلا کر کہا ۔۔۔۔ "شائد مجھے بیچ میں دخل نہیں دینا چاہیئے"۔

"کمال ہے، تاریخ کے ایک اہم نکتے کو لے کر یہ سیمینار تھا جو تمہارا اپنا سبجیکٹ ہے"

کاکل بس "اوہ" ۔۔۔۔۔ کہہ پائی۔

"اس اوہ کا کیا مطلب ہوا؟" انہوں نے پلٹ کر اس کے پروفائیل پر نظر ڈالی ۔ وہ اس کی سراسیمگی سے مزہ لے رہے تھے۔

"میں سمجھی آپ اس لڑکی کی بات کر رہے ہیں"۔

"شکریہ آپ کا جو آپ نے یہ نہیں سمجھا کہ میں اس کی ماں کی بات کر رہا ہوں" ۔ کاکل ہنس پڑی۔

"اب تمہاری سزا یہ ہے کہ اس سیمینار کی ایک رپورٹ تیار کرو" انہوں نے کاکل کو نوٹس لیتے دیکھ لیا تھا۔

اگلے دن جب وہ کام ختم کر کے باہر نکلی تو کاریڈور ہی میں مسیح سے مڈ بھیڑ ہو گئی۔ مسیح نے اس کا بنا ہوا سویٹر پہنا ہوا تھا جو اس پر بہت جچ رہا تھا۔

"بہت جچ رہے ہو ڈان جان" کاکل نے چھیڑا۔

" سویٹر بنا کر تم نے اپنا نام نیکو کاروں میں لکھوا لیا ہے" مسیح نے مسکرا کر سویٹر کے نرم اون پر ہاتھ پھیرا۔

" سینٹ مسیح ایک ٹانکا بھی ادھر ادھر ہوا تو آپ سیدھا مجھے دوزخ میں بھجوا دیں گے" اس نے ہنس کر کہا اور چلی گئی۔ وہ چاہتی تھی کہ ریسرچ کے سلسلہ میں لئے گئے نوٹس کو مربوط فائیل کی شکل میں میسور جانے سے پہلے ہی تیار کر کے التمش کے حوالے کر دے۔

جب وہ اپنے کمرے میں پہنچی تو ڈورا وہاں اس کے کپڑے تہہ کر کے رکھ رہی تھی جنہیں جلدی میں اس نے یوں ہی چھوڑ دیا تھا۔

" بی بی کام کھتم ہو گیا" ڈورا نے آج اسے دزدیدہ نگاہوں سے دیکھا۔ آج کل بھوت (بہت) دیر تک کام کر تا"

کاکل نے مختصراً ہاں " کہا اور کتابوں کا بنڈل ٹیبل پر پٹک کر بیڈ پر ٹک گئی۔

" چھوٹے سرکار کے ساتھ کام کر تا؟ ڈورا نے پوچھا۔

"ہوں " کاکل نے اپنی دھن میں کھوئے کھوئے کہا اور ریفرنس کی وہ کتاب اٹھا کر دیکھنے لگی جس کے متن پر اسے شک سا تھا۔ وہ اندھا دھند کام کر کے التمش سے اپنی ہنسی اڑوانا نہیں چاہتی تھی۔

"ڈورا ایک بات بولے گا" ڈورا کو بات ختم نہ کرتے دیکھ کر کاکل نے کتاب بند کر دی۔

"بی بی برا نئیں مانے گا تو ڈورا بولے گا"۔

"ہاں کہو ڈورا، میں برا نہیں مانونگی" کاکل نے متوجہ ہو کر کہا۔

"بی بی! مالک لوگ سے دور ہی رہنا مانگتا" ۔۔۔ ڈورا نے کاکل کو رائے دی۔

"میں سمجھی نہیں ڈورا" کاکل اس کا مطلب سمجھتی ہوئی بھی بولی۔

"چھوٹا سرکار مالک ہے۔ اس سے جاستی بولنے کا ٹھیک نہیں ہے۔ ۔۔ تم ادھر کام کرنے کو آیا۔ سجاد بابا۔ جینو بابا کے واسطے چھوٹا سرکار کو بولو تم ان کا کام نئیں کرے گا"۔

"کیوں؟ کیوں انکار کروں میں؟" کاکل نے مسکرا کر پوچھا۔

"ابی تم کو کیسا سمجھانا" ڈورا نے عاجز آکر کہا "یہ بڑا آدمی لوگ چھوکری لوگ کے واسطے اچھا نئیں رہتا"۔

جب سے ریسرچ کے سلسلہ میں کاکل کا وقت التمش کے ساتھ زیادہ گذرنے لگا تھا ڈورا کو ایک فکر سی لاحق ہو گئی تھی۔ وہ التمش کی کشش اور انکی ضد سے اچھی طرح واقف تھی۔ بچپن ہی سے وہ جو چیز حاصل کرنا چاہتے حاصل کر کے ہی رہتے۔ کاکل حسین تھی، ذہین تھی جب اس کا حسن خود اس کے راہب بیٹے کے پاؤں ڈگمگا سکتا تھا تو اسے یقین تھا کہ التمش بھی اس سے بے بہرہ نہیں ہونگے۔ کیا ہوا جو انہوں نے بھی کاکل کو اپنی ضد کا

مسئلہ بنالیا وہی تو امید کی ایک کرن تھی جو اس کے بیٹے کو پادری بننے سے روک سکتی تھی۔

کاکل کو ڈورا کی یہ پرخلوص فکر بہت اچھی لگی۔ بظاہر سخت گیر چہرے والی ڈورا کا دل موم کا تھا جو ایک اجنبی لڑکی کے لئے فکر مند تھا کیا وہ جانتی نہیں تھی کہ التمش کے گاہے گاہے ہلکے پھلکے موڈ کو اصلیت سمجھنے میں اس کی تباہی تھی۔

"ایسا کبھی نہیں ہوگا ڈورا" اس نے کہا۔

"کیا کبھی نہیں ہوگا؟ مسیح نے آتے ہوئے پوچھا۔

"یہی کہ چائے باغوں سے نکل کر ہمارے لبوں تک کیسے پہنچتی ہے۔ تم کبھی نہیں بتاؤ گے۔" کاکل نے ڈورا کے چہرے پر آتے تاثر کو دیکھ کر بات بنادی۔ گویا وہ نہیں چاہتی تھی کہ ان کی بات چیت بیٹے تک پہنچے۔

"بی بی کو اتنا شوکھ ہے تو دکھاتا کیوں نئیں کارکھانا؟ ڈورا نے موقعہ غنیمت جان کر رائے دی۔

"انہیں ہی تو فرصت نہیں ہوتی آئی" مسیح بولا۔

"چلو ابھی چلو۔ مجھے تو فرصت ہی فرصت ہے" کاکل دراصل ڈورا کی ٹٹولتی نظروں سے دور ہو جانا چاہتی تھی۔ ویسے بھی اسے کھلی ہوا کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے شہزاد اور زینو کی باقاعدہ کلاس لینی شروع کر دی تھی۔ آج انہوں نے اسے بالکل عاجز کر دیا تھا۔ اسکے فوراً بعد ہی لائبریری پہنچی تھی جیسے جیسے ریسرچ پراجکٹ آگے بڑھ رہا تھا کام بھی بڑھتا جا رہا تھا۔ التمش

کام کی حد تک بڑے سخت گیر ثابت ہو رہے تھے۔ ڈورا کی صحت کی حالت دیکھتے ہوئے کاکل نے مسیح سے کہکر باغات میں کام کرنے والی ایک عورت کو بلالیا تھا جو اس کی غیر حاضری میں بچوں کا خیال رکھتی تھی۔ پھر بھی کاکل کے فرصت کے اوقات راشن ہوتے جا رہے تھے۔ اس کی اسے کوئی شکایت نہیں تھی اسے شروع ہی سے علم حاصل کرنے کی لگن تھی اور التمش کے ساتھ کام کرتے ہوئے اسے اپنے علمی ذوق کی تکمیل کا موقعہ مل رہا تھا۔ وہ جہاں تک ہوسکے اپنی سیدھی سادھی زندگی کو پیچیدگیوں سے بچائے رکھنا چاہتی تھی۔ آج ڈورا کی جرح نے اسے اور بھی زیادہ خبردار کر دیا تھا۔

مسیح کے ساتھ وہ باہر نکل آئی۔

باغات اور کارخانہ اس نے سو بار دیکھا تھا اور مسیح بھی یہ بات اچھی طرح جانتا تھا۔ شائد وہ بھی ماں کی ٹٹولتی نظروں سے دور ہونا چاہتا تھا۔

کاکل اکثر مسیح کو چینی راہب درونا کی مثال دیکر چھیڑا کرتی تھی۔

چائے کے بارے میں اس حکایت کا تعلق راہب درونا سے تھا۔ درونا ہمیشہ خدا سے لو لگائے رہتا۔ اسی عالم میں ایک بار اس کی آنکھ لگ گئی جب وہ جاگا تو خود سے اتنا برہم ہوا کہ اس نے اپنی آنکھوں پر سے پپوٹے کاٹ کر پھینک دئے جنہوں نے اسے سلاکر خدا تعالٰی کی پرستش میں خلل ڈالا تھا۔ کہتے ہیں جہاں درونا نے اپنے پپوٹے کاٹ کر پھینکے تھے وہاں کچھ پودے اگ آئے جن کے پتے نیند کو دور رکھتے تھے۔ یہی چائے کے پودے تھے۔

"پادری صاحب کر سکتے ہو تم بھی درونا کی طرح؟ ذرا انگلی میں سوئی

چھو کر تو دکھا دو" کاکل نے حسب معمول مسیح کو چھیڑا۔ "مجھے یقین ہے جب بھی تم خدا سے لو لگا کر آنکھیں بند کرتے ہو گے تو اچھی لڑکیاں پری بن کر تصور میں اتر آتی

"لڑکیاں تو نہیں" مسیح نے کھوئے ہوئے انداز میں کہا

"تو پھر کون!" کاکل نے آنکھیں پھاڑ کر کہا" کہیں خدا نخواستہ بارہ سنگھے تو

اب مسیح اسے کیسے بتاتا کہ اسکے تصور میں لڑکیاں نہیں بس للی کے نازک پھول اس کی تپسیا کو بھنگ کرنے چلے آتے ہیں۔ جنھیں وہ اپنی قوت ارادی سے جھٹک دینے میں کامیاب ہوتا ہے تب بھی اس کا دل گیان میں نہیں لگتا۔ تب اس کا دل واقعی خود کو سزا کا مستحق سمجھتا ہے

"چینیوں میں اذیت کی برداشت بہت ہوتی ہے" وہ درونا کی طرف لوٹتے ہوئے بولا" اذیت ناک سزائیں چینیوں نے ہی ایجاد کیں۔ اسی لئے انکے عقیدوں اور داستانوں میں بھی خود خزیدگی کی جھلک ملتی ہے۔ درونا کی داستان اپنی جگہ ٹھیک ہے لیکن کچھ دستاویزیں بتاتی ہیں کہ چینی شہنشاہ شن نانگ نے تین سو سال قبل مسیح چائے دریافت کی تھی"

اور ایک مسیح تم ہو جو اب کہیں جا کر پیدا ہوئے ہو Lazy ، bum کاکل نے مسیح کو الزام دیا اور وہ ہنس پڑا۔

وہ ٹہلتے ٹہلتے باغان کے سبزہ زار سے گذر رہے تھے۔ ہر طرف مسطح پودوں کے قالین بچھے تھے۔ چائے کا خود رو پودا سات میٹر کی لمبائی تک پہنچ

جاتا ہے لیکن باغات میں اسے ایک میٹر سے زیادہ بڑھنے نہیں دیا جاتا جو سو سال تک ہمارے پیالوں کو خوشبودار سیال سے بھرتا رہتا ہے۔

"شاعر انگور کی کشید کی بات کرتے ہیں" ۔۔۔۔ مسیح کو کاکل سے بات کرنا اچھا لگ رہا تھا جو ہاتھ میں ایک چھڑی لئے تتلی کی طرح کیاریاں پھلانگ کر اس کے ساتھ چل رہی تھی۔ "میں نے ایک تصویر دیکھی تھی کہ کس طرح سینکڑوں انگوروں کی روح سلب ہوتی ہے تب کہیں ایک خوش رنگ جام بھرتا ہے" ۔۔۔ مسیح نے جیبوں میں ہاتھ ڈالے کاکل کی طرف مڑ کر کہا "جانتی ہو جب ساڑھے چار کیلو پتیاں مرجھاتی ہیں تب کہیں ایک کیلو چائے کی پتی حاصل ہوتی ہے"۔

"ہاں بہت سی موتیں ایسی ہوتی ہیں جن کا نوحہ کوئی نہیں لکھتا" کاکل بولی "مگر ہر مرتا ہوا پل ایک اور زندہ لمحے کو جنم بھی تو دیتا ہے۔ ذرا اس بوڑھی عورت کو دیکھو جسے انہی پتیوں نے عمر کے اس سنگِ میل تک بھی روزگار دیا ہوگا"۔ کاکل کی رجائیت آج مسیح کی زندگی میں نئی امنگ جگا رہی تھی۔

عورتوں کے پرے کے پرے بڑی تیزی اور چابکدستی سے چائے کی نرم کومل پتیاں توڑ کر اپنی پیٹھ پر باندھی لمبی ٹوکریوں میں جمع کرتے جا رہے تھے۔ تازہ اور کھلی ہوا میں کام کرنے کی وجہ سے ان کے چہرے شاداب اور لبوں پر گنگناہٹ تھی۔ باغات میں چائے کی پتیاں جمع کرنے کا کام چابکدستی کی بنا پر ہی عورتوں کا خاصہ مانا جاتا تھا۔

باغاں کے ایک خطے کو سر جوزف بینکس کے نام سے موسوم کیا گیا تھا اختر بخت نے وطن واپس ہوئے انگریز سے جب کوٹھی اور باغ خرید اتھا تبھی سے یہ بورڈ جوں کا توں لگا تھا۔ باد و باراں جب اسے کجلا دیتے تو فوراً اسے تازہ کر دیا جاتا کیونکہ اسی برطانوی ماہر نباتیات نے سب سے پہلے ۱۷۷۸ء میں چائے کے پودے چین سے ہندوستان میں درآمد کئے۔ ورنہ ۱۷۷۴ء تک بھی چائے کیا ہوتی ہے ہندستان میں کوئی نہیں جانتا تھا۔

باغاں میں اس چھوٹے سے احاطے کو کارخانہ کہنا زیادتی تھی کیونکہ اختر بخت کی وہ ٹی اسٹیٹ اتنی بڑی نہیں تھی جہاں خود کفیل فیکٹری لگائی جاسکتی۔ پھر بھی محدود انداز میں وہاں کام ہوتا ہی تھا۔ ہری پتیاں جمع کر کے عورتیں کارخانہ لے جاتیں جنہیں تول کر انہیں اجرت دی جاتی اس کے بعد ان پتیوں کو سکھایا جاتا اور پھر جب ان پر سے بہت گرم ہوا گذاری جاتی تو اس کا رنگ سیاہ ہو جاتا۔ پتیوں کو چھانٹ کر مختلف قسموں میں منقسم کر کے انہیں بڑے کارخانوں میں بھجوا دیا جاتا۔

"یہ ہمارے باغ کی سب سے زیادہ قیمتی چائے ہے"۔ مسیح نے ایک کونپل توڑ کر کاکل کو دی۔

اس میں کوئی خوشبو نہیں ہے" کاکل نے سونگھ کر کہا۔

"حنا پتھر پر پستی ہے تب ہی رنگ دیتی ہے۔ اس کلی نے آزمائش کی تپش کہاں جھیلی ہے"۔ مسیح نے فلسفیانہ بات کہی۔ "چائے بھی انسان کے

کردار کی طرح ہے، جتنا جھیلتی ہے اتنا نکھرتی ہے"۔

کاکل نے اسکی بات سن کر بڑی سنجیدگی سے تالیاں بجائیں۔ اور کہا "آفاقی ذہن آٹھ ہستیوں کے مانے گئے ہیں ۔ارسطو، افلاطون، آرشمیدس، نیوٹن، گاس، خیام، لیونارڈو داونچی ۔۔۔"

مسیح انگلیوں پر گنتا رہا "یہ تو سات ہوئے، آٹھواں کون ہے؟"

"تم خود ۔۔۔۔ مولانا مسیح۔"

عام طور پر سادہ سیدھا مسیح جب کوئی فلسفیانہ بات کرتا تو کاکل فوراً اسے لے اڑتی ۔ اسے مسیح کو چھیڑنے میں مزہ آتا تھا۔ اور مسیح وہ لمحے اپنے دل کے نہاں خانے میں بڑی احتیاط سے سجا لیتا

"کاکل اگلے ہفتے میں جارہا ہوں"۔ کاکل کے کمرے کے دروازے پر رک کر مسیح نے کہا۔

"کہاں؟ کہاں جارہے ہو؟" کاکل نے حیرت سے پوچھا، یوں تو مسیح کا جانا آنا لگا ہی رہتا تھا لیکن اس بار بات کچھ مختلف لگتی تھی۔

"میں نے فیلڈ ورک کے لئے مشنری میں اپنا نام دیدیا تھا"۔ وہ اپنی نیلی آنکھوں سے کاکل کے چہرے کا جائزہ لینے لگا کہ شاید وہاں وہ ردِ عمل نظر آجائے جو وہ دیکھنا چاہتا تھا۔

"تو دور چلے جاؤ گے؟"

"ہاں ۔ شائد کلکتہ جانا ہو"

"قیامت سے پہلے تو لوٹ آؤ گے نا؟"

"کوشش کرونگا" - مسیح نے بناوٹی ہنسی سے کہا۔ وہ پل بھر کی خوشی جو کاکل کے چہرے کا تاثر دیکھ کر ہوئی تھی، کافور ہو گئی۔

"مسیح I will Miss you" کاکل نے صدق دلی سے کہا۔ اور یہ حقیقت تھی۔ مسیح کی بے لاگ دوستی میں کہیں خندق کہیں کھائیاں نہیں تھیں جہاں اس کے پھسل کر گرنے کا احتمال ہوتا۔ وہ اس کے ساتھ ہنس بول بھی لیتی تھی۔ مچل بھی جاتی تھی۔ مسیح نے اس کی زندگی میں ایک سچے دوست کی کمی پوری کر دی تھی۔

"اگلے ہفتے تم سب بھی تو میسور جا رہے ہو نا!"

"ہاں، بچے، میں اور تامش"

"تامش!" مسیح نے سوالیہ نظروں سے کاکل کو دیکھا۔ جیسے اس کا بے تکلفی سے التمش کا نام لینا اسے عجیب لگا ہو۔

"تم اور بچے یہی تو کہتے ہو انہیں" کاکل نے کھسیا کر کہا۔

"اور تم کیا کہتی ہو؟" مسیح خواہ مخواہ ایک معمولی بات کو ہوا دے رہا تھا۔

"Come on مسیح!" کاکل نے الجھ کر کہا "مجھے کچھ بولنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔

"ہاں" مسیح نے کاکل سے پرے دیکھ کر کہا "تامش کے آگے بہت کم لوگ بول پاتے ہیں"۔

مسیح کے جانے کے بعد وہ کچھ دیر اس کے بارے میں سوچتی رہی۔ کئی

بار اس نے محسوس کیا تھا کہ وہ اس سے التمش کے بارے میں کچھ کہنا چاہتا تھا پھر بات کو ٹال جاتا۔ وہ خود بھی اب کاکل کے لئے معمہ بنتا جارہا تھا۔ وہ خدمت خلق کے لئے جانا بھی چاہتا تھا اور دل گرفتہ بھی تھا۔ آخر وہ کون سی مجبوری تھی جس نے اسے اس فیصلے پر مجبور کیا؟

اس کے ہاتھ میں اب بھی مسیح کی دی ہوئی کونپل، چائے کی ایک کلی اور دو پتیاں موجود تھیں جنہیں وہ تیز ہواؤں سے بچالائی تھی۔ اس نے ایک صاف ستھرے کاغذ کی تہہ میں وہ کونپل رکھی تاکہ کونپل کا سبز رنگ کتاب کے صفحے کو نہ چھوئے اور دبیز کتاب کے اوراق کے بیچ رکھ دیا اور رکھنے سے پہلے کچھ سوچ کر اس کاغذ پر لکھ دیا۔ "مسیح I Miss you" اور اس پر اپنے دستخط کر دیئے۔

اگلے دن سویرے ہی وہ میسور کے لئے چل پڑے۔ کار میں التمش کے برابر کاکل اور پیچھے شہزاد اور زمینو۔ التمش نے ڈرائیور کو دو دن بعد میسور پہنچ جانے کیلئے کہہ دیا تھا۔ ساتھ اس لئے نہیں لیا تھا کہ سفر میں بچے اگر سو جائیں تو جگہ کی تکلیف نہ ہو۔

صبح کی دلفریب ہوا میں وہ آگے بڑھتے رہے۔ باہر کی خوشبوئیں کار کے اندر التمش کے آفٹر شیو لوشن کی خوشبو میں مل کر ایک نئی خوشبو کو جنم دے رہی تھیں۔ رومن سینڈل سے جھانکتے اور صاف ستھرے متناسب پیر کاکل کے نازک سینڈل میں جکڑے ہوئے پیروں کے مقابل بڑے اور مضبوط نظر آرہے تھے۔ اتفاق ہی کی بات تھی کہ آج کاکل کے لباس کا رنگ انکے لباس

کے رنگ سے میل کھا گیا تھا۔ آج اسنے بھی گہری سرمئی پتلون پر سفید بلاوز پہنا تھا۔ اور التمش کا ٹی شرٹ بھی سفید تھا جس سے انکے مضبوط اور ورزشی باز و جھانک رہے تھے۔ لمبی اور خوش وضع انگلیوں والے ہاتھ سٹیرنگ کو کنٹرول رہے تھے۔ انہوں نے دو ایک بار کاکل پر بھرپور نظر ڈال کر اس کے لباس پر اطمینان ظاہر کیا تھا۔ پل بھر کو انکی نظر اسکے سیاہ چشمہ لگائے چہرے پر رک گئی تھی۔ کیونکہ ان کا دیا ہوا چشمہ اسکے حسین چہرے پر بہت سج رہا تھا۔ کاکل ان کی نظروں سے بے بہرہ نہیں تھی۔

عجیب حال تھا کاکل کا بھی۔ وہ حتی الامکان کوشش کرتی کہ التمش کے سائے سے بھی دور رہے لیکن جب انکے ساتھ ہوتی تو اسکا دل چاہتا کہ وہ لمحے کبھی ختم نہ ہوں۔ التمش کی دلی کیفیت سمجھنا اسکے لئے ناممکن تھا۔ اس نے اب یہ کوشش ہی چھوڑ دی تھی۔ بلکہ خود اپنے اطراف پردے گرانے لگی تھی تاکہ ان کی گہری نظروں سے اپنے دلی جذبات کو روپوش رکھے۔ لیکن یہ پردے مکڑی کے جالوں جیسے ثابت ہو رہے تھے۔ دبیز سے دبیز مکڑی کا جالا بھی کہاں پردہ بن پاتا ہے۔ اسکا ثبوت التمش کی وہ نظریں تھیں جو اسکی روح میں سرائیت کر جاتی تھیں۔ ہونٹوں کا وہ خم جو اسکی اپنے آپ کو سنجیدہ اور لاتعلق بنائے رکھنے کی کوشش کو مسمار کر دیتا تھا اس کے پاؤں اکھیڑ دیتا تھا۔ کیا وہ جان بوجھ کر ایسا کرتے تھے؟ شائد نہیں یہ تو خود اس کے نادان دل کی کارستانی تھی جو ان کی ایک گرم نظر سے ہی پگھل جاتا

تھا۔ اسے بہت ڈر لگتا تھا کہ یہ نکما اسے کہیں کا نہ چھوڑے گا۔

"۔۔۔۔اور تمہاری والدہ؟" انہوں نے اچانک پوچھا اور وہ اپنے انہماک سے اچھل پڑی۔ "میرا خیال ہے وہ کافی تعلیم یافتہ اور سمجھدار ہونگی" التمش پہلی بار اس سے ذاتی سوال کر رہے تھے۔ پہلے دن انہوں نے جو کچھ پوچھا وہ سارے سوال غلط تھے۔ ان کا جواب کاکل کیا دیتی؟۔

دونوں بچے اپنی چھلوں کا اسٹاک ختم کر کے سو چکے تھے۔ اپنی ماں کے بارے میں بتاتے ہوئے کاکل میں نئی زندگی آگئی تھی۔ اس سے آج تک اس ہستی کے بارے میں کسی نے کچھ نہ پوچھا تھا جو اعلیٰ ترین کردار کی مالک تھی۔ جس نے سخت آزمائش کے دور میں بھی مسکرانا سیکھا تھا۔ اس کی ماں ایک ایسی کشتی تھی جسے مسلسل کنارے کی تلاش رہی لیکن ہر کنارہ اس تک پہنچتے پہنچتے معدوم ہو جاتا لیکن وہ کبھی ملول و دل شکستہ نہیں ہوتی۔ اسکا ایقان تھا کہ کشتی سلامت ہو تو کناروں کی کیا کمی ہے۔ ایک نہیں تو دوسرا مل جائے گا۔ اور اسی رجائیت میں اس نے دنیا چھوڑ دی لیکن اپنا یہ ایقان وہ اپنی بیٹی کو دے گئی۔

"گریٹ خاتون تھیں تمہاری ماں" التمش نے کہا لیکن کاکل کے گلے میں ایک سسکی سی آکر پھنس گئی تھی۔ اس نے اپنا سر گھمالیا تاکہ التمش اسکی آنکھوں میں آئے آنسو نہ دیکھ پائیں۔ التمش نے کار ایک طرف کو روک لی۔ وہ کاکل کو سنبھلنے کا موقعہ دے رہے تھے۔ انہوں نے جیب سے اپنا ستھرا رومال نکالا۔ کاکل کا چہرہ پلٹایا اور اس کی نمناک آنکھیں پونچھیں۔ ان کی

دلجوئی سے کاکل کا دل اور بھی بھر آیا۔ لیکن اس نے ضبط سے کام لیا۔

"معاف کیجئے" کاکل نے خود کو سنبھال کر کہا۔ "میں نہیں چاہتی تھی کہ۔۔۔۔"

"لیکن میں چاہتا تھا" التمش نے رومال جیب میں رکھ کر کار سٹارٹ کرتے ہوئے کہا "میں یہ جاننا چاہتا تھا کہ یہ حیرت انگیز خوبیاں تمہیں کہاں سے ملی ہیں"۔ کاکل کے خیال میں وہ تعریفی جملہ انہوں نے اس کے اشکبار دل کو مرہم کی طرح پیش کیا تھا جس کے لئے وہ ان کی شکر گزار تھی ۔ حالانکہ التمش اس وقت محض اخلاقی اظہارِ ہمدردی کے موڈ میں نہیں تھے ۔ کاکل کے جوہر ان پر ایک ایک کر کے کھلتے جا رہے تھے ۔ ایک ایسی ناتجربہ کار لڑکی جسے انہوں نے بادلِ ناخواستہ قبول کیا تھا وقت پڑنے پر بڑی ذمہ داریاں بھی سنبھال لیگی ۔ یہ انہوں نے کبھی نہیں سوچا تھا۔ صرف یہی نہیں بلکہ وہ رفتہ رفتہ ان کے دل میں اپنی جگہ بناتی جا رہی تھی ۔ ان کا دل جو ایک ایسا قلعہ تھا جس کا دروازہ کئی حسینوں نے کھٹکھٹایا تھا لیکن مایوس ہو کر چلی گئی تھیں ۔ وہ کئی بار خود کو یقین دلاتے کہ کاکل کی مقناطیسیت ان کے لئے بے معنیٰ ہے ۔ وہ مسیح کے پاکباز ناتجربہ کار دل پر ضرور اثر کر سکتی ہے لیکن وہ جب بھی کاکل کو مسیح کے ساتھ ہنستے بولتے دیکھتے تو ان کی جھلاہٹ بڑھنے لگتی وہ اس حقیقت کو ماننے سے پہلو تہی کر جاتے کہ کاکل کا وہی حسن اور اس کی شخصیت کی وہی خوبیاں جو مسیح کو اپنی راہ سے ہٹا رہی تھیں ان پر بھی اثر انداز ہو رہی تھیں ۔ کاکل نے بہت دیر سے کچھ نہیں کہا تھا۔ انہوں نے پلٹ کر اس

کی طرف دیکھا وہ سو چکی تھی۔ نیند سے بوجھل اس کا سر سیٹ کی پشت سے پھسلتا ہوا ان کی طرف جھکتا جا رہا تھا۔ انہوں نے اپنی طرف سے کوئی کوشش نہیں کی کہ دھکیل کر اسکی سمت بدل دیں حتیٰ کہ اس کا سر ان کے کندھے سے آلگا۔ اس کے معطر بالوں کی خوشبو نے بتایا کہ وہ بہت تیزی سے ان کے احساسات پر چھائی جا رہی تھی۔

میسور میں ہوٹل کی بکنگ پہلے ہی سے موجود تھی۔ وہاں پہونچ کر زینو اور شہزاد ایسے چاق و چوبند اٹھے جیسے کبھی سوئے ہی نہیں تھے۔

دسہرے کے نو دن اور ان کی گھما گھمی شروع ہو چکی تھی۔

دسہرے کے تہوار کو برائی پر نیکی کی فتح مانا جاتا ہے۔ دیوی چامندی کی سراہنا اور تعظیم کے اظہار کے طور پر میسور میں یہ تہوار منایا جاتا ہے۔ پوجا سے قطع نظر اس کی ثقافتی اہمیت بھی ہے۔ یوں تو ملک بھر میں یہ تہوار منایا جاتا ہے لیکن میسور کے دسہرے کو صرف مذہبی نہیں تاریخی اہمیت بھی حاصل ہے۔ وہاں یہ تہوار وجے نگر سے چلا آیا جس میں مٹی کے درخت کی پوجا کی جاتی ہے۔ روایت ہے کہ پانڈو اپنے ہتھیار مٹی کی کھوہ میں چھپا کر رکھتے تھے اور جب مہا بھارت کی لڑائی لڑنے کا وقت آیا تو انہوں نے اس درخت کی پوجا کی اور اپنے ہتھیار حاصل کیے۔ وہ دن دسہرہ کا دن تھا۔

دسہرہ کو قومی تہوار منانے کا سلسلہ کوئی پندرہویں صدی سے جا ملتا ہے جس میں وجے نگر کے حکمران اپنی رعایا کی دلچسپی اور خوشی میں خود کو شامل کرتے اور رعایا کی خوشنودی حاصل کرتے۔ ایسے ہی موقعہ پر کسی قوم کی

ثقافت اور تہذیب کا اندازہ ہوتا ہے کہ کس خوش اسلوبی سے اس کا اظہار کیا جاتا ہے۔ ساتھ ہی فوج اور اسلحہ کی نمائش رعایا میں طمانیت اور حکومت وقت کی طاقت پر بھروسہ پیدا کرتی ہے جو برسر اقتدار حکومت کی بقا کے لئے بہت ضروری ہے۔

میسور میں آج تک یہی کوشش کی جاتی ہے کہ دسہرہ اسی شان وشوکت سے منایا جائے جیسا کہ وجئے نگر کی ریت تھی۔ سلطان حیدر علی اور پھر ٹیپو سلطان نے بھی اس روایت کو برقرار رکھا۔ حیدر علی اسی ریاست کے والی وڈیار کے ملازم تھے۔ ترقی کرتے کرتے انہوں نے سلطنت خداداد کی بنیاد رکھی تھی لیکن میسور اور اسکے مہاراجہ کے اعزاز پر کبھی حرف نہ آنے دیا۔ چنانچہ میسور سلطنت خداداد کی پروٹکٹوریٹ ہونے کے باوجود پرانی نمک خواری کا لحاظ کرتے ہوئے دسہرے کے روز حیدر علی اور ٹیپو سلطان کی طرف سے مہاراجہ کو نذر گزارنی جاتی۔

التمش نے بچپن میں کئی بار دسہرے کا جشن دیکھا تھا اور اب انہیں شہزاد اور زینو کا بچپن یہاں کھینچ لایا تھا کیونکہ اوٹی میں بچوں کی دلچسپی کے سامان کم تھے۔ اس کے علاوہ ٹیپو اور اسکے انداز حکومت کا یہ پہلو بھی بڑا جاندار تھا کہ اسنے اپنے دور حکومت میں دسہرے کی اہمیت کو کبھی کم نہ ہونے دیا۔ جو بے تعصبی کی ایک مثال تھی ورنہ بعض انگریز مورخوں نے مختلف مذاہب میں تفرقہ پیدا کرنے کی غرض سے ٹیپو کو متعصب ثابت کرنے کیلئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا ہے۔

ڈھول، نیزیاں، زربفت کی جھولیں پہنے بھاری بھرکم ہاتھی جن کی سجی سجائی عماریوں پر سنہری اور روپہلی چھتریاں، تلوار کے پھیر، ناچتی گاتی اپنے فن کا مظاہرہ کرتی۔ ناز نینیں، آزادی کے بعد مختلف قومی بیڑے، جھانکیاں اور NCC کے چستی سے مارچ کرتے نوجوان لڑکے لڑکیاں اور ان سب کے پیچھے گنگا جمنی عماری میں بے پناہ جچنے والے عالم پناہ۔ میسور کے مہاراجہ شیام راج وڈیار کی سواری۔ مہاراجہ جو کبھی گٹھے ہوئے جسم کے چست نوجوان تھے ایک زمانہ میں ٹینس کے بہترین کھلاڑی مانے جاتے تھے۔ التمش کے بچپن میں ان کا موٹاپا اس خطرناک حد کو پار کر گیا تھا کہ التمش کے دوستوں نے انہیں ہزہائی نیس کی بجائے ہزہیوی نیس کہنا شروع کر دیا تھا۔ ویسے اس میں مضحکے کا کوئی دخل نہیں تھا کیونکہ والئ میسور نہایت خلیق و ملنسار انسان تھے جنہوں نے بدلتے وقت کو بالکل صحیح طرح محسوس کیا تھا۔ وہ قومی یکجہتی کے زبردست حامیوں میں تھے۔ یہی وجہ ہے کہ کرناٹک کے ہندوؤں اور مسلمانوں نے اپنے اپنے مذہب کے پابند اور کاربند ہوتے ہوئے بھی مذہب کو نفرت کا ہتھیار کبھی نہیں بننے دیا۔

شہزادا اور زینو نے گویا خود کو ہنگاموں میں جھونک دیا تھا۔ آج ان کی ہر خواہش پوری کی جا رہی تھی۔ کھیل تماشے حتیٰ کہ کشتی بھی دیکھی تھی جو کاکل کے رونگٹے کھڑی کر دیتی تھی۔ وہاں بہت بڑا Merry - go round بھی لگا ہوا جس پر بیٹھنا شہزادا اور زینو کے خیال میں لازمی تھا۔ اس پر بیٹھا گیا لیکن ان کے اس اصرار کو نامنظور کر دیا گیا کہ وہ اس پر تنہا بیٹھیں

آخر وہ کاکل اور التمش کے ساتھ بیٹھنے پر رضامند ہو گئے ۔ کاکل کو حیرت تھی کہ التمش بچوں کی ہر دلچسپی کو مقدم سمجھ رہے تھے ۔

" انہوں نے آج اتنی دھول پھانکی ہے کہ کھانے کی ضرورت ہی نہیں رہی " ۔ جب کاکل نے ان کی برف کے لڈو کی فرمائش کو ٹھکرا دیا تو التمش نے کہا ۔

ان کی خریدی ہوئی چیزیں بڑھتی جا رہی تھیں اور ساتھ ہی میلے کا شور بھی اتنے میں جلوس نکلنا شروع ہوا ۔ سینکڑوں گھوڑے ہاتھی کرتب دکھاتی ٹولیاں ، ایک اژدھام تھا ۔ ہاکروں نے بھی جوش میں آکر اپنے پھیپھڑوں میں ہوا بھر لی تھی اور چلا چلا کر لوگوں کو اپنی طرف راغب کر رہے تھے ۔ جلوس میں سب سے آخر " بھالے سلطان " تھے جو مہاراجہ کی سواری سے پہلے آتے تھے تنی ہوئی گردنیں ، کندھوں پر چمکدار بھالے وہ گویا مہاراجہ کے روایتی باڈی گارڈ تھے ۔ ابھی ان کا سلسلہ شروع نہیں ہوا تھا لیکن شور غوغا اتنا بڑھا کہ کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی تھی اور اس کے ساتھ ہی وہ واقعہ ہوا جس نے کاکل کے ہی نہیں التمش کے بھی ہوش اڑا دیئے ۔ شہزاد اور زمنو غائب تھے ۔

التمش سے اجازت لے کر ڈرائیور راملو نے دونوں بچوں کے ہاتھ تھامے اور قریب سے تماشہ دکھانے کے لئے ایسی جگہ جا کھڑا ہوا تھا جو قدرے اونچائی پر تھی لیکن خلقت کا ایک ریلا ایسا آیا جو ان دونوں کو ساتھ بہا لے گیا بدحواس راملو نے جب آکر خبر دی تو اس کے منہ سے الفاظ نہیں نکل رہے تھے

"بابا لوگ ـــــ بابا لوگ" ـ ـ وہ ہکلایا۔

"بچے کہاں ہیں" کاکل خطرے کو محسوس کر کے تقریباً چلا پڑی

"مجھ سے ہاتھ چھڑا کر پتہ نہیں بابا لوگ کہاں چلے گئے" ـ وہ فضا میں خنکی کے باوجود پسینے میں تر تھا۔

"کیا بکتے ہو" التمش اٹھ کھڑے ہوئے صاف ظاہر تھا کہ شہزاد اور زینو بھیڑ میں کہیں کھو گئے تھے۔

وقت برباد کرنا بیوقوفی تھی ۔ اس اژدھام میں بچوں پر کیا گذری ہو گی ۔ سوچ کر کاکل اوسان خطا ہو رہے تھے ۔ التمش کی تجویز کے مطابق دوبارہ ملنے کے لیۓ مقام کا تعین کر کے تینوں شہزاد اور زینو کی تلاش میں بکھر گیۓ ۔ التمش کاکل کو تنہا چھوڑنے کے لیۓ راضی نہیں تھے لیکن اس نے انہیں یقین دلایا کہ اسے کچھ نہیں ہوگا ۔ دونوں کا ایک ہی سمت میں جانا فضول تھا

کاکل کو جتنی دعائیں یاد تھیں اس نے کر ڈالیں ۔ اس جم غفیر میں دو چھوٹے کھوئے ہوئے بچوں کو ڈھونڈنا کوئی کھیل نہیں تھا ۔ وہاں کوئی ایسا نہیں تھا جو انہیں جانتا ہو ۔ بچے اغوا بھی ہو سکتے تھے ۔ بھیڑ میں کچلے بھی جا سکتے تھے ۔ کاکل پر ہیبت سوار تھی ۔ اسے ایسے لگ رہا تھا جیسے چیونٹیوں کی بل میں گھس پڑی ہو ۔ جہاں گورے کالے بوڑھے جوان عورت مرد جیسے اسے شکنجے میں کسے جا رہے تھے اور رات نے اندھیرے کا جال پھیلانا شروع کر دیا تھا۔ بڑھتے ہوئے اندھیرے میں مشعلوں کی روشنی سے لپکتے شعلوں سے میلے نے اپنی خصوصیت کھو کر ہیبتناک شکل اختیار کر لی تھی۔

بھیڑ میں مدغم کاکل کو ہوش نہیں رہا کہ بچوں کی تلاش میں کتنے گھنٹے گذر گئے۔ بدحواسی نے اسے پوری طرح اپنی گرفت میں لے لیا تھا۔ مہاراجہ کی سواری گذر گئی۔ جلوس کھلے میدان کی طرف بڑھ گیا تھا۔

کاکل کو پہلی بار احساس ہوا تھا کہ وہ شہزاد اور زینو کو کس قدر چاہنے لگی تھی وہ خود کو بھی کسی حد تک ان کے کھوئے جانے کا ذمہ دار ٹھہرا رہی تھی، اسے ڈرائیور کی بات نہیں ماننی چاہیئے تھی لیکن بعض جلدی میں کیئے گئے فیصلے بعد میں صرف پچھتاوا دیتے ہیں۔ وہ اپنے جلتے جلتے آنسو پیتی رہی اور پاگلوں کی طرح دونوں بچوں کو تلاش کرتی رہی۔

ہر تلاش ایک وقت آنے پر رک جاتی ہے۔ اب اسے صرف ایک ہی امید تھی کہ ہوسکتا ہے التمش اور ڈرائیور انہیں تلاش کرنے میں کامیاب ہوگئے ہوں۔ وہ چاروناچار واپس ہوئی لیکن اس نے دور ہی سے دیکھ لیا کہ مقام مقررہ پر التمش تنہا کھڑے تھے۔ ظاہر ہے کہ بچوں کی تلاش میں وہ بھی ناکام رہے تھے۔ احساس ناامیدی نے اسے پاگل سا کردیا۔ آنسوؤں کا دریا جو وہ اب تک پیتی رہی تھی اپنا بند توڑ کر بہہ نکلا۔ وہ دوڑ کر التمش سے لپٹ گئی اور اس کی ہچکیاں بندھ گئیں۔

"کاکل۔۔۔ کاکل" التمش نے اسے دلاسہ دینے کی کوشش کررہے تھے لیکن ان کی آواز صدا بہ صحرا رہی۔ "خود کو سنبھالو کاکل"۔ انہوں نے کہا لیکن بے سود۔

"کاکل ہوش میں آؤ" اور انہوں نے اسے جھنجھوڑ ڈالا۔ "شہزاد اور زینو

کو کچھ نہیں ہوا ہے ۔ وہ مل چکے ہیں" انہوں نے اسے متوجہ کر کے ایک ایک لفظ صاف صاف کہا۔

وہ پھٹی پھٹی نظروں سے انہیں دیکھ رہی تھی جیسے اسے ان کی بات کا یقین نہ ہو۔

" میں سچ کہہ رہا ہوں" التمش اسے باہوں کے گھیرے میں لئے وہیں پتھر پر بیٹھ گئے ۔ وہ جانتے تھے کہ کاکل انتہائی تشویش کے عالم میں تھی ۔ " سچ کہہ رہا ہوں ، میں اس لئے یہاں چلا آیا کہ مجھے موجود نہ پاکر تم اور بھی زیادہ پریشان ہو گی" ۔

"کہاں ہیں وہ دونوں" ؟ کھوئے ہوئے حواس قابو میں لاتے ہوئے اس نے پوچھا۔ التمش کو اس کے آنسوؤں سے تر چہرہ اور بکھرا ہوا پن اتنا اچھا لگا کہ کوئی اور وقت ہوتا تو وہ اپنے گستاخ خیالات کو عملی جامہ پہنا دیتے لیکن اس وقت وہ اس کے دل کی حالت سمجھ رہے تھے ۔ اس کے جذبے کا احترام لازم تھا۔

" چلو" انہوں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھایا اور وہ کشاں کشاں ان کے ساتھ چل پڑی ۔

دسہرے کے موقعہ پر ایسی ہی ناگہانی وارداتوں کا خیال کر کے پولیس چوکیاں قائم کی گئی تھیں ۔ جو خلقت کو دیکھتے ہوئے کم تھیں تاہم ایسی ہی ایک چوکی نعمت ثابت ہوئی تھی ۔ التمش کاکل کو لئے ہوئے وہاں پہنچے ۔

" دیکھا نہ میرا ساتھ نہ دینے کا نتیجہ " ۔ انہوں نے راستے میں اس کا ہاتھ

دبا کر کہا "اگر تم میرے ساتھ ہوتیں تو اتنی پریشانی نہیں اٹھانی پڑتی ۔۔۔۔ پریشان تو تم نے مجھے کیا ہے ۔ کاکل جہاں جس کا بدلہ میں تم سے کبھی ضرور لونگا" ۔

وہ سچ کہہ رہے تھے ۔ انہوں نے رپورٹ کرنے کے لئے فوراً پولیس چوکی کا رخ کیا تھا ۔ اور دونوں بچے انہیں وہیں مل گئے تھے ۔ وہ مقررہ مقام پر بہت دیر سے کاکل کا انتظار کر رہے تھے ۔

" ایسے موقعوں پر بہت سے غیر سماجی حرکتیں کرنے والے لوگ چور اچکے بدمعاش شرابی سبھی نکل آتے ہیں ۔ میں تو سوچ کر پاگل ہو گیا تھا کہ کہیں تم ان کے ہتھے نہ چڑھ گئی ہو "

" یعنی خواہ مخواہ ۔۔۔" کاکل خجل ہو کر بولی " اب مجھے لے جا کر کوئی کیا کرتا ؟"

" بہت سارے استعمال ہیں آپ کی جنس کے " ۔۔۔ کسی دن آپ کو اغوا کر کے بتاؤنگا " سر سے پریشانی کا پہاڑ کھسک جانے پر اسے التمش کی شوخی بری نہیں لگی ۔ وہ ہنس پڑی ۔ " جب اتنا اچھا ہنس لیتی ہو تو رونے کی کیا ضرورت ہے ؟" انہوں نے رک کر اس سے کہا ۔

" میری ایک فلسفی سہیلی کہتی تھی کہ آنکھیں خدا نے رونے کے لئے ہی بنائی ہیں ۔"

" اور لب ؟" ۔۔ لبوں کے بارے میں کیا فرمان تھا آپکی سہیلی کا ؟" ۔ التمش نے شرارت سے اس کے لبوں پر نظر جما کر کہا " یا لبوں کا مصرف کبھی

کسی نے بتایا ہی نہیں"۔

بات خطرناک حدود میں داخل ہو رہی تھی۔ کاکل نے دیکھا کہ اس کا ہاتھ اب تک التمش کے ہاتھ میں تھا جس پر بار بار ان کی گرفت مضبوط ہوتی جا رہی تھی۔ اس نے جلدی سے اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔ اس نے شکر کیا کہ پولیس اسٹیشن آگیا تھا۔ وہ دوڑ کر اندر پہنچی اور پیچھے پیچھے التمش داخل ہوئے۔

وہاں کا رنگ ہی نرالا تھا۔ دو تین سپاہی شہزاد اور زینو کو گھیرے بیٹھے تھے۔ آتش بازی کی دوکان سے شائد وہ ٹکیاں لائی گئی تھیں جنہیں جلاؤ تو سانپ کی طرح لمبی ہو جاتی ہیں۔ دو گلاسوں میں دودھ رکھا تھا۔ مٹھائیوں کی پلیٹ بھی تھی۔ اور بڑی زندہ دل بات چیت چل رہی تھی۔ پریشانی یا رونے دھونے کا کوئی منظر نہیں تھا۔ کاکل کو اپنے ہراس آنسو اکارت جاتے نظر آئے۔ وہ ان دونوں کے غائب ہونے اور پھر چائے کی کہانی سننے کے لئے بیتاب تھی

"ایسا تو ہوتا ہی ہے جناب" دونوں کو بیٹھنے کے لئے کرسیاں پیش کرتے ہوئے انسپکٹر نے اپنی اردو سے ہار کر انگریزی میں کہا "جہاں اتنا بڑا مجمع ہو وہاں بھانت بھانت کے لوگ جمع ہو جاتے ہیں۔ جیب کترے، چور، بدمعاش ایسے ہی موقعہ کی تلاش میں تو رہتے ہیں۔ آپ کے بچے بتاتے ہیں کہ کوئی انہیں ہاتھی پر بٹھانے کا لالچ دیکر لے گیا تھا"۔

شہزاد اور زینو ان کے قریب ایسے اکھڑے ہوئے تھے جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔ "جھوٹ کہا تھا کاکل، اس نے ہمیں ہاتھی پر بٹھایا ہی نہیں" شہزاد بولا۔ "اب اسے صابن کے پانی سے کلے کرانے پڑیں گے" زینو نے بھی حامی بھری

کیونکہ ان کے پاس جھوٹ کی یہی سزا تھی کہ صابن کے کسیلے پانی سے منہ صاف کیا جائے۔

" اور کاکل شہزاد نے اس کے ہاتھ کو کاٹ لیا تھا" ۔اس نے شہزاد کی شکایت کی

" زینو نے اس کے گھر کے دو مٹی کے گھڑے توڑ دئے " زینو کی شکایت میں شہزاد کیوں پیچھے رہتا۔ پھر تو شکایتوں کا دفتر کھل گیا۔"

"شہزاد نے اس کی ماں کی آنکھ میں مکا مارا تھا"

وہ مجھے چھڑی سے مارنے آئی تھی ---"شہزاد نے اپنی نیکر سنبھال کر خود کی مدافعت کی ۔"زینو نے پنجرہ کھول کر اس کے طوطے کو اڑا دیا"

"اس نے اچھل کود کر اس کی کھٹیا توڑ دی "

" وہاں ایک موٹی آنٹی تھی --اس نے اسے ڈورا کی بھینس کہا تھا"

--- کاکل کے فرشتوں کو بھی خبر نہیں تھی کہ دونوں اتنے لائق تھے ۔اس کے ردِ عمل پر التمش بھی مسکراتے ہوئے کبھی اسے کبھی زینو اور شہزاد کو دیکھتے رہے۔

"اب آپ خود ہی سمجھ سکتے ہیں کہ اغوا کرنے والوں نے خود ہی انہیں کیوں واپس لاکر چھوڑ دیا" --انسپکٹر بولا "آئیے اب آپ کو ان بدمعاشوں کے بھی درشن کروادوں "۔

وہ کاکل اور التمش کو حوالات کی طرف لے گیا۔ وہاں ایک نحیف و لاغر شخص جس کی بڑھی ہوئی داڑھی تھی، گھٹنوں میں سر دیئے ہوئے بیٹھا تھا۔

اس کے ساتھ ایک اور شخص حوالات کی سلاخیں پکڑے کھڑا تھا۔

"اٹھ بے!" انسپکٹر نے آواز لگائی اور بیٹھے ہوئے شخص نے سر اٹھایا

"سر مجھے بے قصور بند کیا ہے"۔۔ کھڑا ہوا شخص بلبلایا۔

"بے قصور!" انسپکٹر نے پولیس والوں کی مرغوب گالی دی۔"بچوں کو اس کے ساتھ مل کر غائب نہیں کیا تو نے؟"

"نئیں سر۔۔ میں تو اسے راستے میں ملا تھا۔۔ بچے اس سے سنبھل نہیں رہے تھے۔ اس نے مجھ سے مدد مانگی اور کہا یہ بچے کھو گئے ہیں اور میں انہیں پولیس چوکی لیجا رہا ہوں۔۔ دیکھئے آپ کے بچے نے میرا کان بھی کاٹ لیا" ۔۔۔۔اس نے اپنا لہولہان کان آگے کر دیا۔

انسپکٹر اور ان دونوں کی بات چیت کنڑی زبان میں ہو رہی تھی جو التمش کی تو سمجھ میں آگئی کیونکہ ان کا تعلق اسی خطے سے تھا۔ لیکن کاکل اس کا ایک لفظ بھی نہ سمجھ پائی۔ اس نے دیکھا التمش سنجیدہ بنے رہنے کی کوشش کر رہے تھے۔

"شہزاد نے اسی کا ہاتھ کاٹا تھا"۔۔۔۔ زینو نے چلا کر داڑھی والے کی طرف انگلی اٹھائی۔

وہ شخص دونوں بچوں کی طرف اس طرح سہما ہوا دیکھ رہا تھا جیسے وہ مافوق الفطرت ہوں۔ انسپکٹر نے تفتیش کی تفصیل بتاتے ہوئے کہا کہ وہ داڑھی والا کوئی عادی مجرم نہیں تھا۔ اس نے سن رکھا تھا کہ کسی کا بچہ اٹھالو تو پیسہ مل جاتا ہے۔۔ بد قسمتی سے اس نے ان آفتوں کو مول لیا۔ ان دونوں

نے اسکے گھر میں وہ غدر مچایا کہ اس کی بوڑھی وہمی ماں نے کہا کہ یہ عام بچوں جیسے نہیں ہیں ۔ یہ انگریز کے بچے معلوم ہوتے ہیں ۔ خیریت اسی میں ہے کہ انہیں حفاظت سے واپس کر دو۔

داڑھی والا جو شد بد اردو جانتا تھا ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو گیا۔

" میں بھوت (بہت) گریب (غریب) سرکار " ۔۔۔اس نے کہا اور اپنے کان پکڑ لئے جیسے وہ اب کبھی ایسا کام نہیں کرے گا۔اس کے ہاتھ پر شہزاد کے کاٹے کا زخم تازہ تھا۔

" اس سے کہو کہ چودہ انجکشن لگوائے جاکر " ۔۔۔۔ التمش نے دبی زبان سے کاکل کے کان میں کہا۔

" ہا بچارا ۔۔! " کاکل کو اس پر ترس آیا۔

" گھنٹہ بھر پہلے تو تم اس کے لئے سولی کھڑی کر رہی تھیں " ۔ التمش مسکرا کر بولے ۔ انہوں نے انسپکٹر سے سفارش کی کہ دونوں کو چھوڑ دیا جائے۔

" انسپکٹر نے انہیں رہا کر دیا۔ اور التمش نے کچھ روپئے نکال کر داڑھی والے کو دیئے۔

" میرا بھی کان کاٹا تھا " کن کٹے نے بھی بہتی گنگا میں ہاتھ دھونے چاہے

" بھاگ جا، نئیں تو میں تیرا دوسرا بی کان کاٹتا " ۔۔۔۔ انسپکٹر نے کہا اور وہ تیر کی طرح بھاگ نکلا۔

" میرے کو بی انعام ملنا چاہیئے سر " ۔۔۔۔۔ انسپکٹر نے التمش سے کہا۔

"ہاں، ہاں ضرور" ۔۔۔۔ التمش نے جیب سے والیٹ نکالی۔

"یہ نہیں" ۔۔۔۔انسپکٹر نے انہیں ہاتھ سے روک دیا۔ التمش اچنبھے میں پڑ گئے۔ پولیس میں رشوت کا رواج تو پیسے ہی کا تھا۔

"میرے کو انعام کے واسطے ان دونوں میں سے ایک کو چھوڑنا" ۔۔ انسپکٹر نے ہنستے ہوئے انوکھی رشوت مانگی ۔۔ التمش اور کاکل ہنس پڑے۔

زینو اور شہزاد کے لئے بھی یہ لمحۂ فکریہ تھا۔ آنکھوں ہی آنکھوں میں پل بھر کے لئے ان کی بات ہوئی اور شائد قرعہ زینو کے نام گرا۔

"میں کل آجاؤں گا، التمش" زینو نے کہا۔

"کل کیوں؟ ابھی کیوں نہیں۔۔؟" ۔۔۔۔ التمش نے پوچھا۔

"میں اپنا ٹیڈی چھوڑ آیا ہوں نا۔۔" سبھی ہنس پڑے۔

پولیس کی جیپ میں وہ سب روانہ ہو گئے۔

شہزاد اور زینو کو دسہرے کے ہنگامے اور گھما گھمی ہی کافی نہیں تھی بلکہ چھک چھک ٹرین سے واپسی کا سفر ایسی نعمت تھی جو انہیں پہلی بار نصیب ہو رہی تھی۔

دسہرے کے میلے میں انہیں شاپنگ کی کھلی چھوٹ تھی ۔یکشاگان، مکھوٹوں، غباروں اور چناپٹنم کے لکڑی کے کھلونوں کے علاوہ وہ ہر چیز جو ان کی نظر کو گرویدہ کر لیتی خریدی جاتی ۔شہزاد تو سارے کا سارا خریدنے پر مچل گیا۔

"دیکھ لینا اب یہ مہاراجہ کے محل کی بولی لگائے گا" ۔ التمش بولے

اور کاکل دونوں کی انگلیاں تھامے آگے بڑھ گئی۔

اس کا چھریرا بدن، کمر تک جھولتی چوٹی ۔۔۔ جسے اس نے جوڑے کی شکل میں باندھ لیا تھا۔ اب بچوں کی تلاش اور افراتفری میں کھل کر پشت پر جھول گئی تھی۔ التمش نے چاہا اپنی نظریں ہٹالیں لیکن جیسے وہ اسیر ہو کر رہ گئے تھے۔ وہ یہ سوچ سوچ کر جھلا جاتے کہ وہ، ایں قدر سی لڑکی ان کے احساسات پر کیسے چھا گئی تھی۔ اس نے انہیں تنگدل اور حاسد بنا دیا تھا۔ انہیں کاکل کا مسیح سے ہنسنا بولنا بھی گوارا نہیں ہوتا تھا اور اس کا ذمہ دار وہ کاکل ہی کو ٹھہراتے تھے کہ مسیح کو آسان نشانہ جان کر وہ اسی پر کمند پھینک رہی تھی۔

ہوٹل پہنچ کر انہوں نے اپنا مختصر سامان کار میں رکھا اور میٹو پلائم چلے گئے۔ اسٹیشن پر التمش نے ڈرائیور کو کار سے اوٹی واپس ہو جانے کے لئے کہا۔ اور خود کاکل اور بچوں کے ساتھ ٹرین کا انتظار کرتے رہے۔

میٹو پلائم مغربی گھاٹ کے دامن میں چھوٹا سا اسٹیشن ہے جہاں نیلگری ایکسپریس سے آنے والے سیاح۔ چھوٹی سی، چھک چھک ٹرین سے اوٹی پہنچائے جاتے ہیں۔ یہیں سے بلندی کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ ہولے ہولے آگے بڑھتی یہ ٹرین۔ قدرت کے خوشگوار ترین مناظر سے گزرتی ۔۔۔ گنگناتی اوپر چڑھتی چلی جاتی ہے۔ احتیاط کے مدنظر پٹریوں کے ساتھ تیسری پٹری بھی موجود ہوتی ہے تاکہ انجن فیل ہو جائے تو تیسری پٹری میں لگے ہوئے گیر کی طرح کے کھانچے ٹرین کو حادثے سے بچائے رکھیں۔

فضاء میں یوکلپٹس کی خوشبو نے ماحول کو اور بھی خوشگوار کر دیا تھا میسور سے آتے ہوئے کاکل نے احتیاطاً بچوں کے گرم کپڑے ساتھ رکھ لئے تھے لیکن اپنی شال کار میں بھول آئی تھی ۔ میسور میں چنداں گرم کپڑوں کی ضرورت نہیں پڑی ۔ لیکن اب جوں جوں ٹرین اوپر چڑھتی گئی اسے اپنی شال یاد آنے لگی ۔

التمش نے البتہ سفر شروع کرتے وقت ٹی شرٹ پر اپنی لیدر جیکٹ پہن لی تھی ۔ اتنی سردی نہیں تھی کہ وہ اس کی زپ بند کر لیتے ۔ انہیں نمناک سرد موسم کی عادت تھی ۔۔ انہوں نے اپنی جیکٹ اتار کر کاکل کے کندھوں پر ڈال دی ۔

"نہیں ۔۔۔ میں یونہی ٹھیک ہوں" ۔ کاکل نے جھوٹ کہا ۔

"پہاڑوں کا موسم اچانک بدلتا ہے" ۔۔۔۔ التمش نے گویا پیش گوئی کی ۔ واقعی ہلکی ہلکی پھوار پڑنے لگی تھی ۔۔ لیکن کچھ دور آسمان بالکل نیلا تھا ۔ سفید بادل دھنے ہوئے روئی کے گالوں کی طرح تھے جو لاجوردی آسمان کی ستر پوشی کی کوشش کر رہے تھے ۔

کھٹاکھٹ ، کھٹاکھٹ ، اوپر چڑھتی ٹرین ۔۔۔۔ نیچے وادی میں زمردی پتے سورج کی ہر کرن سے تاوان وصول کر رہے تھے ۔ ہلکی پھوار میں گویا کئی خوشبوئیں جاگ پڑی تھیں ۔ جن کی غیر مانوس سی مہک میں مٹی کی سوندھاہٹ بھی شامل تھی لیکن کاکل کی قوت شامّہ پر سب زیادہ حاوی اس جیکٹ کی مہک تھی جو التمشؔ نے ابھی ابھی اس کے کندھوں پر ڈالی تھی ۔ اور وہ پھر اس وادی

ممنوع، میں نکل آئی تھی جہاں، درد گمنام کا کوئی علاج نہیں تھا۔اس نے خود کو سنبھالا ۔۔۔ اسے ڈر تھا کہ کہیں التمش اس کی ذہنی کیفیت سے آگاہ نہ ہوجائیں ۔۔ وہ ایک مہذب دنیا سے تعلق رکھتے تھے ۔ کسی لڑکی کو ٹھٹھرتا دیکھ کر اس کی مدد کرنا ایک لاشعوری عمل تھا ۔ وہ کاکل ہی تھی جو ایک اخلاقی رویئے میں بہت کچھ تلاش کرنے لگی تھی ۔اس نے خود کو ملامت کی اور سنبھل کر بیٹھ گئی ۔ وہ قدرتی مناظر کی دلدادہ تھی ۔چہرے سے ٹکراتی سرد ہوا اسے تقویت دینے لگی ۔ اسے ہمیشہ چہرے پر ٹھنڈی ہوا کے جھونکے اچھے لگتے تھے

التمش اپنے کیمرے سے تصویریں لینے میں مشغول تھے ۔

" بس ، بالکل اسی طرح بیٹھی رہو " التمش نے کہا اور وہ چونکی ۔ تب اسے احساس ہوا کہ شہزاد اور زمینو اپنے چہروں پر یکشا گان کے مکھوٹے لگائے اس سے لپٹے ہوئے تھے ۔

" Beauty and the beast" ۔۔ التمش نے مسکرا کر کیمرہ بند کرتے ہوئے کہا ۔

ساتھ سفر کرنے والا ایک عمر رسیدہ جوڑا انہیں دلچسپی سے دیکھ کر مسکرانے لگا تھا ۔

گھر پہنچتے پہنچتے شام ہو گئی ۔ ڈورا اور خانساماں نے سارے انتظام چوکس رکھے تھے ۔ کاکل نے بچوں کو نہلا کر شب خوابی کے کپڑے پہنائے کھانا کھلایا ۔ ان کی خریدی ہوئی چیزیں ٹھکانے پر لگائیں ۔ وہ دونوں سونے

کے لئے تیار ہی نہیں ہوتے تھے۔ آخر جب کاکل نے اجازت دی کہ وہ اپنا اپنا سامان سرہانے رکھ کر سو سکتے ہیں تب کہیں وہ راضی ہوئے لیکن اس نیند نے جو ان کی آنکھوں سے کوسوں دور معلوم ہوتی تھی۔ تکیوں سے سر لگتے ہی انہیں آدبوچا۔

ایک ٹھنڈی سانس بھر کر اس نے خود پر توجہ دی۔ گرم غسل نے اس کے تھکے ہوئے جسم کو تقویت دی۔ میسور اور وہاں کے شور شرابے کے بعد کوٹھی اور وہاں کا سکون بہت بڑی نعمت تھا۔ اپنی ساری تکان کے باوجود اسکے دل میں ایک ترنگ تھی۔ خوشگوار سی نامعلوم سی جسے وہ کسی قیمت پر کھونا نہیں چاہتی تھی۔ زندگی میں کچھ لمحے زندہ جاوید بن جاتے ہیں یہی لمحے تو زندگی کا حاصل ہیں جیسے اندھیری رات میں کوئی ٹوٹا ہوا ستارہ روشن سی لکیر چھوڑ کر کالعدم ہو جائے۔

اس کا دل بے اختیار چاہا کہ خدائے برتر کے آگے اپنا سر جھکا دے اور وہ سب کچھ کہدے جو اس کے دل میں تھا۔ دراصل زندگی میں بہت کم مواقع ایسے آتے ہیں جب تہہ دل سے دعا کے لئے ہاتھ اٹھتے ہیں۔ اس کا اساس یہی اس معبود حقیقی پر کامل بھروسہ اور اعتقاد جس کو ہم جانتے نہیں اس کے آگے اپنا دل کھول کر نہیں رکھتے۔ اپنے راز ہم اسی کو بتاتے ہیں جس پر ہمیں کامل بھروسہ ہو۔ اور کاکل کا راز تو اس کی زندگی کا حاصل تھا وہ کیسے اسے عام کرتی۔ اس نے سوچا آج بس اپنا دل کھولکر رکھ دے۔ وہ سب کچھ اس خداوند عظیم سے مانگ لے جو اس کے احساس کی گہرائیوں سے آتش فشاں بن کر

ابل رہا تھا۔

وہ ڈائننگ روم میں پہنچی لیکن التمش وہاں نہیں تھے۔ "چھوٹے سرکار نے آپکو آفس میں بلایا ہے" خانساماں نے کہا۔ وہ لائبریری کو ہمیشہ آفس کہا کرتا تھا۔ التمش کی پلیٹ انکے آگے جوں کی توں رکھی تھی۔ اسکا یہ مطلب تھا کہ وہ ابھی ڈائننگ روم پہنچے ہی نہیں تھے۔ وہ شش وپنج میں پڑ گئی۔ ایسی کونسی ایمرجنسی تھی کہ التمش نے کھانے پر آفس کو ترجیح دی حالانکہ وہ خود بھی تھکے ہوئے ہونگے۔ لیکن کاکل نے کبھی انہیں تھکا ہوا یا نڈھال نہیں دیکھا تھا۔ ٹینس کی کئی سیٹس کھیل کر آئے ہوں یا رائیڈنگ سے۔

جب وہ لائبریری پہنچی تو التمش کو ٹیبل پر مصروف دیکھا۔ انہوں نے نیلے رنگ کا ڈریسنگ گاون پہنا ہوا تھا جو کاکل کے آمد کے پہلے دن اس یادگار ملاقات پر پہنا تھا، غسل کے بعد انکے چپکے ہوئے بال اب سوکھتے اپنی اصلی شکل لے رہے تھے۔ انکی چوڑی کلائی والے ہاتھ کی دراز انگلیوں کے بیچ سگریٹ جل رہا تھا جسکی خوشبو لائبریری کی خوشگوار مہک میں گھل مل کر ایک نئی انوکھی خوشبو کو جنم دے رہی تھی۔ وہ کسی سوچ میں گم تھے۔ ٹیبل پر رکھی ہوئی کتابیں دیکھکر اچانک اسے یاد آیا کہ اس نے مسیح کو دی ہوئی کونپل جلدی میں ایک کتاب میں دبا رکھ دی تھی۔ مسیح کا تحفہ وہ کھونا نہیں چاہتی تھی اس نے کتابیں الٹ پلٹ کر دیکھیں۔

"کچھ کھو گیا ہے؟" التمش نے پوچھا۔ انکے تیور بدلے ہوئے تھے۔

"ہاں میں نے ایک کتاب رکھی تھی"۔ کاکل نے تلاش جاری رکھی۔

" وہ یہ تو نہیں " انہوں نے کتاب کاکل کی طرف بڑھا دی ۔ اسنے اشتیاق سے لیکر اسکے صفحوں کو ہوا دی لیکن وہ کونپل اور وہ نوٹ غائب تھے کاکل چپ ہو رہی ۔ کونپل کی تلاش بے سود تھی ۔ اور وہ کوئی اتنی اہم بات بھی نہیں تھی ۔

"آپ نے مجھے بلایا ؟"

التمش نے اسے آگے کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا ۔ ابھی وہ بیٹھنے بھی نہیں پائی تھی کہ انہوں نے ایک ٹیلیگرام اسکی طرف بڑھا دیا ۔

" یہ سب ہمارے یہاں ٹھریں گے " ۔ التمش نے ٹیلی گرام کی طرف اشارہ کیا ۔ ان کے ٹھرنے کا انتظام آپ کو کرنا ہوگا " ۔

تار میں چار نام لکھے تھے ان میں ایک نام وردو فرانسس تھا ایک چینی چیاوزو اور دو انگریز ایک امریکی تھی جن میں ایک عورت بھی تھی کیرون وارڈ ۔ کاکل کو اندازہ لگانے میں مشکل نہیں ہوئی کہ یہ سب التمش کی اس جماعت سے تعلق رکھتے تھے جو بدیشیوں کے ہندستان میں عمل دخل پر ریسرچ کر رہی تھی ۔ تاریخ کے عمل کے لئے تین اہم چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے ۔ ایک تو آثار قدیمہ کا جائزہ دوسرے تحریری دستاویزات اور تیسرے وہ روایات جو سینہ بہ سینہ چلی آتی ہیں ۔ کاغذی تیاریاں اور دستاویزات کافی فراہم ہو چکی تھیں ۔ اب شائد التمش کا عملی دور شروع ہونے والا تھا اور کاکل کا آزمائشی ۔

ظاہر ہے مہمان نوازی کی ذمہ داری اسے اس لئے سونپی جا رہی تھی کہ مسیح وہاں موجود نہیں تھا ۔ لیکن وہ کہاں تک اس کی اہل ہو سکتی تھی ۔

انہوں نے سوچا ہو گا کیونکہ کالج کی موجودہ ذمہ داریاں ہی اسے ایک پل کی فرصت نہیں دے رہی تھیں۔ ایم اے کا نصاب کبھی کا آ کر رکھا تھا۔ لیکن وہ اس پر مناسب توجہ نہیں دے پا رہی تھی ایک تو اس نے خود ہی اپنا کام بڑھا لیا تھا جس سے اب مفر نہیں تھا۔ ایک بار بارش ہو جائے تو بادلوں میں پانی کو واپس نہیں رکھا جا سکتا۔ لیکن وہ التمش کے سامنے اپنی مجبوری ہرگز ظاہر نہیں ہونے دیگی کیونکہ شائد وہ جان بوجھ کر اسے اس آزمائش سے گذارنا چاہتے تھے۔ اس نے فیصلہ کر لیا۔

اب رہے التمش کے تیور ۔۔ ان کو بدلتے دیکھ کر وہ چونک ضرور پڑتی تھی لیکن یہ کوئی پہلا موقعہ نہیں تھا جو وہ ان کا تلون طبع دیکھ رہی تھی۔ اس نے تجزیاتی ذہن پایا تھا۔ ماضی میں ان کا ہلکا پھلکا برتاؤ غالباً اس میں ذہنی تناؤ دور کر کے خود اعتمادی پیدا کرنے کی ایک کوشش تھی جس نے اپنا کام ضرور کیا تھا۔ ابتداء میں جو قدرتی جھجک اور التمش کی ذات سے مرعوبیت اسے محسوس ہوتی تھی اس میں اب کافی حد تک کمی آ گئی تھی۔ اس نے گھنٹوں ان سے بحث مباحث کئے تھے۔ ان سے اختلاف وانحراف کیا تھا اب بھی اگر وہ چاہتی تو صاف انکار کر سکتی تھی کہ کوٹھی میں آ کر رہنے والوں کی مہمان نوازی اس کی ذمہ داری نہیں تھی لیکن التمش کے روکھے پھیکے کاروباری انداز نے اسے بھی ضد پر آمادہ کر دیا۔ وہ اس مغرور شخص کو بتا دیگی کہ اس کی شخصیت کے اور بھی کئی پہلو تھے لیکن ان کے اگلے جملے نے اسے چونکا دیا۔

"میری طرف سے آپ اسے نئے جاب کا آفر سمجھ سکتی ہیں"۔

"نیا جاب!۔۔۔۔آفر!" کاکل کوٹھی اور کوٹھی کے مکینوں اور روزمرہ کی زندگی میں اتنی رچ بس گئی تھی کہ وہاں اپنی حیثیت بھول ہی گئی تھی۔ التمش کی طرف سے اس آفر نے اسے گنگ کر دیا۔

"آپ کے یہاں آنے سے پہلے میں نے کوشش کی تھی کہ اپنے اسکول کے زمانے کی ایک شفیق ریٹائرڈ استانی، مس پریرو، شہزاد اور زینو کی ذمہ داری سنبھال لیں لیکن تب ان کی مجبوریاں ایسی تھیں کہ انہوں نے معذرت کرلی تھی۔ اور جب انہوں نے رضامندی ظاہر کی تب آپ آچکی تھیں"۔

کاکل کے گلے میں پھندا سالگ رہا تھا"۔ تو آپ چاہتے ہیں اب مس پریرو ہی شہزاد اور زینو۔۔۔"

"Exactly" التمش نے دھیرے سے کہا "آپ غالباً سمجھ گئی ہونگی کہ ہماری ریسرچ کا عملی دور اب شروع ہونے کو ہے۔ آپ کی مصروفیات بڑھ جائیں گی۔ تب میں چاہتا ہوں کہ زینو اور شہزاد کا کوئی مناسب انتظام رہے"۔

ان کی بات سن کر کاکل کا دل دکھ گیا۔ حلق کا وہ بھرا ہوا پن جو کچھ دیر سے اسے محسوس ہو رہا تھا آنکھوں کی طرف سیال بن کر بڑھنے لگا۔ وہ پلٹ گئی التمش کا فیصلہ ہرگز نامناسب نہیں تھا۔ ایک آجر کی حیثیت سے وہ اسے ایک نیا جاب آفر کر رہے تھے جسے منظور کرنا یا نہ کرنا اس کے اختیار میں تھا۔ لیکن

وہ سراسر اس کی کمزوری سے فائدہ اٹھا رہے تھے۔ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ شہزاد اور زینو اس کی کمزوری بن چکے تھے۔ اور وہ ان ہی کو اس سے چھین رہے تھے۔ نہ صرف امتنا ہی بلکہ زینو اور شہزاد پر بھی یہ ظلم تھا۔ ان کی چھوٹی سی زندگیوں میں کاکل نے ایک رفیق، ایک ہمدرد ساتھی کی جگہ بنا لی تھی۔ انہیں اس سے محروم کیا جا رہا تھا۔ یہ جذباتی اور حسیاتی تشدد نہیں تو اور کیا تھا؟ وہ عاجل فیصلوں کی عادی نہیں تھی وہ چاہتی تھی کہ کھانے کے بعد اپنے کمرے میں پہنچ کر اس بارے میں سوچے تب ہی وہ طے کر سکے گی۔ رات ویسے بھی گہری ہو چکی تھی۔ اس کا خیال غلط تھا کہ التمش ہال تک نہیں پہونچے تھے دیر تو اسے وہاں آنے میں ہوئی تھی۔

التمش جب ڈائیننگ ہال میں پہنچے تھے تو وہاں کاکل نہیں تھی۔ انہوں نے سوچا کہ جب تک وہ لائبریری کا ایک چکر لگا کر دیکھ لیں کہ کونسی ڈاک آئی تھی۔ وہ تقریباً چار دن غیر حاضر رہے تھے۔ کافی ڈاک جمع تھی جس میں وہ ٹیلی گرام بھی تھا انہوں نے سوچا کہ جو کتابیں کاکل نے جلدی میں ٹیبل پر ہی رکھ چھوڑی تھیں انہیں اٹھا کر شیلف میں سجا دیں۔ لیکن پہلی ہی کتاب میں انہیں مسیح کی دی ہوئی وہ کونپل ملی جس کے ساتھ کاکل نے لکھا تھا Masih I miss you دیکھتے ہی دیکھتے ان کی شگفتہ مزاجی پرواز کر گئی کاکل کے بارے میں شک و شبہات جنہیں انہوں نے وہم سمجھ کر تقریباً بھلا دیا تھا۔ دوبارہ عود کر آئے۔ ابھی چند لمحوں پہلے انہیں جو شدت کی بھوک لگی تھی کافور ہو گئی۔ کاکل اس ساری واردات سے بے خبر اپنے دل میں ایک

بے نام سی امنگ لئے وہاں پہنچی تو ان کے دوستانہ بلکہ کسی حد تک والہانہ موڈ کو بالکل بدلا ہوا پایا۔

کھانا ان دونوں ہی نے زہر مار کیا ہوگا۔ وہ بھوک نہ ہونے کا بہانہ کر کے اٹھ کھڑی ہوئی اور ان کی اجازت لیتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف چلی گئی۔ آنسو پیتے، ایک ایک سیڑھی چڑھتے ہوئے اس نے مصمم ارادہ کر لیا کہ وہ التمش کے آفر کو ٹھکرا دیگی کیونکہ جس اسکیم سے زینو اور شہزاد خارج ہوں وہ اسے منظور نہیں تھی۔

لیکن اپنے فیصلے کے باوجود اس نے اگلے دن التمش سے کہا "مجھے آپ کا آفر منظور ہے لیکن میری بھی ایک شرط ہے"۔

"شرط"؟ ــــــــ ان کی تیوریاں چڑھ گئیں۔

"شہزاد اور زینو کی ذمہ داری مجھ سے واپس نہیں لی جائے گی"۔

التمش اسے کچھ دیر دیکھتے رہے۔ پھر انہوں نے اپنے مخصوص انداز میں شانے سکیڑ کر کہا "میں تو صرف آپ کی سہولت کی خاطر کہہ رہا تھا۔ ورنہ مجھے کوئی اعتراض نہیں"۔ "کب پہنچ رہے ہیں یہ لوگ؟" کاکل نے اپنی طمانیت چھپاتے ہوئے پوچھا۔

"کل، آپ نے تار غور سے نہیں پڑھا" ان کے لہجے میں تہدید تھی۔ "انہوں نے خواہش کی ہے کہ میٹو پالیم سے وہ ٹرین ہی سے اوٹی پہنچنا چاہتے ہیں۔ کل ہمیں انہیں رسیو کرنے کے لئے جانا ہوگا"۔

چھک چھک کرتی ٹرین کے ساتھ ہی اس خوشگوار یاد نے کاکل کو

ایک چٹکی سی لی۔ ابھی کل ہی کی بات جب ٹرین سے اوٹی آتے ہوئے پہلی بار اسے وہ احساس ہوا تھا جسے عام طور پر محبت کہا جاتا ہے۔ اس نے بہت کوشش کی تھی کہ التمش سے محبت کے اس اقرار کو اپنے دل میں جگہ نہ دے۔ خود کو جھٹلاتی رہے۔ لیکن اب یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح اس پر واضح ہوگئی تھی۔ جس سے انکار محض ہٹ دھرمی تھی۔ خوشی و مسرت انسان کو تجزیاتی نقطہ نظر عطا کرتی ہے۔ کاکل اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتی تھی کہ التمش کی قربت نے کئی بار اسے ایسے لمحے عطا کئے تھے جنہیں وہ اپنی زندگی کا حاصل سمجھ سکتی تھی۔ اس غیر مشروط اقرار کے بعد اس میں دو تبدیلیاں آئی تھیں۔ اس نے بالغ نظری سے طے کیا تھا کہ محبت یکطرفہ بھی ہو سکتی ہے کیونکہ اسے یقین تھا کہ التمش کی طرح کے لوگ محبت کو تضیعِ اوقات سمجھتے ہیں اور دوسری جانکاری کو اسی جانکاری کا ردعمل کہا جا سکتا تھا جو اس کے لئے زیادہ اہم تھی وہ یہ کہ خود کو التمش کا کھلونا بننے سے بچائے رکھے۔ اگر وہ اپنی انا میں سرشار تھے تو اسے بھی اپنی خودداری پر ناز تھا۔ محبت ایک لطیف جذبہ ضرور ہے لیکن وہ اپنی سطح سے گر کر اس کی پابجائی نہیں کر سکتی تھی۔ اور اب تو وہ خدشہ ہی ختم ہو چکا تھا۔ التمش نے خود ہی اس کے اور اپنے درمیان فاصلہ بڑھا لیا تھا۔ اس کی وجہ صاف تھی۔ انہیں محبت پیشے سے اور صرف اپنے پیشے سے تھی۔ ریسرچ کے ابتدائی مراحل، خاندانی بکھیڑوں کی یکسوئی، ماں باپ اور بہن کی مفارقت کا صدمہ۔ انکا دل جب ان مسائل سے فرار ڈھونڈتا تو انہوں نے کاکل کو دل جوئی کا سہل مرکز سمجھا تھا۔ اور کاکل کو یقیناً

اس کی شکایت ان سے تھی لیکن اب بیتے ہوئے لمحوں کی گرد جھٹکنے سے کوئی فائدہ نہیں تھا کیونکہ اس میں اس کی ناتجربہ کاری کا بھی دخل تھا۔ اور اب تجربے نے اعتماد اور خود پر بھروسہ کرنا سکھا دیا تھا جو اس کی سماجی اور انفرادی بقا کے لئے ضروری تھا۔ وہ کوئی سوہنی نہیں تھی کہ کسی مہیوال کے فراق میں کچا گھڑا لئے دریا میں کود پڑتی۔ اسے اتنا تو یقین تھا کہ زندگی میں اب کوئی اور ائتمش کی جگہ نہیں لے پائیگا لیکن وہ اپنے معصوم دل کی اس ٹھوکر کو زندگی اور موت کا سوال بنانا نہیں چاہتی تھی۔

مسیح کو گئے ہوئے پندرہ دن ہو گئے تھے۔ اسے کرسمس سے پہلے واپس ہونا تھا اور اب کرسمس کے لئے دو چار دن ہی بچے تھے وہ اگر موجود ہوتا تو کاکل کا ہاتھ بٹاتا۔ اب سب کچھ کاکل ہی کو کرنا تھا، کوٹھی میں رہائشی کمروں کی کمی نہیں تھی بلکہ اوپر والے کمروں کا مشرقی یونٹ یونہی بند پڑا رہتا تھا۔ یہ کمرے بھی اور کمروں کی طرح ہوادار اور کشادہ تھے۔ آنے والے مہمان بھی بھانت بھانت کے تھے۔ کاکل نے قیاس آرائی کی۔ تین مہمان جو مرد تھے۔ ان کے کمروں کی سجاوٹ کے بارے میں طے کرنا مشکل نہیں تھا۔ آرام دہ اور پریکٹیکل فرنیچر اور قالین اور پردے کافی تھے۔ لکھنے پڑھنے کے لئے ٹیبل کرسی اور روشنی کا انتظام ہر کمرے میں ضروری تھا۔ چینی آرکیالوجسٹ کے کمرے میں البتہ ضروری اشیاء کے ساتھ کاکل نے ایک دو چیزوں کا اضافہ کر دیا۔ مینٹل پیس پر پورسلین Laughing Buddha رکھ کر دیوار پر چینی Scroll لٹکا دیا جس پر بہترین چینی سوزن

کاری کی ہوئی تھی تاکہ چینی مہمان چیاؤ زو کو "گھر" کا لمس ملتا رہے۔ اس کے علاوہ ایک شلف میں ایک چھوٹا سا بجلی کا Tea Maker جیسمین چائے کا ڈبہ اور بہترین چینی فنجان بھی رکھ چھوڑے کیونکہ چینی چائے کے رسیا ہوتے ہیں۔

کیرن کے لئے البتہ زیادہ اہتمام کی ضرورت تھی کیونکہ عورت خواہ کسی عمر کی ہو زیادہ باریک بین اور نفاست پسند ہوتی ہے اس لئے کاکل نے خود اپنے کمرے سے کشمیری رائٹنگ بیورو جو بہترین صنعت کاری کا نمونہ تھا اٹھوا کر کیرن کے کمرے میں رکھوا دیا۔ کاکل نے اس کمرے کی کلر اسکیم اور فرنیچر پر بھی خاص توجہ دی تھی حالانکہ اس کے لئے اسے ڈرائیور کے ساتھ بازار جانا پڑا تھا تاکہ فرنیچر اور قالین کے مطابق پردے خریدے۔ پردے اسے خود سینے پڑے اتنے کم وقت میں کوئی ٹیلر اس کے لئے تیار نہیں ہوا تھا کیونکہ کرسمس کا کام ہی ان کے لئے بہت تھا اس نے لائبریری سے بائیبل کا ایک نسخہ کیرن کے بیڈ سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا۔ اس کا قیافہ کہتا تھا کہ کیرن وارڈ اس اہتمام کو ضرور پسند کریگی۔

جب التمش مہمانوں کو لئے واپس پہنچے تو کاکل بچوں کے ساتھ شام کی سیر سے واپس ہو رہی تھی۔ وہ سب ہی مہذب اور سنجیدہ قسم کے لوگ تھے۔

"میری ساتھی مس کاکل حسین" التمش نے تعارف کروایا۔

"فیو!! کس دنیا سے حاصل کیا ہے انہیں؟" امریکن نیل کرو کر نے سیٹی بجا کر گرمجوشی سے کاکل سے ہاتھ ملا کر کہا۔

مسکرا کر سر جھکاتے چینی ڈاکٹر چیاوزو کی کرنجی آنکھیں سلوٹوں میں چھپ گئیں ۔ فرانسیسی وردو نے جھک کر کاکل کے ہاتھ کو بوسہ دیا۔
انگریز کیرن وارڈ نے "Hi" کہا اور التمش کے شانے سے جھول گئی

"زینو اور شہزاد ۔۔۔۔ میرے دو توام بھانجے"۔
کاکل کو یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ زینو اور شہزاد نے خود ہی اپنے ہاتھ بڑھا دئے۔

" دو سے کیوں ملوا رہی ہو، ایک ہی سے تعارف کافی تھا" کیرن نے جھک کر ان کے رخساروں پر بوسے دئے۔ "یہ دونوں جڑواں ہیں نا" ؟
وردو نے انہیں بچپن میں دیکھا تھا۔ اس لئے سب کو بتایا کہ شہزاد نے کس طرح اس کے کپڑے گیلے کر دئے تھے۔
"اب تو میں باتھ روم جانے لگا ہوں" شہزاد نے فخر سے کہا۔
"میں بھی ۔۔۔۔" زینو نے بتایا۔
کیرن کاکل کی توقع کے خلاف کافی کم عمر تھی ۔ اسکی عمر بمشکل پچیس چھبیس سال ہوگی ۔ جبکہ وردو نے نوجوانی کے دور کو بہت پیچھے چھوڑ دیا تھا۔ نیل کروکر ایک آزاد منش نوجوان تھا چیاوزو کی عمر کا اندازہ لگانا مشکل تھا۔ چینیوں کی جلد ہی ایسی ہوتی ہے کہ درپردہ بڑھتی ہوئی عمر راز ہی بنی رہتی ہے

کیرن کا تعارف کراتے وقت التمش نے بتایا کہ وہ ان کے شفیق پروفیسر ایلکس وارڈ کی بیٹی ہے ۔ وہ " Pleistocene Geology "

کے بہت بڑے ماہر تھے۔ افسوس کہ جیالوجی کا یہ ماہر چلی کی کھدائیوں کی نذر ہو گیا تھا۔ "پروفیسر وارڈ آرکیالوجی" کے بہت ہی معتبر ماہر مانے جاتے تھے۔

خانساماں خاص کر وردو کی آمد سے بہت خوش تھا۔ دنیا اپنے قدردانوں کو کبھی نہیں بھلاتی۔ وردو نے اسے Cordon Bleu کا نام دے رکھا تھا جو کھانے پکانے کے فن کا اعلیٰ ترین ماہر مانا جاتا ہے

خانساماں اپنے فن کا مظاہرہ کرنے کے لئے بے چین تھا۔ کیونکہ عیسائی مہمانوں کی آمد پر التمش نے اپنی طرف سے کرسمس ڈنر دینا طے کیا تھا۔ جس میں اپنے کچھ قریبی حلقے کے لوگوں کو مدعو کیا تھا۔ ان میں فادر بینیڈکٹ بھی شامل تھے۔ جو Love Dale میں التمش کے پرنسپل رہ چکے تھے۔ گو انہیں ریٹائر ہوئے عرصہ گذر گیا تھا لیکن التمش نے اب بھی ان سے اپنے تعلقات قائم رکھے تھے۔ ان کی شخصیت بنانے میں فادر بینیڈکٹ کا بڑا حصہ تھا۔ اسی دن کوٹھی میں اگلی آمد مسیح کی تھی۔

"مسیح کب آئے؟" کاکل نے اسے اپنے دروازہ پر کھڑا دیکھ کر مسرت سے کہا

مسیح اسکے لئے بے لوث استقبال کو مسکراتا ہوا دیکھتا رہا۔

"یہ کیا عاشقوں کی صورت بنا آئے ہو۔ اچھے بھلے گئے تھے"۔ کاکل نے ٹھیک ہی کہا تھا۔ مسیح سرخ و سفید رنگ سانولا گیا تھا۔ اس رنگ پر اس کی نیلی آنکھیں اجنبی لگ رہی تھیں۔ لیکن جس چیز نے کاکل کو فکر مند کر دیا وہ اس کی آنکھوں میں گھلی مدھم سی اداسی تھی۔

"مسیح کیا بات ہے؟ ٹھیک تو ہو!" اس نے قریب پہنچ کر تشویش سے پوچھا۔

"بالکل ٹھیک ہوں، تم کیسی ہو کاکل؟" مسیح نے اپنے سوئے ہوئے انداز میں جان ڈالنے کی کوشش کرتے ہوئے پوچھا۔

"بندوں کی خدمت میں یہ حشر ہوتا ہے تو خدا کی خدمت میں کیا گت بنتی ہوگی؟" وہ اپنی چہل پر واپس آگئی۔ "تم خدمت خلق کے چکر میں گئے تھے نا؟"

"بندوں کی خدمت ہی خدا کی خدمت ہے۔ جہاں میں گیا تھا کاکل وہاں ہر طرف بد نصیبی، غربت اور بیماریاں ہی تھیں"۔

"اور تم وہ سب وہاں ختم کر آئے؟" کاکل کو مسیح کی حالت زار پر غصہ آنے لگا "میں کہتی ہوں انسان جب تک اپنی مدد آپ نہ کرے کوئی اس کا مقدر بدل نہیں سکتا"۔

"تمہارا خیال غلط ہے۔ کوئی زخم خود اپنا علاج نہیں کرتا۔ اگر کوئی اور اس کا مداوا نہ کرے تو وہ ناسور بن جاتا ہے۔ ہمارے سماج میں بہت سے لوگ ایسے ہیں جنہیں احساس دلانا پڑتا ہے کہ اپنے زخم کو ناسور نہ بننے دیں"

"تامش سے ملاقات ہوئی؟" کاکل اس وقت بحث کے موڈ میں نہیں تھی۔

"نہیں ابھی آیا ہوں، تمہیں یہ دینے چلا آیا"۔ مسیح نے اپنا ہاتھ آگے کر کے ایک نہایت ہی خوبصورت ڈبہ دیا۔

"میرے لئے تحفہ ہے؟" کاکل نے اشتیاق سے ڈبہ کھولا۔ ڈبے میں بند وہ ایک بیش قیمت جیڈ میں ترشا ہوا محبت کے دیوتا کیوپڈ کا مجسمہ تھا۔

"مسیح یہ میں نہیں لے پاؤں گی۔ یہ بہت قیمتی ہے" اس نے قطعیت سے کہا۔

"یہ جس چیز کا دیوتا ہے وہ اس سے بھی زیادہ قیمتی ہے کاکل" اس نے کاکل کے بڑھتے ہوئے ہاتھ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"جو کچھ بھی ہو مسیح۔ میں یہ نہیں لونگی۔ میں نے آج تک کسی سے اتنے قیمتی تحفے نہیں لئے۔ مسیح کچھ دیر اسے اداس نظروں سے دیکھتا رہا۔ اس کے لہجے کی قطعیت کو اس نے محسوس کیا۔ پھر بغیر کچھ کہنے سنے اس نے وہ مجسمہ کاکل کے ہاتھ سے لے لیا اور واپس جانے لگا۔

"مسیح" ۔ کاکل نے اسے روکا۔ اسے اپنی بے رحمی پر خود ہی غصہ آیا۔ مسیح ہی تو اس کا ایک سچا دوست تھا اس دنیا میں۔ اسے اس کے تحفے کو ٹھکرانا نہیں چاہئیے تھا۔ قیمتی تحفے غیروں سے نہیں لئے جاتے۔ مسیح تو اس کا اپنا مخلص دوست تھا جو دنیا کی ہر طمع اور ہر غرض کو ٹھکرا کر اس راہ کا رہرو تھا جو سیدھے خدا تک لے جاتی ہے۔

میں نے انکار کیا اور تم موقعہ غنیمت جان کر میرے تحفے سمیت چمپت ہو رہے ہو؟" اس نے مجسمہ مسیح کے ہاتھ سے چھینتے ہوئے کہا۔ کاکل نے وہ مجسمہ اپنے رائٹنگ ٹیبل پر سجا دیا جو اس نے کیرن کے کمرے میں رکھے بیورو کے بدلے خود رکھ لیا تھا۔ وہ مسیح کی آنکھوں میں پیدا ہوئی اس مدھم چمک کو

نہیں دیکھ پائی کیونکہ وہ پلٹ کر جا چکا تھا۔

مسیح دراصل اپنے مشن سے ناکام واپس لوٹا تھا۔ اس نے جذام بستی میں اپنی ٹیم کے ساتھ رات دن ایسے کام کیا تھا جیسے خود سے انتقام لے رہا ہو، وہ انتھک محنت کرتا تھا تاکہ کاکل کا خیال اس کے دل سے نکل جائے۔ پھر بھی اپنے اس درد کا مداوا نہ ڈھونڈ سکا جو اس کے اور خدا کے بیچ حائل ہو رہا تھا۔ آخر تھک ہار کر وہ واپس چلا آیا۔

مسیح کے جانے کے بعد کاکل کو رات کے کھانے کے لئے تیار ہونا تھا اس نے دیکھ لیا تھا کہ آنے والے مہمانوں میں کوئی ایسا نک چڑھا نہیں تھا کہ تندہی سے تیار ہونے کی ضرورت ہوتی۔ وہ سب اعلیٰ تعلیم یافتہ مفکر سادگی پسند تھے جو اونچی سوسائٹی کے نام نہاد اصولوں سے دور تھے پھر بھی ان کا وقار تھا۔

کاکل نے اپنا تازہ دھلا ہوا کانسی شلوار قمیص پہنا قمیص کا گلا اس کی پسند سے کچھ زیادہ ہی بڑا ہو گیا تھا جس کا اثر کم کرنے کیلئے وہ ہمیشہ ہی موتی کی وہ لڑی پہن لیا کرتی تھی جو اس کی ماں کو عزیز تھی۔ اس کی ماں کی وہی ایک نشانی تھی جو بکنے سے بچ گئی تھی کیونکہ فدا حسین اسے بے مایہ سمجھتے رہے تھے گو اس کا لباس سادہ تھا لیکن اس میں وہ مشرقی حسن کا ایک نمونہ لگ رہی تھی

جب وہ سب کے درمیان پہونچی تو التمش کو اچٹتی ہوئی نظر کچھ دیر کے لئے اس پر رک گئی تھی جسے صرف مسیح نے دیکھا تھا۔ پھر وہ حسب معمول مہمانوں سے محو گفتگو ہو گئے تھے۔

"کا کول" کیرن نے جوش سے کہا "کتنے خوبصورت موتی پہنے ہیں تم نے" وہ کاکل کے موتی چھو کر معائنہ کرنے لگی۔

"شکریہ" کاکل نے انکساری سے کہا "یونہی معمولی سے ہیں"۔

معمولی نہیں ۔۔ اچھے موتی ہیں " چیاوزو قریب آکر بولا "

Hanadarna یا بے نقص موتی تو ہزاروں میں ایک ہوتا ہے جیسی تم ہو

کاکل نے خجالت سے نظریں چرالیں مگر التمش سے نظر نہ چرا سکی جو چیاوزو اور اس کی طرف متوجہ ہوگئے تھے۔ اس کے چہرے پر گلابی ہر کو چڑھتا دیکھ کر وہ معنی خیزی سے مسکرانے لگے تھے۔

"چیاوزو۔ بوڑھے گیڈر" ۔۔ نیل کروکر بولا" تم اس خوبصورت لڑکی پر مرمٹے ہو۔ حالانکہ اس سے ہاتھ سب سے پہلے میں نے ملایا تھا۔"

چیاوزو ہنس پڑا اور اس کی آنکھوں کے کنارے جھریاں پڑ گئیں " لیکن گلے میں نے اسے پہلے لگایا ہے" چیاوزو نے شفقت سے کاکل کو لپٹا کر کہا۔

" تھینک یو انکل" کاکل نے ہنستے ہوئے" انکل" پر زور دے کر کہا اور ایک زوردار قہقہہ پڑا۔

" Hanadarna you have a Sense of

humour" چیاوزو بولا۔

چیاوزو نے اپنی عمر کا بیشتر حصہ امریکہ میں گذارا تھا لیکن اس کا لہجہ اور تلفظ اب بھی چینیوں جیسا تھا۔

کاکل کھانا چنوانے کے بہانے وہاں سے بھاگ نکلی۔
خانساماں نے لوازمات کی تیاری میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا تھا اس کی توجہ کا خاص مرکز اس کا مداح وردو تھا۔ "وردو کیا آتے ہی تم نے اسے رشوت دی ہے جو گھوم پھر کر تمہاری ہی طرف آرہا ہے"۔ التمش نے نیپکن کو ہونٹوں سے چھواتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں مردم شناس ہے۔ قدردانوں کو یاد رکھتا ہے" وردو نے لقمہ کو منہ میں رکھنے سے پہلے کہا دُنیا چھوڑتے ہوئے اسے بھی ساتھ لے جاؤں۔"

"پہلے اس کی تینوں بیویوں سے تو اجازت لے لو" التمش نے کہا" وہ وہاں تمہاری اچھی خبر لیں گی وہاں بھی تم اسے کیوں لے آئے۔"
ایسا لگتا تھا کہ سفر نے سبھی کی بھوک بڑھا دی تھی۔ حتیٰ کہ کیرن وارڈ بھی مغلئی کھانا ڈٹ کر کھا رہی تھی۔ کھانے کے بعد چائے اور کافی کا دور چلا۔ شام میں بارش کے بعد ٹھنڈ بڑھ گئی تھی۔ آتشدان میں مدھم شعلوں کی آنچ مزہ دے رہی تھی۔ کھانے کے بعد کاکل نے جھاڑ فانوس اور دوسری تیز روشنیاں بجھا دی تھیں۔ اب صرف ٹیبل اور ایستادہ لیمپوں کی مدھم روشنیاں جل رہی تھیں۔ وردو نے اپنا پائپ سلگا لیا تھا اور ٹہل کر دکر آتشدان کے قریب کھڑا چنگاریوں کو کرید نے لگا۔ کیرن التمش کی پسندیدہ کرسی کے برابر ایک عظیم کشن نما سیٹ میں دھنس گئی تھی۔ التمش نے اپنا سگار سلگانے سے پہلے کیرن کا سگریٹ جلایا۔ لائٹر کی روشنی میں کاکل نے

دیکھا کیرن کی نظریں اٹھیں اور عجیب انداز سے التمش کے چہرے کا طواف کر کے لوٹ گئیں۔ التمش کے چہرے پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ تھی جیسے کہ ان کی تمام تر توجہ کا مرکز کیرن ہی ہو۔ کاکل نے خود کو ٹوکا کہ اسے اس قدر تفصیل سے انہیں دیکھنے کی کیا ضرورت تھی۔

"تمہارے باغاں کی چائے مجھے بہت پسند آئی التمش" چیاوزو نے التمش سے کہا" اور ہاں تمہارا شکریہ خاص کر جیسمین ٹی کے لئے کرتا ہوں جس کا تم نے میرے کمرے میں انتظام کر رکھا ہے"۔ "شکریہ کی مستحق مس حسین ہیں" التمش نے کاکل کی طرف اشارہ کیا۔

"کاکول کو چیاوزو کے لئے کمرے میں افیون رکھنی چاہیئے تھی"۔ کیرن نے سگریٹ کا کش لے کر کہا۔ "یہ بھی تم انگریزوں ہی کی مہربانی تھی۔ اب وہ مزے کہاں" چیاوزو نے کیرن کی بات کا برا مانتے ہوئے کہا۔ وہ سب آپس میں بے تکلف معلوم ہوتے تھے۔ مگر چیاوزو مطلب کی بات کہہ ہی گیا۔

دو سو سال پہلے جب ہندوستان میں ایسٹ انڈیا کمپنی کا دور شروع ہوا تو انگریز چین سے اپنے لئے چائے لاتا رہا اور جب یہ شوق مہنگا پڑنے لگا تب انگریز ذہن رسا نے اپنی مشکل آسان کرنے کی ترکیب نکالی۔ ایسٹ انڈیا کمپنی نے ہندوستان میں افیون کی کاشت شروع کی جسے وہ چینیوں کو چاندی کے مول بیچنے لگے اور سستے داموں ان سے چائے وصول کرتے رہے۔ چینی افیون کے غلام بن کر رہ گئے۔ تب انگریزوں نے ہی اپنے مقتدر گاہکوں کو دنیا بھر میں بدنام کرنا شروع کر دیا کہ چینی افیونچی ہوتے ہیں۔ چینیوں کو

ہوش آیا تو انہوں نے اس خباثت کو روکنے کی کوشش کی جس پر انگریز مشتعل ہو گئے۔ اور چینیوں پر چڑھائی کر دی جسے تاریخ "تین افیونی جنگوں" کے نام سے یاد کرتی ہے۔ ہندوستان چنیا بیگم کے ستم سے آزاد رہا۔ یہ بھی انگریزوں کی چال تھی۔ انہوں نے ہندوستان میں افیون پر امتناع عائد کیا ہوا تھا تاکہ اپنی مقصد براری کے لئے محض چینیوں ہی کو اس کا عادی بنایا جائے

"جانتے ہو انگریز آج بھی دنیا میں سب سے زیادہ چائے پینے والی قوم ہے جو ہر سال ایک سو ملین کلو گرام چائے کی پتی استعمال کرتی ہے" کیرن نے فخر سے کہا۔

"کیرن تم نے ہمیں بھی بہت ستایا ہے" نیل کروکر بولا "لیکن ہم نے بھی تمہیں خوب مزہ چکھایا"

نیل کروکر کا اشارہ شہرہ آفاق تاریخی واقعہ سے تھا۔ جسے "بوسٹن ٹی پارٹی" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ جب انگلستان نے چائے پر ٹیکس بڑھا دیا تھا تو چائے سے لدے جہازوں کی چائے امریکی شہریوں نے بوسٹن کی بندرگاہ کے پانی میں پھینک دی تھی۔

کیرن نے اپنا سگریٹ ایشٹرے میں بجھایا اور ایسے پوز میں کھڑی ہو گئی جیسے صلیب پر چڑھ گئی ہو۔ سارا ہال قہقہوں سے گونج اٹھا۔

وردو کی رائے تھی کہ آج کی شام خوش گپیوں کے نام لکھی جائے اور کام کا سرا اگلے دن سے پکڑا جائے۔ سب نے رضامندی دیدی۔

کاکل نے جب اطمینان کر لیا کہ سب انتظام پلان کے مطابق چل رہا ہے تو ان سب کو ہال میں چھوڑا اور اپنے کمرے میں چلی گئی لیکن نیند اس سے ابھی دور تھی کیونکہ اسے صبح کی کلاس کے لئے شہزاد اور زینو کی کاپیاں تیار کرنی تھیں۔ وہ اپنے کام میں منہمک تھی۔ مخالف سمت کی کوریڈور میں کئی قدموں کی چاپ نے بتایا کہ آخرکار مہمان اپنے کمروں میں چلے گئے تھے۔ اسے وہ چاروں ہی پسند آئے تھے۔ جو ایک بہت ہی سنجیدہ پیشے سے تعلق رکھتے ہوئے بھی عام انسانوں کی طرح ہنستے بولتے، ایک دوسرے سے پر چوٹیں بھی کستے۔ پھر بھی ان کا ایک رکھ رکھاؤ تھا جو انہیں عام سطح سے اونچا کئے ہوئے تھا۔

دروازہ پر کھٹکا ہوا۔ کاکل پلٹی۔

"اندر آسکتا ہوں؟" التمش نے اجازت لی۔ کاکل نے بیاض بند کر دی اور کھڑی ہو گئی۔ التمش اندر چلے آئے۔ "میں ابھی ان سب کو ان کے کمروں میں چھوڑ آیا ہوں۔" انہوں نے وضاحت کی۔ "تمہارے کمرے میں روشنی دیکھی تو سوچا تمہارا شکریہ ادا کرتا چلوں"۔ میں نے ہر کمرے پر نظر ڈالی ہے۔ بہت ہی کم وقت میں تم نے بہت ہی اچھا انتظام کر دیا۔"

التمش کی تعریف نے اس کے دل کی دھڑکن بڑھا دی لیکن اس نے منہ سے کچھ نہیں کہا۔ کہتی بھی کیا۔ کمبخت گلابی لہر تھی جو روکنے کے باوجود چہرے پر چڑھی آرہی تھی۔

"تھینک یو ہیناڈرنا" انہوں نے چیاوزو کا دیا ہوا نام دہرایا اور جانے

کے لئے پلٹے۔ اچانک ان کی نظر کیوپڈ کے مجسمے پر پڑی۔ وہ تھا ہی اتنا خوبصورت کہ ان کی نظر چوک ہی نہیں سکتی تھی۔

"بہت خوب" التمش کے منہ سے نکلا اور انہوں نے وہ مجسمہ اٹھالیا اور اسے ہر طرف سے دیکھنے لگے "میں نہیں جانتا تھا کہ آرٹ میں تمہارا ذوق اتنا اونچا ہے" انہوں نے بے لاگ تعریف کی اور تبھی ان کی نظر مجسمے کے نیچے اس چھوٹی سی سل پر پڑی جس پر وہ اپنا ایک پاؤں جمائے کھڑا تھا۔ وہاں ایک کاغذ پر لکھا تھا "اس کے لئے جسے بھلانا ممکن نہیں" اور نیچے مسیح کے دستخط تھے۔ التمش نے باآواز بلند پڑھا گویا کوئی اہم دستاویز پڑھ رہے ہوں۔ کاکل نے خود ابھی تک وہ کاغذ وہاں چسپاں نہیں دیکھا تھا۔

"بہت قیمتی تحفہ ہے ــــــــ اور شائد اتنا اہم بھی" گو التمش نے اپنے لہجے کو سادہ بنانے کی کوشش کی لیکن وہ کانٹوں بھرا پیام کاکل کے سینے میں پیوست ہو گیا۔ "حیرت ہے مسیح نے واپس آکر مجھ سے ملنا ضروری نہیں سمجھا" ــ کاکل کہنا چاہتی تھی کہ مسیح کو آئے ہوئے ابھی چند گھنٹے ہی ہوئے تھے لیکن اس سے پہلے کہ وہ اپنا منہ کھولتی التمش جاچکے تھے۔

دو دن بے حد مصروف گذر گئے۔ اگر مسیح کی خاموش لیکن ٹھوس مدد شامل حال نہ ہوتی تو یہ دن کاکل کے لئے بہت کٹھن ہوتے لیکن وہ مسیح کی طرف سے فکر مند بھی تھی۔ اب مسیح وہ پہلا سا مسیح نہیں لگ رہا تھا۔ وہ اس سے کترا رہا تھا۔ اس کے ساتھ رہتے ہوئے بھی وہ کہیں دور رہتا۔ لیکن باغان اور اس کے کام وہ اسی مستعدی سے کر رہا تھا جو اس کا معمول تھا۔

کاکل اس کی طرف سے فکر مند اس لئے تھی کہ وہاں بس وہی ایک تو تھا جسے وہ اپنا رفیق و ہم نوا کہہ سکتی تھی جس سے بات کرنے میں اسے احتیاط برتنے کی ضرورت نہ تھی۔

"بی بی ۔ڈورا ایک بات بولتا" ۔۔ڈورا نے اس وقت آکر کہا جب وہ التمش اور دوسرے ممبروں کے ساتھ سری رنگا پٹنم جانے کی تیاری کر رہی تھی مسیح نے بچوں کا ہوم ورک کرانے کی ذمہ داری لے لی تھی۔

"ہوں ۔ کہو ڈورا" کاکل نے اپنے اوور نائٹ بیگ میں ضروری سامان ڈالتے ہوئے کہا۔ اسے ابھی فرسٹ ایڈ کا سامان بھی ساتھ رکھنا تھا۔ محض ایک احتیاطی تدبیر تھی ۔ ورنہ سری رنگا پٹنم کوئی جنگ کا میدان نہیں تھا۔ اور نہ ہی وہ فلورنس نائٹ انگیل تھی۔

"بی بی، مسیح کو اب تم اچ بچا سکتا" ڈورا نے کہا اور کاکل کے ہاتھ سامان پیک کرتے ہوئے رک گئے۔ "کیا کہہ رہی ہو ڈورا؟ کیا ہوا ہے مسیح کو" اس نے حیران ہو کر فکر مندی سے پوچھا۔

ڈورا کی چھوٹی چھوٹی آنکھوں کی عقابیت دکھ کے سایوں میں ڈھل گئی تھی۔

"وہ تم کو بھوت چاہتا بی بی ۔ بھوت جیادا چاہتا" ڈورا نے گویا بے بسی سے کہا۔

"ڈورا میں بھی تو اسے بہت چاہتی ہوں" اس نے دلاسہ دینے کے انداز میں اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"سچی ؟" ۔ڈورا کی آنکھوں میں جان سی آگئی ۔"تو پھر اس سے شادی بنالو نا؟"

"ڈورا!" کاکل نے ششدر ہو کر کہا "کہیں مسیح سے یہ بات نہ کہہ دینا وہ بہت خفا ہوگا۔ وہ پریسٹ بننے جارہا ہے ڈورا"۔

"ڈورا اسے پادری نہیں بننے دیگا وہ پادری کیسا بن سکتا ہے؟" ڈورا نے پاؤں پٹک کر کہا۔"وہ کیسا بن سکتا پادری؟" "وہ نہیں بن سکتا" اس کی آنکھوں کی عقابیت لوٹ آئی تھی۔

ڈورا اب تم جاؤ پلیز۔ مجھے بہت کام ہے" کاکل نے بے بسی سے کہا "اور ہاں زمینو اور شہزاد کا خیال رکھنا"۔ اسے چنداں یہ کہنے کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ ڈورا جب بھی تندرست رہتی حتیٰ الامکان کاکل کی مدد کرنے کی کوشش کرتی۔ لیکن اب عمر کے ساتھ وہ زیادہ سٹھیا رہی تھی۔ کاکل نے جھلا کر سوچا ڈورا نے کاکل سے کہا کہ مسیح کاکل سے پیار کرتا تھا تو اس میں نئی بات کیا تھی۔ مسیح سبھی سے پیار کرتا تھا۔ وہ پادری بننے جارہا تھا۔ خدا کے بندوں سے پیار کرنا اس کا شیوہ تھا۔ اور یہ بیوقوف بڑھیا کاکل سے کہہ رہی تھی کہ وہ مسیح سے شادی کرلے کیونکہ وہ اس سے پیار کرتا تھا۔ کاکل نے جلدی جلدی دوائیں اکٹھی کرتے ہوئے الجھ کر سوچا، اچھے بھلے مسیح کو یہ ایک دن پاگل کر کے چھوڑے گی۔ وہ بیگ اٹھا کر نیچے بھاگی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ دیر سے پہونچے اور التمش کے چہرے پر سوالیہ نشان دیکھے۔

اسے کیا خبر تھی کہ ڈورا جو کچھ کہہ رہی تھی سب سچ تھا۔ مسیح اپنے دل

کی بات کاکل سے نہیں کہہ پاتا تھا۔ وہ کسی اور سے بھی تو نہیں کہتا تھا۔ اس نے خود اپنی پوزیشن ایسی بنائی تھی کہ کاکل خود کو اس کے ساتھ بالکل محفوظ محسوس کرتی تھی۔ خدا کی دی ہوئی ساری خوبیوں کے باوجود سب کچھ تج کر اس نے خدمت خلق کا بیڑہ اٹھایا تھا۔

میسور بنگلور ہائی وے سے کوئی دس میل ادھر سری رنگا پٹنم کا وہ تاریخی شہر ہے جس نے ہندوستان کے ایک عظیم سورما ٹیپو کو جنم دیا تھا۔ حب الوطنی سے سرشار ٹیپو سلطان نے انگریزوں کی عیاری کو محسوس کیا اور ان سے ٹکر لی۔ اگر کچھ بے حمیت ہم وطن فرمانرواؤں نے اس سے دغا نہیں کی ہوتی تو ہندوستان کی تاریخ انگریزوں کی غلامی سے داغدار نہ ہوتی جس نے ہمارے قومی کردار کو بھی انحطاط پذیر کر دیا۔ اس کمزوری کے نشان آزادی کے چار دہائیوں کے بعد بھی باقی ہیں۔

لیکن تاریخ کے تشدد کا بدلہ کسی آنے والی نسل سے نہیں لیا جا سکتا۔ اگر یہ بات سچ نہ ہوتی تو آرکیالوجسٹوں کی اس ٹیم میں کیرن وارڈ موجود نہ ہوتی جس کے آباواجداد نے جو ایسٹ انڈیا کمپنی کے سربراہ تھے اور ٹیپو کے عظیم کردار کو مسخ کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ حتیٰ کہ خود ایک انگریز مورخ جیمس مل نے اقرار کیا کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے ڈائرکٹروں کو اصلی واقعات چھپانے میں یدِطولیٰ حاصل ہے۔

ٹیپو جیسے دور بین اور دوررس فرمانروا کو بقول انگریز مورخ، ظالم اور متعصب کہہ کر رد نہیں کیا جا سکتا۔ اسی لئے آج دنیا کے تین ہزار میوزیموں میں ٹیپو سے متعلق آثار موجود ہیں۔ جن میں پرتگال، اسپین، فرانس، نیدرلینڈ، انگلستان، آئرلینڈ اور ترکی شامل ہیں۔

وہ ٹیپو ہی تھا جس نے زراعت کو قوم کی شہ رگ قرار دیا تھا۔ اس نے ریشم کی صنعت کو فروغ دیا تھا۔ اس کا سب سے بڑا کارنامہ راکٹ کی

ایجاد ہے جو اس نے انگریزوں کے خلاف جنگ میں استعمال کئے ۔۔۔۔ غالباً انہی راکٹوں کی ٹکنالوجی کو پیش نظر رکھ کر ۔ ڈیڑھ صدی بعد جرمنی نے V2 راکٹ بنائے اور آج کے میزائل ICBM میں بھی انہی کا پرتو ہے ۔

بس یہی باتیں معرض بحث تھیں جب فورڈ پک اپ التمش اور ان کے ساتھیوں کو لئے آگے بڑھتی رہی ۔ کیرن پہلے ہی ڈرائیو کرتے التمش کے پہلو میں جا بیٹھی تھی ۔ کاکل نے سب سے پچھلی سیٹ پر چاوزو کے برابر بیٹھنا پسند کیا ۔ اس کی دوسری جانب وردو نے اپنا اڈہ جما لیا جبکہ درمیانی سیٹ پر نیل اپنے کیمرے سمیت بیٹھ گیا ۔

" مجھے انڈیا سے عشق ہو گیا ہے " کیرن نے التمش کے کندھے پر سر ٹکا کر کہا ۔۔۔ کاکل نے دیکھا وہ التمش سے قربت کا کوئی موقعہ ہاتھ سے جانے نہیں دیتی تھی ۔۔۔ وہ باہر دیکھنے لگی ۔۔۔ ہر طرف ہری بھری زمین پتہ نہیں کیوں اسے بالکل خزاں رسیدہ اور بنجر نظر آنے لگی ۔

" اس سے چوکنے رہو التمش " ۔۔۔ وردو نے کہا " دو سو سال پہلے اس کے آبا و اجداد نے بھی یہی کہا تھا " ۔۔۔

" اور تم ، نپولین کے وارث " ۔۔۔ کیرن نے قہقہہ لگایا " اپنے دوست ٹیپو کا SOS ملنے پر بھی اس کی مدد کو نہیں پہنچے ۔

" نہیں کیرن ایسے نہ کہو " ۔۔۔ چاوزو نے بناوٹی سنجیدگی سے کہا " اس وقت پانڈیچری کا فرانسیسی گورنر ڈوپلے زیادہ مقدس کام میں مصروف تھا " ۔۔

ایک اور قہقہہ گونجا۔۔کاکل بھی مسکرائے بغیر نہ رہ سکی ۔۔ کیونکہ ڈوپلے کے اس اسکینڈل کا ایک ضمنی ذکر اس نے ہی ریفرنس کی ایک کتاب سے مہیا کیا تھا۔ جس میں بتایا گیا تھا کہ تجارتی ایجنٹ موسیو وانسن کی بیوی جوٹنا جو سات بچوں کی ماں تھی کس طرح ڈوپلے کی منظور نظر بن گئی تھی۔ سرکاری کاموں میں اس کا عمل دخل بڑھا اور آخر کار وہی ڈوپلے کے زوال کا باعث بنی۔

"لیکن تھی وہ پکی عیسائی" ۔۔۔۔چاوزو بولا " دکن کے بادشاہ مظفر جنگ نے جب اپنے ولی عہد کے لئے اس کی سب سے چھوٹی بیٹی کا ہاتھ مانگا تو جوٹنا نے حقارت سے بادشاہ کی درخواست کو ٹھکرا دیا"۔

قرون وسطیٰ اور اس کے بعد کے دور کے دکن کی تاریخ چاوزو نے بغور پڑھی تھی۔

"اسی لئے کہتے ہیں۔سیاست سے مذہب کو الگ رکھنا چاہئیے ۔"۔ نیل بولا

"اور اگر مذہب ہی سیاست بن جائے؟" ۔۔۔۔وردو نے سوال اٹھایا

"تو دونوں ہی کو چھوڑ کر انسان کو محبت کر لینی چاہئیے" ۔۔۔۔ کیرن نے آسان راہ ڈھونڈ نکالی۔

میسور میں طے پایا کہ مہاراجہ کا محل دیکھا جائے اور وہیں لنچ لیکر آگے بڑھا جائے۔میسور کے مہاراجہ کا محل اپنی آغوش میں ماضی کے سنہری دور کی یادیں سموئے ہوئے ہے۔پرانی بنیادوں پر کھڑا موجودہ محل انگریز آرکیٹکٹ

ہنری اروِن نے مہارانی کے لئے پرڈیزائن کیا تھا۔ سرمئی سنگ خارا میں بنا یہ قابل دید محل اپنی مثال آپ ہے۔ وسیع دربار ہال کی عقبی دیوار پر مقامی مصوروں اور راجہ روی ورما کی شہرہ آفاق پینٹنگس بھی موجود ہیں۔ جنہیں نیل کروکر خاص طور پر دیکھنا چاہتا تھا۔ وہ جنوبی ہند کے آرٹ اور آرکیٹکچر۔۔۔ بالخصوص ٹمپل آرکیٹکچر کا دلدادہ تھا۔ راجہ روی ورما کی اچھوتی مصوری حسین رنگوں کا امتزاج۔۔ ان کا اپنا ہی بالکل جداگانہ رنگ تھا۔ ان کی بہت کم تصویریں مغربی ملکوں کے میوزیموں تک پہنچ پائی تھیں۔۔۔۔ ویسے بھی جنوبی ہند کی سادگی اور منکر المزاجی نے اپنی قدروں کو پھیلانے میں بڑھ چڑھ کر کبھی حصہ نہیں لیا۔ وہ سرشاری اور قناعت جو کسی جذبے کی تسکین سے حاصل ہوتی ہے وہ سدا ہی جنوبی ہند کے فن دانوں اور مصوروں کا خاصہ رہی۔

روی ورما کے بارے میں ایک خیال یہ بھی ہے کہ مصوری میں اُن کا رجحان جنس کی طرف زیادہ تھا۔ لیکن کوئی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ ان کا آرٹ دیکھنے والے کے حیوانی جذبات کو برانگیختہ کر کے اسفل جذبات کو بھڑکانے کا مرتکب ہے۔۔۔ کھجوراہو کے دیس میں روی ورما پر یہ الزام بہت بچکانی لگتا ہے۔ ویسے کہنے والے تو مونالیزا کی پاک مسکراہٹ کو شہوانی رنگ دے دیتے ہیں۔۔۔ مائیکل انجیلو کی کلیسائی تصویروں میں بھی یہ محرکات ڈھونڈے جا سکتے ہیں۔

دیوان عام، دیوان خاص، کلیان منڈپ صرف سرمایہ داری کے

عجائب نہیں بلکہ ایک عظیم تاریخی دور کی یادگار ہیں۔

سہ منزلہ محل کے بے شمار کمروں کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کے ایک حصہ کو ہوٹل میں تبدیل کر دیا گیا تاکہ سیاحوں کو سہولت رہے۔ طے پایا کہ وہیں کھانا کھا کر آگے بڑھا جائے۔ وہاں مغلئی، کانٹی نینٹل ہر طرح کے کھانے موجود تھے لیکن سب نے خالص جنوبی کے لذیذ کھانے کھائے۔

التمش سب کو کرشنا راج ساگر دکھانا چاہتے تھے جسے ہندوستانی انجنیر وسویشورایا کے فن کا معجزہ کہا جاتا ہے۔

برنداون گارڈن کے وسیع احاطے میں زور دروں سے ابلتے ہوئے فواروں، خوبصورت روشوں اور نگہداشت کئے پیڑوں کے درمیان کسی فلم کی شوٹنگ ہو رہی تھی۔ ہیرو، ہیروئن، پھدکتے۔ اچھلتے، پیڑوں کے اطراف دوڑ لگاتے، کوئی گیت گا رہے تھے۔ اور ایک خاردار جھاڑی کے پیچھے ویلن نتھنوں سے آگ اگلتا انہیں تاک رہا تھا۔ ہیرو بار بار ہیروئین کے بالوں میں گلاب کی کلی ٹھونسنے کی کوشش کرتا اور وہ بگٹٹ بھاگ نکلتی۔

" یہ رک کر اس کی بات سن کیوں نہیں لیتی ؟ " ـــــ کیرن نے اکتا کر کہا۔

" اس کے پاس ہوگا ہی نہیں کچھ کہنے کو سوائے I love you " کے التمش بولے " ـــــ اتنی سی بات کہنے کو لوگ یہاں عمر گزار دیتے ہیں " ۔

" تم بھی تو ہندوستانی ہو " ـــــ کیرن نے چوٹ چلی۔

" ہاں، کہونگا کسی دن " ـــــ کاکل کی طرف اپنی اٹھتی ہوئی

نظر کو پھیر کر انہوں نے کہا "اور بھی کام ہیں دنیا میں محبت کے سوا" ۔۔۔اور کیرن کسی خوش آئند خیال سے مسکرا اٹھی ۔

نیل کر دکر تصویریں لینے میں مشغول تھا ۔۔کاکل ، وردو اور چیاوزو کے ساتھ نکل گئی ۔

"اس بار ایسا لگتا ہے التمش کیرن سے بچ نہیں سکے گا" ۔وردو نے کہا اور کاکل کی نظریں ابلتے ہوئے فوارے پر جم گئیں ۔

Hanadarna تم نہیں جانتیں" ۔۔۔چیاوزو بولا "ان کا معاشقہ بہت پرانا ہے ۔۔۔ کیرن کا یہاں ہمارے ساتھ چلا آنا ہی اسکا ثبوت ہے ورنہ کیرن اور آرکیالوجی ۔۔۔!" ۔۔

کاکل کو بھی کیرن یا التمش سے کیا واسطہ تھا ۔۔۔۔ وہ سینکڑوں معاشقے کرتے پھریں ۔۔۔اف! مگر یہ آنکھ میں تنکا سا کیا چلا گیا تھا!

"تو کیا کیرن آرکیالوجسٹ نہیں ہے ؟" نا چاہتے ہوئے بھی اس نے پوچھا

"کیرن بیالوجسٹ ہے ۔۔۔اپنے فادر ایلیکس وارڈ کے ساتھ وہ ایک بار ایکسپڈیشن میں شامل ہوئی تھی ۔ تبھی سے التمش کا جادو اس پر چلا ہوا ہے ۔

اور التمش ۔۔۔۔؟، وہ پوچھنا چاہ رہی تھی لیکن پوچھنا بیکار تھا ۔اس نے خود صاف التمش کی آواز سنی تھی کہ کسی دن وہ دل کی بات زبان پر لے آئیں گے ۔۔۔ وہ کچھ دیر کے لیئے وہیں فوارے کی دہلیز پر ٹک گئی ۔۔تکان صرف چلنے والوں کو نہیں ہوتی ۔۔ذہنی سفر بھی نڈھال کر دیتا ہے ۔

دور، کاکل نے دیکھا کیرن بھی سنگ مرمر کے ایک چبوترے پر بیٹھ گئی تھی۔

"اچھا ہوا میں نے پیناڈرنا کو بتادیا" ۔۔۔چیاوزو، وردو کے ساتھ آگے بڑھ گیا تھا۔

"تم بہت سنگدل ہو اسٹون ایج آرکیالوجسٹ (Stone Age Archaeologist)" وردو نے اسے کہنی مار کر کہا۔

"مجھے اس کی آنکھوں میں پلتا وہ خواب توڑنا ضروری تھا۔۔اس سے پہلے کہ وہ التمش جیسے پتھر سے اپنا سر توڑے، میں نے اسے خبردار کر دیا کیا تم نے دیکھا نہیں کہ وہ بھی التمش سے پیار کرنے لگی ہے؟"۔۔

"ٹھیک کیا تم نے۔۔۔۔وہ بہت معصوم ہے۔اچھا ہی ہے جو اس کا بھرم ٹوٹ جائے"۔۔۔وردو نے بالآخر چیاوزو سے اتفاق کیا۔

"اب ہمیں چلنا چاہیئے"۔۔۔التمش نے کیرن کا ہاتھ پکڑ کر اٹھاتے ہوئے کہا۔۔۔کیرن نہ صرف التمش کا سہارا لیکر اٹھی بلکہ ان کے سینے سے بھی جا لگی جیسے سنبھلنے کی کوشش کر رہی ہو۔۔۔۔کاکل کے تخیل میں کھنڈر کے وہ لمحات جگے جو اس نے التمش کی باہوں میں گزارے تھے۔گرتے ہوؤں کو سنبھال کر اور بھی زیادہ گہرائی میں پھینک دینا کیا ان کی عادت تھی! اس نے رندھے ہوئے گلے سے سوچا۔ان لمحات نے التمش اور ان کی شخصیت کو ایک معمہ بنا دیا تھا۔اور یہ معمہ پیچیدہ تر ہوتا جا رہا تھا۔التمش نے کیرن کی دونوں بانہیں پکڑ کر اسے خود سے کچھ دور روک دیا تھا۔شائد ان کی مشرقیت کھلے

عام عشق کے اظہار کی اجازت نہیں دیتی تھی۔ بظاہر کیرن کو بھی ان کا یہ عمل بد اخلاقی نہیں لگا کیونکہ وہ اپنا ہاتھ التمش کی بانہہ میں پھنسائے چلنے لگی تھی۔ یا پھر ان کا ربط اتنا مستحکم تھا کہ رسمی اخلاقی حدوں سے گزر کر بے تکلفی تک پہنچ گیا تھا جہاں ایسی چھوٹی موٹی باتوں کو درگزر کر دیا جاتا ہے۔

سلطان حیدر علی ۱۷۸۱ء میں انتقال کر گئے۔ ان کے بعد ان کا بیٹا ٹیپو تخت نشین ہوا۔ ٹیپو سلطان نے تہیہ کر لیا تھا کہ انگریزوں کی غلامی کا طوق اپنی مادر وطن کے گلے سے اتار پھینکے گا۔ ٹیپو سلطان نے افغانستان کے زماں خاں ابدالی اور فرانس کے شہنشاہ نپولین بونا پارٹ کو اپنی کاوش میں ساتھ دینے کے لئے پیغام بھیجا لیکن دونوں ہی ٹیپو کی مدد کو نہیں پہنچ پائے۔ زماں خاں ابدالی کو غداروں کی عیاری نے آدھے راستے سے ہی واپس لوٹا دیا جبکہ نپولین خود انگریزوں سے برسرپیکار تھا۔ لارڈ کارنوالس نے ۱۷۹۲ء میں سری رنگا پٹنم کا محاصرہ کیا۔ حیدر آباد کے نظام اور مرہٹوں نے ہم وطنوں کے خلاف انگریزوں کا ساتھ دیا۔ اس طرح میسور کی تیسری جنگ لڑی گئی۔ یکہ و تنہا ٹیپو کمزور پڑ گئے۔ اور کارنوالس نے انہیں شکست دیدی۔

اس شکست کو ٹیپو بھلا نہ سکے کیونکہ اس شکست میں ذلت بھی شامل تھی ـــــ انگریزوں نے نہ صرف ان سے تین کروڑ روپئے وصول کئے بلکہ ٹیپو کو اپنے دو بیٹے بھی انگریزوں کو بطور یر غمال دینے پڑے۔

سری رنگا پٹنم کو دریائے کاویری گویا اپنی باہوں میں لئے ہوئے ہے دریا ایک مقام پر دو شاخوں میں بٹ جاتا ہے جو آگے چل کر دوبارہ مل جاتی ہیں ـــــ دریا کی دو باہوں کا میل، یہی وہ سنگم ہے جس کے قریب ہی Sallyport Gate پر میسور کی چوتھی المناک جنگ لڑی گئی اور ۴۔ مئی ۱۷۹۹ء کو ٹیپو نے یہیں جام شہادت پیا اور تاریخ وفات نکلی۔

ٹیپو بوجہ دین محمد شہید شد

التمش نے اس نظم کا اردو ترجمہ اپنے ساتھیوں کو سنایا جو انہوں نے میسور میں دسہرے کے موقع پر منعقدہ ایک مشاعرے میں سنی تھی۔

گہر کی طرح سے پاکیزہ ہے سرنگاپٹم
جہاں بلند کیا تو نے حریت کا علم
یہ سرزمین ہے وہ جس کی پاک گردن میں
بڑی حیا سے حمائل ہے رود کاویری
یہ سچ ہے حور شمائل ہے رود کاویری

کہ جنگ گاہ میں جاتے ہیں جب بھی اے سلطاں
جیالے تجھ سے، جوانمرد اور جری تجھ سے
ہتھیلیوں پر سروں کے دیئے جلائے ہوئے
تو جنگ گاہ خود ان پر نثار ہوتی ہے

جو کوئی سن سکے، سن سکتا ہے پکار اس کی
لہو بہا ہے جو سنگم پر سر فروشوں کا
یہ وہ لہو ہے جسے گنج شائیگاں کہیئے

سحر کو جب تری شمشیر بے نیام ہوئی
حریف کے لئے بس زندگی کی شام ہوئی

جو شمع تونے جلائی ہے اے شہید وطن
اسی سے آج بھی اپنے یہاں اجالا ہے

کاکل کو التمش کے حافظے پر رشک آیا۔ اس کے والد خود بھی اس مشاعرے میں شریک تھے۔ اور واپس آنے پر کاکل کو مشاعرے کا حاصل وہ نظم سنائی تھی۔

ٹیپو ان عظیم ہستیوں میں سے تھے جو ناکام ہو کر بھی فاتح کہلاتی ہیں۔ نظم کے ترجمے نے سب کو متاثر کر دیا۔ ٹیپو سلطان واقعی شیر کی طرح جیئے اور شیر ہی کی طرح مرے۔ اس کی گواہی دریا دولت محل میں موجود وہ تصویریں دیتی ہیں جو انگریزوں ہی کی بنائی ہوئی ہیں۔ ایک تصویر میں غدار میر صادق ہے جو سامنے کو جھک کر سلطان کو سلام کر رہا ہے اور پیچھے مڑ کر انگریزی فوج کو آگے بڑھنے کا اشارہ کر رہا ہے۔۔۔۔ میر صادق نے ہی سلطان کے باہر نکلتے ہی قلعے کا دروازہ بند کر دیا تھا۔ یہی وہ نمک حرام تھا جس کے بارے میں خود جنرل میڈوز اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ دوپہر کے وقت جنرل بیرڈ اپنی فوجوں کو خندق سے لیکر نکلا اور قلعے کی فصیل پر چڑھا تو بیرڈ کی رہنمائی میر صادق کر رہا تھا۔

صادق از دکن
ننگِ آدم، ننگِ دیں، ننگِ وطن

دریا دولت محل کی اندرونی اور بیرونی دیوار میں ستونوں پر کسی زمانے میں چاندی کا پتر چڑھا ہوگا جن پر طلائی نقوش ہونگے۔ البتہ اب بھی اس کی دیواروں پر چند نہایت ہی معنی خیز تصاویر موجود ہیں جو فن مصوری کا لاجواب نمونہ ہیں۔ ان میں بعض آرتھر ولزلی (ڈیوک آف ولنگٹن) کی بنائی ہوئی ہیں ان میں ہندوستان کے اس وقت کے امراء وزراء اور ان کے طرز معاشرت کو اجاگر کیا گیا ہے۔ ان میں نانا فرنویس پیشوائے پونا۔ محمد علی والا جاہ۔ نظام الملک، بالیا بنو، نواب کڑپہ وغیرہ کی تصویریں ہیں۔

ایک پینٹنگ دیکھ کر کاکل ہی نہیں بلکہ کیرن بھی ملول ہو گئی۔ اس تصویر میں سلطان کے دونوں شہزادوں پرنس عبدالخالق اور پرنس معزالدین کو انگریزوں کے حوالے کیا جاتا دکھایا گیا ہے۔ ان دونوں شہزادوں کو میر غلام علی لنگڑہ کی معیت میں انگریز کیمپ میں بھجوایا گیا تھا۔

اس موقع پر التمش اور انکے تینوں ساتھیوں میں بحث سی چھڑ گئی نیل کا دعویٰ تھا کہ اس نے میدر براؤن کی بنائی ایک تصویر دیکھی تھی جس میں خود ٹیپو نے ساتھ لیجا کر شہزادوں کو انگریزوں کے حوالے کیا تھا۔ اور کاکل سوچ رہی تھی کہ تکنیکی باریکیوں میں الجھ کر کوئی یہ غور نہیں کر رہا تھا کہ اس وقت ایک غیور باپ کے دل کی کیا حالت ہوگی جو اپنے جگر گوشوں کو خود غنیم کو سونپنے پر مجبور ہو گیا تھا۔ ان معصوم نازو نعم میں پلے شہزادوں کی آنکھوں میں کیسی حیرانی اور کیسا خوف نہیں ہوگا کیا انہیں اس وقت اتنی سمجھ ہوگی کہ کیوں انہیں انسان نہیں بلکہ کسی جنس کی طرح بارٹر کیا جارہا تھا

یہ سب سوالات تاریخ کی سفاکی کے آگے بے محل ہو جاتے ہیں جانے کتنی تہذیبیں آئیں ــــــ طاقتور حکمران اٹھے محلات بنے جو سب کھنڈروں میں تبدیل ہو چکے ہیں۔ آج کی نسلیں ان کا سراغ لگانے میں سرگرداں ہیں۔ ہو سکتا ہے سینکڑوں سال بعد آنے والی نسلیں ان کا سراغ لگانے میں اپنے سر دھنیں جو آج مصروف کار ہیں۔ کون جانے تب کونسا کھنڈر کسکی کہانی کہے!

"چھوٹا ڈرنا میں کچھ تمھاری مدد کروں؟" چیاوزو نے کاکل کے ہاتھوں سے بھاری گلدان لیتے ہوئے کہا۔ اسے اس پراسرار لڑکی سے انس ہو گیا تھا۔ اسکی باریک بین نظروں نے کاکل کے دلی جذبات کو تاڑ لیا تھا۔ ساتھ ہی وہ اسکی متانت اور سنجیدگی کا مداح بھی تھا۔ جہاں تک عیاری کا سوال تھا، کیرن اور کاکل کو کوئی مقابلہ نہیں تھا۔ چیاوزو سمجھ نہیں پارہا تھا کہ التمش نے کیرن میں ایسی کیا خوبی دیکھی جو کاکل پر اسے ترجیح دے رہے تھے۔ لیکن وہ کون ہوتا تھا کسی پر عدالت بیٹھانے والا۔ ! آج کی دوسروں کے مسائل سے لاتعلق دنیا میں یہی کیا کم تھا کہ اسنے کاکل کو متنبہ کر دیا تھا۔

اسنے کاکل کو بتایا کہ عرصہ پہلے اسنے اپنا وطن چھوڑ دیا تھا۔ اب وہ امریکن شہری تھا۔ پھر بھی وطن کی یاد اسکے دل سے نہیں نکل پائی تھی۔ اسکا خیال تھا کہ یکشاگان کے جو مکھوٹے اس نے سری رنگا پٹنم میں دیکھے تھے انہوں نے اسے گھر کی یاد دلادی تھی۔ چین کے Lion Dancers بھی اسی طرح کے مکھوٹے پہنتے تھے اور رقص کے وقت انکے حرکات و سکنات میں بھی کافی مشابہت تھی۔

چیاوزو، کاکل کے ہاتھ سے ڈسٹر لیکر شو کیس میں رکھی چیزوں کو چمکا کر رکھتا جارہا تھا۔ اسمیں کچھ ایسے سوونیئر تھے جنہیں التمش دنیا کے مختلف مقامات سے لے آئے تھے۔ ان میں شامل ایک بڑی نایاب چیز تھی جسنے اسکی توجہ اپنی طرف مبذول کرلی ایک موتی تھا جو سیپ میں اپنی تکمیل کو نہیں پہنچ پایا تھا۔

"دیکھو بیناڈرنا۔" چیاوزو نے کاکل کو متوجہ کیا۔ "انسانی کردار بھی ایسا ہی ہوتا ہے، اپنی تکمیل کو نہیں پہنچ پاتا۔ یہ سچ ہے کہ مکمل صرف خدا کی ذات ہی ہے اور بس۔۔۔۔۔"

کاکل اسکے قریب پہنچ کر وہ موتی دیکھنے لگی۔ اس جہاندیدہ چینی کی ہر بات سے دعوتِ فکر دیتی تھی۔ کاش وہ کچھ دن اور وہاں ٹھہر پاتا لیکن ان سب کی واپسی کے دن قریب آرہے تھے۔ ایک طرح سے آج کا ڈنر وداعی ڈنر تھا۔ جسکا انتظام کاکل کے سر تھا۔

مسیح کافی دنوں بعد واپس آیا تھا اور التمش اپنے ساتھیوں میں مصروف تھے۔ باغاں کے کئی مسائل رکے پڑے تھے۔ جنہیں نپٹانے میں مسیح جٹ گیا تھا۔ مسیح باغاں میں صرف مینیجر کا کام ہی نہیں دیکھتا تھا بلکہ وہاں کام کرنے والے ہر فرد اور اسکے خاندان کی بہبودی بھی اسکے پیش نظر رہتی تھی۔ یہ سلسلہ اختر بخت کے زمانے سے ہی چلا آرہا تھا۔ عجیب عجیب مسائل اسکے سامنے آتے تھے جنہیں وہ حل کرنے کی کوشش کرتا۔ ان دنوں باغاں میں کام کرنے والے ایک کاہل شخص کی بے حسی نے اسے پریشان کیا ہوا تھا۔ چھ

بچوں اور ایک بیمار بیوی کے باوجود وہ کام سے کتراتا تھا۔اور گھر میں فاقوں کی نوبت تھی ۔اسے کام سے عذر اس لئے تھا کہ اجرت بہت کم تھی ۔اور جب مسیح نے کسی بہانے اجرت زیادہ دینے کا وعدہ کیا تو کہنے لگا "اگر اجرت زیادہ دوگے کام بھی کمر توڑ لوگے "۔اور مسیح کے اصول بغیر محنت کے پیسے دینے کے خلاف تھے ۔وہی شخص بار بار محنتی کارندوں کو بہکانے کی کوشش کرتا۔اس نے پھر فتنہ مچایا ہوا تھا۔

رات کے ڈنر پر مسیح بھی موجود تھا۔ یاناں کی کھلی اور صحتمند ہوا نے اسکا کھویا ہوا رنگ روپ واپس لوٹا دیا تھا ۔ گہرے نیلے سوٹ میں اسکی آنکھوں کی نیلاہٹ اور بھی زیادہ بڑھ گئی تھی ۔ کوئی وہاں مسیح کی موجودگی کو نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔

"ہلو پڑوسی" ۔کاکل نے چپکے سے کہا "اتنے دن بعد نظر آئے ہو خدا کو کیا منہ دکھاؤ گے ؟"

"تمھاری کھنڈروں میں بھٹکتی روح کے لئے دعا کر رہا تھا" ۔ مسیح کی خوش دلی واپس آگئی تھی ۔

وقت مقررہ پر سبھی مہمان جمع ہوگئے ۔ روشنی کی جگمگاہٹ نے ہال کی خوبصورتی کو چار چاند لگادئے تھے ۔آج نیل ،چیاوزو اور وردو نے بھی موقع کا لحاظ کر کے اپنے لباس پر توجہ دی تھی ۔ نیل کے گھنے گھنگھرالے بال جو ہمیشہ اسکے کانوں اور گردن کو ڈھکے رہتے تھے ۔آج سلیقے سے جمے تھے ۔ وردو نے اپنے کوٹ کے کالر میں خوش رنگ پینزی سجایا ہوا تھا۔

التمش کو کاکل نے برآمدے کی نیم تاریکی میں پہلے ہی دیکھ لیا تھا۔ گہرے سرمئی سوٹ میں انکی مردانہ وجاہت خود اپنے آپ کو آئینہ دکھا رہی تھی۔آج کاکل نے طے کر لیا تھا کہ ہال میں نظریں اٹھاکر بھی انکی طرف نہیں دیکھے گی۔اسکی وجہ کیرن بھی تھی جو اپنے ہوش ربا حسن کے ساتھ انکا سایہ بنی ہوئی تھی۔اسنے آج تیار ہونے میں بڑے اہتمام سے کام لیا تھا۔سیاہ تافتے اور شیفان کے گاؤن میں اسنے اپنے شانے بالکل کھلے چھوڑ دئے تھے۔کانوں میں یاقوت کے گوشوارے اور گردن سے کچھ نیچے پہنچتا تنہا یاقوت ہی کا ایک لاکٹ۔

کاکل نے جان بوجھ کر آج شوخ رنگ پہننے سے احتراز کیا تھا۔وہ نہیں چاہتی تھی کہ کسی کی توجہ کا مرکز بنے۔اسنے ہلکی آسمانی شیفان کی ساری پر اکتفا کی جس پر کہیں کہیں مقیش کے ستارے چمک جاتے۔اس پر بہت ہی خوش وضع چاندی کے بندے اور چاندی ہی کی زنجیر میں پڑا میچنگ لاکٹ۔یہ سیٹ اسنے اوٹی ہی کی ایک دکان سے خریدا تھا جو اسے بیحد پسند آیا تھا اور دام بھی مناسب تھے۔پھر بھی مجموعی طور پر اس سادگی کے باوجود اسکی شخصیت اتنی ابھر آئی تھی کہ سبھی کی تعریفی نظریں اس پر اٹھ رہی تھیں۔وہ اتنی توجہ کی عادی نہیں تھی۔اسکی جبیں عرق آلود ہونے لگی۔

آج ڈورا نے بھی اپنا خاص لباس پہنا تھا۔وہی سات گز کی سفید چادر جس کے آنچل پر ٹوڈاوں کی مخصوص سیاہ اور سرخ ریشمی دھاگوں کی کڑھائی۔

ابھی کھانا چنے جانے میں وقت تھا۔تب تک مشروبات، خشک

میوے اور ریشمی کبابوں کا دور چلتا رہا۔ سبھی جانتے تھے کہ مغرب میں عرصہ دراز تک رہنے کے باوجود التمش کو شراب سے رغبت نہیں تھی جبکہ وردو کے فرانس میں نارمنڈی کے قریب پشتوں سے چلے آرہے انگور کے باغ تھے جہاں شراب کشید کی جاتی جسکا دنیا کی بہترین شمپئین میں شمار ہوتا تھا۔ اسکا تاریخی سلسلہ پانچ سو سال سے بھی پرانا تھا۔ لیکن التمش کے جذبات کے احترام میں اسنے بھی کوٹھی میں کھلے عام شراب نہیں پی تھی۔ شراب کا جو اسٹاک وہ ساتھ لایا تھا وہ اسکے کمرے سے باہر کبھی نہیں آیا حالانکہ التمش کو اس پر کوئی اعتراض نہیں تھا۔ مے نوشی میں اسکے دوسرے ساتھی اسکے کمرے میں ہی اسکا ساتھ دیتے۔ کبھی کبھی التمش بھی انکے ساتھ خوش گپیوں میں شامل ہوجاتے۔

دوسرے مہمانوں میں فادر بینے ڈکٹ اور چیف کنزر ویٹر آف فاریسٹ مادھوراو مدھول بھی شامل تھے۔ فادر بینے ڈکٹ نہ صرف عیسائیوں کے پیشوا تھے بلکہ انکی بڑی ہمہ جہتی شخصیت تھی۔ فلکیات و سماوات کے بارے میں انکا علم اور تجربہ قابل تحسین تھا۔ اور مجسمہ سازی کے میدان میں انکی تنقید اور تجربہ تو بڑی اہمیت کا حامل تھا۔

اسکے علاوہ ہر سال اوٹی کے "روز شو" میں انہی کے گلاب سر بلند رہتے تھے۔ وہ اسکول میں التمش کے پرنسپل رہ چکے تھے۔ اور اب سبکدوش ہونے کے بعد انہوں نے خود کو کلیسا کے لئے مختص کر دیا تھا۔ وہ مسیح کے بڑے قدردان تھے۔ کنفیشن باکس، میں دو تین بار مسیح کا "اقبال جرم" سننے کے

بعد جب انہوں نے کاکل کو دیکھا تو انکی سمجھ میں آگیا کہ مسیح جیسا متین و حلیم نوجوان کیوں اپنے ہوش گنوا بیٹھا۔ انہیں مسیح سے ہمدردی تھی۔ انہوں نے اسے بتایا بھی تھا کہ پادری بننا اسکے لئے لازم نہیں تھا وہ چاہتا تو اپنا ارادہ بدل سکتا تھا کیونکہ اسکے آخری مراحل ابھی باقی تھے۔ خود کاکل کے جذبات مسیح کے بارے میں کیا تھے وہ نہیں جانتے تھے۔ اس لڑکے نے خود کو بکھیڑے میں پھنسا دیا ہے۔ وہ داونچی کی شہرہ آفاق پینٹنگ Last Supper کے روبرو کھڑے یہی سوچ رہے تھے کہ التمش انکے آگے بھونے ہوئے پستوں کی پلیٹ لئے پہنچے۔ داونچی کی اس مشہور پینٹنگ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ انکی حواری بھی شریک طعام تھے۔ رومن فوجیوں کے ساتھ پہلے سے طے شدہ سازش کئے ہوئے غدار جوڈاز نے اٹھکر انکی جبین مقدس پر بوسہ ثبت کیا اور اس طرح گویا مسیح کی شناخت کردی۔ رومنوں نے فوراً مسیح کو گرفتار کر لیا اور صلیب پر چڑھا دیا۔

وہ خون ابن مریم جگمگا اٹھا صلیبوں پر
وہ زہر آلودہ بوسے دوستی کے رنگ لے آئے

التمش نے فادر کو شعر سنایا۔ فادر نہ صرف اردو بلکہ فارسی بھی اچھی طرح جانتے تھے۔

"حق کا راستہ اکثر موت کی طرف جاتا ہے" فادر التمش کی طرف متوجہ ہوئے "سینٹ لارنس کو بھی آہنی چادروں پر بھون دیا گیا تھا"۔

"لیکن زندگی میں بعض موقع ایسے آتے ہیں فادر کہ حق و باطل کی تمیز

مٹ جاتی ہے۔ فیصلے مشکل ہو جاتے ہیں"۔ مسیح بولا۔

"فیصلے تو پھر بھی کرنے ہی پڑتے ہیں مسیح"۔ التمش نے کہا" ورنہ سایوں کے پیچھے دوڑ کر انسان کہیں نہیں پہنچتا"۔ کیا التمش اسے خبردار کر رہے تھے۔؟

"تمھارا خیال صحیح ہے تامش"۔ مسیح نے کہا" لیکن زندگی میں ٹریجیڈی سے بھی تو مفر نہیں"۔

"میجر ہمایوں کی بات کر رہے ہیں آپ؟" چیف کنزرویٹر آف فارسٹس مادھوراو گلاس تھامے وہاں چلے آئے۔"آدم خور شیر کے ہاتھوں انکی موت سچ مچ ایک بڑی ٹریجیڈی تھی۔"

آپ تو کہہ رہے تھے کہ وہی سچویشن پھر پیدا ہو گئی ہے؟" فادر نے مادھوراو کے مطابق بات کا دھارا موڑا۔

"ٹھیک ہی تو ہے۔ مادھوراو بولے" یہ سب ان کمبخت پوچروں کی وجہ سے ہے جو جانوروں کی کھالوں کے لئے انہیں مارتے ہیں۔ اکثر زخمی ہو کر بچ نکلنے والا شیر آدم خور بن جاتا ہے۔ یا پھر وہ بوڑھا ہو جائے اور اسکی چستی پھرتی میں کمی آجائے تو بھی وہ آدم خور بن جاتا ہے"۔

التمش اور مسیح غور سے مادھوراو مدھول کی بات سن رہے تھے۔ وہ جس سچویشن کی بات کر رہے تھے اسکا التمش کے خاندان سے بہت گہرا تعلق تھا۔ اسی ظالم المیہ نے انکی عزیز ترین بہن کو بیوہ، اسکے معصوم بچوں کو یتیم انکے والدین کو زندگی کا سب سے بڑا صدمہ اور انہیں خود اپنی طرز زندگی کا

دھار اموڑنے پر مجبور کر دیا تھا۔

"ہم جلد ہی اخبار میں اسے مارنے والے کے لئے انعامی اشتہار نکالنے والے ہیں۔" مادھوراو بولے۔

"مسٹر مدھول اس کام کی اجازت اس بار آپ مجھے دیں" التمش بولے سب خاموش ہو گئے اور مسیح نے چونک کر انہیں دیکھا۔ کیا التمش ایک اتفاقی حادثے کا بدلہ شیر کی ساری نسل سے لینا چاہتے تھے۔ یہ کس طرح کی تسکین تھی! ۔ مسیح کو انکا عندیہ بالکل بچکانی لگا۔ وہ جانتا تھا کہ التمش کا نشانہ قابل تعریف کبھی نہیں رہا تھا۔

"پھر بھی" ۔ مادھوراو "قاعدے کے مطابق اخبار میں اشتہار تو دینا ہی ہوگا" ۔ انہیں بھی التمش کے آفر پر حیرت ہوئی کیونکہ التمش جنگلی جانوروں کے تحفظ کی ایسوسی ایشن کے ممبر تھے۔ خیر اسکا اطلاق آدم خور شیر پر نہیں ہوتا تھا۔ لیکن انکے فیصلے سے پتہ چلتا تھا کہ وہ اپنے خاندان کے المیے کو بھول نہیں پائے تھے۔

"ضرور اشتہار دیجئے گا" ۔ التمش بولے "لیکن اس سے پہلے مجھے ایک موقع ملنا چاہیئے" ۔ مادھوراو مدھول التمش کا اٹل عندیہ دیکھکر صرف شانے سکیڑ کر رہ گئے۔ اور مسیح نے سوچا کہ کہیں التمش نے آج پی تو نہیں رکھی ہے۔

ڈنر کے بعد چائے اور کافی کا دور چلا۔ دلچسپ باتوں کا سلسلہ ختم ہوا اور سارے مہمان رخصت ہوئے۔ نیل وردو اور چیاوزو نے خاصکر اپنے

کمروں میں جانے سے پہلے کاکل کا شکریہ ادا کیا۔

التمش اپنے مہمانوں کو خدا حافظ کہنے کے لئے کیرن کے ساتھ ہی باہر نکل گئے تھے۔ کاکل بھی نوکروں کو ضروری ہدایات دیکر اوپر اپنے کمرے میں چلی گئی۔

اس نے کپڑے تبدیل کئے، شب خوابی کا لباس پہنا لیکن تھکان کے باوجود نیند اسکی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ اس نے بتی بند کر کے پردے ہٹائے اور بالکونی میں نکل آئی۔ آسمان یوں بھی ابر آلود ہو رہا تھا اور ہوا بالکل بند تھی۔ پھر بھی ماحول میں ہلکی سی خنکی تھی جو اسے اچھی لگ رہی تھی۔

"میں ضرور چلتا تم سب کو خدا حافظ کہنے کے لئے۔" التمش کہہ رہے تھے "لیکن کل ہی میرے لیگل ایڈوائزر آنے والے ہیں"۔

"ایسا لگتا ہے میرے آنے سے تمھیں خوشی نہیں ہوئی"۔ کیرن بولی۔

"تمھارا آنا برا بھی تو نہیں لگا"۔

"التمش تم کس مٹی کے بنے ہو"۔ کیرن نے زچ ہو کر کہا۔

"ہندوستانی مٹی کا بنا ہوں کیرن"۔ انکا ٹالنے والا انداز کاکل خوب جان گئی تھی۔ "اور یہی تو تمھیں سمجھانے کی کوشش کرتا ہوں"۔

"ہندوستانی مرد کیا عورتوں میں دلچسپی نہیں لیتے؟"۔ سوال صاف اور سیدھا تھا۔

"ہندوستانی مرد، عورت پن میں دلچسپی لیتے ہیں"۔ التمش نے قہقہہ لگا کر کہا۔ گویا اب بھی انہیں گفتگو کی سنجیدگی منظور نہیں تھی۔

"تو کیا میں تمھیں عورت نہیں لگتی۔؟"

" تم عورت ہو کیرن ۔بہت زیادہ عورت ہو۔لیکن میں عورت پن کی بات کر رہا تھا۔" اس بار انہوں نے بات کو سنجیدگی سے دور رکھنے کی کوشش نہیں کی۔

" التمش اب وہ التمش نہیں ہو جو تھے"۔ کیرن نے شکایت کی۔

" میں وہی ہوں کیرن، تم بدل گئ ہو۔تب تم شادی کو وبال سمجھتی تھیں جب بل تم سے شادی کرنا چاہتا تھا"۔

" بل، بل تھا تم نہیں تھے"۔

" پھر بھی تم نے بل کے ساتھ رہنا شروع کر دیا تھا"۔

میں نے تمھیں جلانے کے لئے کیا تھا۔تب بھی اگر تم کہتے تو میں اسے چھوڑ کر واپس آجاتی۔"

التمش نے برجستہ قہقہہ لگایا۔مجھے جلانے کے لئے؟ میں نے تو تم سے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ میرا شادی کا کوئی ارادہ نہیں۔"

تم نے ڈیڈی کے مرتے وقت ان سے کہا تھا کہ تم میرا ساتھ دو گے"

" اسی لئے سچے دوست کی طرح رائے دے رہا ہوں کہ بل سے شادی کر لو"۔التمش نے سمجھایا۔" وہ تمھیں بہت چاہتا ہے۔"۔

" اور ۔۔۔اور تم اپنی اس ہاوس کیپر کے ساتھ گل چھرے اڑاتے رہو گے"۔ کیرن نے بپھر کر کہا۔کاکل سکتے میں آگئی۔

" کیرن!۔التمش نے سختی سے ٹوکا" اسے بیچ میں مت لاو" کاکل نے چاہا

اندر چلی جائے ۔ دریچے بند کر لے لیکن زمین نے گویا اسکے قدم جکڑ لئے تھے ۔

" میں جانتی ہوں تم اسے پیار کرنے لگے ہو " ۔ کیرن نے مصر ہو کر کہا ۔

" اور کچھ ؟ " ۔ التمش نے ہنسکر کہا جیسے کیرن کوئی ناممکن بات کر رہی ہو ۔

اور ، میں دعوے سے کہہ سکتی ہوں کہ وہ بھی تمھیں چاہتی ہے

پتہ نہیں تم اپنی انا میں اور کتنے دل ٹھکراوگے التمش " ۔ کیرن نے ٹوٹتے ہوئے لہجے میں کہا ۔ " مجھے ایک سگریٹ دو " ۔

کاکل نے سگریٹ جلانے کی آواز سنی ۔

" گڈ بائی التمش " ۔ کیرن نے اجازت لی ۔

" چلو میں تمھیں تمھارے کمرے تک چھوڑ آؤں " ۔

" نہیں ضرورت نہیں " ۔ کیرن بولی " ہاں کبھی تمھارا یہ مغرور سر کسی کی محبت کے آگے جھک جائے تو مجھے ضرور اطلاع دینا " ۔

التمش نے کیرن کو منانے کی کوشش نہیں کی ۔ کاکل جہاں تھی وہیں دم سادھے کھڑی رہی حتیٰ کہ قدموں کی چاپ دور ہوتے ہوئے معدوم ہو گئی ۔

لیکن جو قدم کاکل کے دل کے راستے پر بڑھ آئے تھے انکا کیا ہو گا ۔ وہ نہیں جانتی تھی ۔

مسیح التمش کے مہمانوں کو بنگلور ہوائی اڈے سے روانہ کر کے واپس آیا تھا۔ جہاں سے وہ نیشنل آرکائیوز سے استفادہ کرنیکے لئے دہلی گئے تھے۔ انکی روانگی کے بعد التمش نے ہمنت راو کو بلوایا۔ شہزاد اور زینو کے لئے جو ٹرسٹ قائم کرنا تھا اسمیں کچھ پیچیدگیاں تھیں جنہیں سلجھانا تھا۔ اختر بخت کی وصیت میں ڈورا اور مسیح کے نام بھی تھے۔ خیراتی اداروں اور ہسپتال کے لئے رقمیں مختص کی گئی تھی۔ التمش نے آرکیالوجیکل ٹیم کے آنے کی وجہ سے اس اہم کام کو کچھ دنوں کے لئے ملتوی کر دیا تھا جسے اب پایۂ تکمیل کو پہنچانا تھا۔

اس بیچ ایک بار مسیح انہیں ہمنت راو کے ساتھ مصروف دیکھکر لوٹ گیا۔

اگلی بار جو مسیح آیا تو وہ کمرے میں بندوقیں صاف کر رہے تھے۔

"مس وارڈ لندن واپس ہو گئیں"۔ مسیح نے خود بھی ایک بندوق سنبھالی اور صاف کرتے ہوئے بولا۔ "باقی تینوں دلی"۔

" Good Show" التمش بولے، وہ بندوقوں میں گم تھے۔

بندوقوں میں ایک دو اتنی قدیم تھیں کہ انکی Antique Value تھی۔ کچھ بہت قدیم پستول بھی تھے جنہیں اختر بخت نے محاذ پر حاصل کیا تھا۔ انہیں سجا کر دیوار پر لگا دیا گیا تھا۔ اسکے علاوہ کچھ مروج بندوقیں اور پستول تھے جو اختر بخت کو عزیز تھے۔ یہ کمرہ ایک فوجی ہی کا ہو سکتا تھا۔

"التمش میں کچھ کہنا چاہتا ہوں"۔ مسیح نے ۱۲ بور کا سیفٹی کیچ کھول کر اندر جھانکتے ہوئے کہا۔

"تمھیں کچھ کہنے کی اجازت کی ضرورت تو نہیں"۔ التمش بولے۔ انکا تعلق ہی ایسا تھا جہاں ان تکلفات کی ضرورت نہیں تھی۔

"آپ شیر کے شکار کا ارادہ دل سے نکال دیں"۔ مسیح نے بغیر تمہید کے کہا۔

التمش کام روک کر کچھ دیر مسیح کو دیکھتے رہے۔ پھر بولے۔

"تم جانتے ہو مسیح میں اپنے ارادے بدلا نہیں کرتا!"

"اس علاقے کے لوگوں میں اگر کوئی جانتا ہے تو اس خاندان کے لوگ جانتے ہیں کہ آدم خور شیر کا شکار کس حد تک خطرناک ہوتا ہے"۔ مسیح نے شاہ نور کے شوہر میجر ہمایوں کی موت کی طرف اشارہ کیا۔ آج وہ التمش کی بات سننے نہیں بلکہ اپنی سنانے آیا تھا۔

"آدم خور شیر کے لئے بندوق بھی تو خطرناک ہوتی ہے!"۔

"نشانہ چوک بھی تو سکتا ہے"۔ مسیح نے قدم جمائے۔

"میں نے شکار بیشک نہیں کیا لیکن شوٹنگ...."

"جانتا ہوں"۔ مسیح بولا "آپ نشانہ بازی کے مقابلے جیتے ہیں لیکن سامنے ٹارگٹ پر نشانہ لگانا اور بات ہے اور جنگل میں آدم خور شیر کا سامنا کچھ اور"۔

"کیا اسی لئے تم چاہ رہے ہو کہ میں اپنا ارادہ بدل دوں"

"ایک اور بات ہے" ۔

"کیا" ۔ التمش نے تیوری چڑھا کر پوچھا۔

"مجھے ڈر ہے تامش کہیں تاریخ خود کو نہ دہرائے" ۔ مسیح نے صاف صاف کہا۔

"مسیح یہ تم وہمی کب سے ہو گئے ؟" ۔ التمش نے مسیح کے خلوص پر ذرہ برابر شک نہیں تھا۔

"آپ جانتے ہیں نور مجھے کتنی عزیز تھی" ۔ التمش مسیح کو غور سے سنتے رہے ۔ " میں نہیں چاہتا وہ منحوس حالات پھر دہرائے جائیں ۔ اور بخت خاندان یوں ملیامیٹ ہو جائے" ۔

"جس وجہ سے تم مجھے منع کر رہے ہو اسی وجہ نے مجھے شکار کا عزم دیا ہے" ۔ التمش اٹل تھے ۔

"آپ ایک حیوان سے بدلہ لینا چاہتے ہیں" ؟ ۔ مسیح نے تانت پوچھا۔

"میں نہیں چاہتا کہ ایک حیوان پھر کسی عورت کا سہاگ چھینے ، پھر کچھ معصوم بچوں کو اپنے آنسو اپنی ہی آستینوں سے پونچھنے پڑیں" ۔ التمش نے کہا۔

"یہ کام کوئی اور بھی تو کر سکتا ہے" ۔ مسیح نے بحث کی ۔

"وہ ، کوئی اور اختر بخت کا بیٹا یا نور کا بھائی تو نہیں ہوگا!" انکے لہجے میں کسیلا پن تھا۔ مسیح انہیں غور سے دیکھتا رہا۔ وہ ان کی ضد سے واقف تھا

"تامش میں نے بچپن اور لڑکپن آپ کے ساتھ ہی گذارا ہے ۔ آپکی

ضد اچھی طرح جانتا ہوں۔ لیکن مجھے بھی کبھی اپنی ضد پوری کرنے کا حق ملنا چاہئیے"۔

"کیا تمھارے حقوق اسی طرح باقی نہیں ہیں جو ڈیڈی نے دیئے تھے؟

مسیح کا بڑھتا ہوا اصرار التمش کے لئے نئی چیز تھی۔

"آج ایک حق میں آپ سے حاصل کر کے رہونگا"۔ مسیح کی آنکھوں میں استقلال تھا "اگر آپ شکار پر جائیں گے تو میں بھی آپ کے ساتھ چلونگا"۔ اس نے اپنا فیصلہ سنا دیا اور پلٹ کر کمرے سے باہر چلا گیا۔

○○○○○○

مادھو راؤ مدھول نے اپنا وعدہ پورا کیا اور اخبار میں اشتہار دینے سے پہلے التمش کو آدم خور شیر کو مارنے کی اجازت دیدی۔ اسکے لئے باقاعدہ اجازت نامہ جاری کیا کیونکہ عام شکار پر پابندی تھی۔

شیر کے بارے میں متعدد کہانیاں بچوں کو سنائی جاتی ہیں کہ شیر آیا اور اس نے میمنے کو چیر پھاڑ دیا۔ یا پھر کسی مچھر نے شیر کو سبق پڑھایا۔ لیکن جب دو بدو شیر سے ملاقات ہوتی ہے تو اسکی ہیبت اور رعب سے سامنے والا پتھر بن جاتا ہے حتیٰ کہ سرکس کے رنگ میں بھی جب شیر داخل ہوتا ہے تو تماش بینوں میں پل بھر کے لئے سکوت قائم ہو جاتا ہے۔

التمش نے لڑکپن میں کئی بار شیر کے شکار میں حصہ لیا تھا لیکن اب وہ وائلڈ لائف کے بقا کے حامیوں میں سے تھے۔ لیکن جہاں انسانی زندگیوں کو جانوروں سے خطرہ لاحق ہو جائے وہاں ضروری اور مناسب اقدام کی ضرورت ہوتی ہی ہے۔ کم از کم مہذب دنیا نے اپنی حفاظت کے یہی اصول بنائے ہیں

التمش نے مسیح کے انداز میں ٹالنے والی بات دیکھ لی تھی انہیں مسیح کی شرط ماننی پڑی۔ کہ وہ تبھی شکار پر جا سکتے تھے جب وہ بھی ساتھ ہو۔ انکے شش و پنج کی وجہ صرف یہ تھی کہ وہ مسیح کی جان خطرے میں ڈالنا نہیں چاہتے تھے کیونکہ مسیح بھی کوئی ماہر شکاری نہیں تھا۔ اسے شروع ہی سے جانوروں کو بلا وجہ مارنا اچھا نہیں لگتا تھا۔ ویسے بندوق وہ چلا لیتا تھا اور اسکا نشانہ کم از کم التمش سے تو اچھا ہی تھا۔

مسیح نے التمش کی ذہنی کیفیت کو اچھی طرح سمجھ لیا تھا۔ وہ کسی بھی

قیمت پر اس درندے کو مارنا چاہتے تھے ۔ شائد اپنی جان کی بازی لگانے پر آمادہ تھے ۔ اسے تعجب تھا کہ التمش جیسا شخص جو ہر بات کو عقل کے پیمانے پر تولنے کا عادی تھا کس طرح اتنا جذباتی ہو گیا کہ خود کو بلاوجہ خطرے میں جھونک دے ۔ ہو سکتا ہے اسکا ذمہ دار انکا زخم خوردہ ضمیر ہو کہ جب انکے خاندان کو انکی ضرورت تھی وہ دنیا کے کسی دور دراز حصے میں اپنے شوق کی تکمیل کر رہے تھے جو اب انکا پیشہ بن چکا تھا ۔ اور اب شائد شدت جذبات میں وہ ایک جانور کو اپنا رقیب سمجھنے لگے اور خود کو خطرے میں جھونک رہے تھے ۔ اور مسیح یہی نہیں چاہتا تھا ۔ حالانکہ میدان عشق میں التمش ہی اسکے تنہا رقیب تھے ۔

شائد انکا بیچ نہ ہوتا تو وہ کاکل کی محبت حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ کاکل اسے پسند کرتی تھی لیکن انس اور محبت کے درمیان کا فاصلہ کبھی پاٹا نہیں گیا ۔ اسکی شخصیت کے ٹکڑے ٹکڑے ہوئے جا رہے تھے ۔ اسکی کبھی ہمت ہی نہیں ہوئی کہ حقیقت کی تلاش کرے ۔ حقیقت کی تلاش اکثر ایسے مقام پر پہنچا دیتی ہے جہاں سے واپسی ممکن نہیں ہوتی ۔ اب بھی یہ ممکن تھا کہ کاکل التمش کی طرف سے مایوس ہو کر اسکی محبت قبول کر لے مسیح نے اپنی کشتی تاراج نہیں ہونے دی تھی ۔

ڈورا مسیح کے التمش کے ساتھ جانے کی سخت خلاف تھی ۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ اسکا اکلوتا بیٹا کسی اور کے لئے جان جوکھم میں ڈالے ۔ وہ خواہ

التمش ہی کیوں نہ ہو۔

"آئی تم بھول جاتی ہو کہ برسوں تم نے بھی اسی خاندان کا نمک کھایا ہے"۔

مسیح نے سمجھایا۔اسے اس بات کا افسوس تھا کہ اسکی ماں کی وفاداری اور محبت تھی تو نور کے ساتھ یا پھر اپنے کنبے کے ساتھ۔دوسروں کے ساتھ وہ صرف اپنا فرض نبھاتی تھی

"اسے اپنے کھیسے سے مت نکالنا"۔اس نے مسیح کو روکنے میں ناکام ہو کر بادل ناخواستہ اسکی جیب میں کوئی شئے ڈال کر کہا۔مسیح نے وہ چیز نکال کر دیکھی۔وہ ایک دھات کا بنا بھینسے کا سر تھا۔مسیح کو اس بات کا بھی افسوس تھا کہ اسکی ماں عیسائی ہونے کے باوجود اپنے قبیلائی توہمات میں الجھی رہتی تھی۔پھر بھی وہ اسکے جذبات کو ٹھیس نہیں پہنچانا چاہتا تھا اسلئے اس نے خاموشی سے وہ تعویذ واپس اپنے جیب میں رکھ لیا۔اور التمش کے ساتھ روانہ ہو گیا۔سوائے ڈورا کے انکے ارادوں کو گھر میں کوئی نہیں جانتا تھا۔

التمش اطمینان اور سکون سے جیپ چلاتے رہے۔انکے انداز سے ایسا لگتا تھا جیسے جنگل سیر کو جارہے ہوں۔البتہ ساتھ بھری ہوئی بندوقیں اور کارتوسوں کی پیٹی کوئی اور کہانی سناتی تھی۔جنگل کے دامن میں مختصر دیہاتی جھونپڑے خالی ہو چکے تھے۔آدم خور شیر کا پڑوس کون پسند کرتا ہے؟۔

ابھی جنگل کا ابتدائی چھدرا ماحول ہی چل رہا تھا کہ کسی جانور کا نچا ہوا ڈھانچہ پگڈنڈی سے کچھ دور نظر آیا جو اس بات کی نشانی تھی پچھلی رات قریب

ہی کسی گاؤں سے شیر اپنا شکار اٹھالایا ہوگا۔ لیکن اس وقت اسکا وہاں موجود ہونا بعید از قیاس تھا۔آدم خور شیر کی عادات و خصائل بدل جاتے ہیں۔غالباً انسان کا خون چکھ لینے کے بعد اسکی سرشت میں بھی چالاکی اور کمینہ پن شامل ہوجاتا ہے وہ اتنی آسانی سے سامنے نہیں آتا۔چکمہ دیکر نکل جاتا اور پھر موقع دیکھ کر اپنا کمین گاہ سے شکار پر جھپٹ پڑتا ہے۔

اس جنگل کا چپہ چپہ التمش اور مسیح کا جانا بوجھا تھا۔ گو اس پہچان کو عرصہ گزر گیا تھا پھر بھی شہروں کی طرح جنگل اپنے چہرے نہیں بدلا کرتے انکے لینڈ مارک انکی نشانیاں وہی باقی رہتی ہیں۔

جیپ کی بے پناہ رفتار گھنے ہوتے جنگل کے ساتھ ساتھ کم ہوتی جا رہی تھی۔اچانک ایک گل دم بلبل آکر جیپ کے بانیٹ پر بیٹھ گئی۔التمش نے پل بھر کے لئے جیپ روک لی۔ کتنی عجیب بات ہے کہ جس جنگل میں خونخوار درندے بستے ہوں، وہیں قدرت نے ان بے ضرر معصوم پرندوں اور چوپایوں کو بھی بسایا ہے جو خود اپنی مدافعت نہیں کر سکتے۔دنیا کے لئے بھی یہ امید افزاء نشانی ہے۔ہو سکتا ہے کبھی ایسا وقت بھی آئے جب دنیا میں مجبور کو طاقتور سے خطرہ نہ ہو

گلدم کے بارے میں مشہور ہے کہ نر اور مادہ دونوں مل کر اپنے بچوں کی نگہداشت کرتے ہیں جبکہ اور پرندوں میں مادہ ہی اپنے بچوں کی افزائش کی ذمہ داری سنبھالتی ہے۔التمش نے گلدم کے استقبال میں جیپ روک رکھی گرم ریڈئیر کے باوجود گلدم بلبل وہاں کچھ دیر ٹکی رہی۔شائد وہ اپنے بچوں کے

لیے غذا تلاش کرتے کرتے تھک گئی تھی۔

کل دم کے اڑ جانے کے بعد وہ کچھ ہی دور گئے ہونگے کہ مسیح نے التمش کے بازو پر ہاتھ رکھ کر آگے اشارہ کیا جہاں برسات سے گیلی زمین پر شیر کے پنجوں کے نشان تازہ معلوم ہوتے تھے جو صاف اس بات کی نشانی تھے کہ شیر ابھی ابھی وہاں سے ہو کر گزرا تھا۔ ساتھ ہی ٹیڑی آواز نے اور بھی انہیں خبردار کر دیا کہتے ہیں جس جنگل میں شیر ہوں ٹیڑی چوبدار کا کام کرتی ہے با ادب با ملاحظہ ہوشیار!

التمش اور مسیح نے اپنی اپنی بندوقیں سنبھال لیں اور چوکنا ہو گئے۔ التمش دھیرے دھیرے جیپ کو آگے بڑھاتے رہے تاکہ کسی ایسا مقام پر پہنچ جائیں جہاں شیر انکی زد میں رہے۔ایک مقام پر انہوں نے جیپ روک دی جہاں انکے پیچھے کافی اونچی چٹانیں تھیں اسلئے اس طرف شیر کا خطرہ نہیں تھا۔ لیکن کافی انتظار کے باوجود شیر کا نام و نشان نہیں تھا اور نہ ہی کوئی جانور عام کہاوت ہے کہ جس جگہ سے ہو کر جنگل کا بادشاہ شیر گزر جاتا ہے وہاں کی گھاس پر بھی منہ مارنے کی مجال کسی اور جانور کی نہیں ہوتی۔

شام ہونے لگی تھی۔پرندوں کے جھنڈ، طرہ، حسینی پدہ، کستوری طوطے اپنی اپنی پناہ گاہوں کو لوٹ رہے تھے۔جنگل کی دوسری آوازیں جاگنے لگیں وہ لامتناہی مدت تک اس جگہ شیر کے انتظار میں رکے نہیں رہ سکتے تھے انہوں نے تھرماس سے کافی نکال کر پی اور تازہ دم ہو کر آگے بڑھے۔

درختوں سے چھن چھن کر غروب ہوتے سورج کی قرمزی شعائیں، زمین اور چٹانوں پر نگینے جڑ رہی تھیں۔انہوں نے اپنا لائحہ عمل بدلا۔التمش نے مسیح کو چٹانوں کے سلسلے کی طرف جانے کو کہا اور خود جیپ کو ایک کنارے روک کر زمینی سطح پر بڑھے۔انہیں یقین تھا کہ شیر ضرور اسی نواح میں موجود ہوگا کیونکہ آدم خور گھنے جنگل میں تو جاتا ہے لیکن خود کو بستی سے بہت دور نہیں لیجاتا، خاصکر جب وہ بوڑھا اور کمزور ہونے لگے۔کیچڑ میں پنجوں کے نشان بتاتے تھے کہ وہ آدم خور ضرور لنگڑا ہوگا کیونکہ چار پنجوں کے تسلسل میں ایک پنجے کا نشان مکمل نہیں بن رہا تھا۔لہذا قرین قیاس تھا کہ

وہ چٹانوں کے مقابلے میں زمین اور پہاڑیوں کے غاروں میں ستانا پسند کریگا۔

التمش ہر غار نما کھوہ پر زیادہ چوکنے آگے بڑھتے رہے اور انکے ساتھ ساتھ چٹانیں پھلانگتا ہر طرف اپنی نظریں دوڑاتا مسیح۔ اس گھنے جنگل میں چھپے ہوئے شیر کی تلاش گھاس پھوس کے پہاڑ میں سوئی تلاش کرنے کے مصداق اور کیا پتہ کہ خود شیر کو انکی تلاش ہو! یہ تو وقت ہی بتا سکتا تھا۔

جھٹپٹا ہو رہا تھا مگر جگنوؤں نے ابھی قمقمے نہیں جلائے تھے۔ چشمہ لگائے مسیح نے اپنی نظر کی صحت کو آزمانے کے لئے نشانہ لیکر دیکھا۔ اور چٹان سے نیچے زمین کے تنگ راستے پر التمش عین اسکی بندوق کی زد میں تھے۔ لیکن وہاں کچھ اور بھی تھا۔ عین التمش کے پیچھے، بمشکل پچاس قدم کے فاصلے پر۔

"تامش!" مسیح چلایا۔ لیکن اس سے پہلے کہ التمش پلٹ کر نشانہ لیتے شیر جست لینے کی پوزیشن میں آچکا تھا۔ مسیح کے لئے یہ بڑا آزمائش کا موقعہ تھا۔ وقت فیصلہ کن تھا۔ اسنے ایک چھلانگ لگائی اور بندوق کے ساتھ شیر پر کود پڑا۔ یہ سب کچھ چشم زدن میں ہو گیا۔ شائد وہ گولی داغتا بھی تو اس قدر جلد شیر تک نہ پہنچ پاتی۔ نشانہ لئے بغیر گولی داغنے کا مطلب التمش کی موت بھی ہو سکتی تھی۔

التمش نشانہ لے چکے تھے لیکن بپھرا ہوا شیر مسیح کے ساتھ اس طرح گتھا ہوا تھا کہ انکا فائر کرنا مسیح کی جان لے سکتا تھا۔ مسیح مردانہ وار شیر سے اپنی مدافعت کر رہا تھا۔ اپنی بندوق کا بٹ شیر کے خونخوار جبڑے پر رسید

کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا لیکن ستم یہ ہوا کہ اسکا چشمہ چہرے سے جدا ہو کر دور جا گرا۔ التمش جانتے تھے کہ اسکی نظر کس حد تک کمزور تھی۔ بس چند ساعتوں کی بات تھی کہ شیر مسیح کی گردن پکڑ کر بھنبھوڑ ڈالتا۔ التمش نے اپنے سارے حواس مجتمع کر کے بندوق کی لبلبی دبا دی۔ انہیں وہ قدم اٹھانا ہی تھا ورنہ مسیح کی جان سو فیصدی خطرے میں تھی۔ اب اسکے بچ جانے کی کم از کم پچاس فیصد امید تو کی جا سکتی تھی۔ انہوں نے نشانہ لیکر دوسرا فائر کیا اور آنکھیں بند کر لیں۔ وہ مسیح کی خاک و خون میں تڑپتی لاش نہیں دیکھ سکتے تھے

'کیا مسیح سے دیرینہ رشتہ ختم ہو گیا؟'۔ انہوں نے بوجھل دل سے سوچا۔

وہ مسیح اور کوٹھی میں اسکی موجودگی کے اس قدر عادی تھے کہ انہوں نے سوچنا ہی چھوڑ دیا تھا کہ اسکی موجودگی وہاں کیا معنی رکھتی تھی۔ وہ پڑھا لکھا تھا۔ محنتی اور جفاکش تھا۔ ایمانداری میں کوئی اسے چراغ نہیں دکھا سکتا تھا۔ جب التمش امریکہ میں تھے تو انھوں نے آفر دیا تھا کہ اگر وہ آنا چاہے امریکہ آسکتا ہے لیکن اس نے انکار کر دیا تھا۔ اسکی قناعت حیرت انگیز تھی۔ انہوں نے ہمیشہ ہی مسیح کو ایک قابل بھروسہ دوست کا درجہ دیا تھا حالانکہ دونوں کے نظریوں میں بڑا فرق تھا۔ پھر کیا وجہ تھی کہ کچھ عرصے سے مسیح کے تئیں انکے برتاو میں تبدیلی آرہی تھی۔ جسے مسیح نے محسوس بھی کیا ہوگا تو خاموش رہا۔ اور اب وہ انکی خاطر موت سے لڑ گیا تو اپنے اندرونی تناو کی وجہ روز روشن کی طرح انکے سامنے آگئی۔ ہاں، اسکی ذمہ دار کاکل تھی۔ پہلی بار انہوں

نے اپنی کمزوری قبول کی۔ شروع میں جب انہوں نے مسیح کی نظروں کو تاڑ لیا تو طنزاً مسکرا پڑے تھے کہ اس لڑکی کے حسن نے مسیح کے پاوں رہبانیت کی ڈگر سے اکھیڑ دئے تھے۔ لیکن وہ نہیں جانتے تھے کہ کاکل خود انکے پیراہن میں خوشبو بن کر سرائیت کرتی جارہی تھی۔ جس حقیقت سے وہ ابھی تک انکار کرتے رہے۔ کاکل میں اپنی بڑھتی دلچسپی کو محض گزرتے لمحوں کی چاپ اور عارضی دل لگی سمجھتے رہے اب ایک تازیانہ بن کر انکے دل و دماغ پر پڑی تھی کیا وہ مسیح کو رقیب نہیں سمجھنے لگے تھے؟۔ کیا انہیں مسیح سے کاکل کی بے تکلفی ناگوار نہیں گزرتی تھی؟۔ انہوں نے مسیح اور کاکل کے آپسی میل ملاپ سے خود کو لاتعلق ثابت کرنے کا جو ڈھونگ رچایا تھا وہی اب انکا منہ چڑا رہا تھا کیا وفادار و نیک مسیح نے جان بوجھ کر خود کو انکے راستے سے ہٹا دیا تھا؟

مسیح خود سے بہت اونچا اٹھ گیا تھا۔

یہ سارے خیالات چشم زدن میں تصویریں بنکر انکے ذہن میں ابھر آئے۔ ذہن ایسی مشین ہے جو صدیوں کو لمحوں میں تبدیل کر دیتا ہے۔ التمش میں اب حقیقت سے انکار کی ہمت نہیں تھی۔ مسیح کا بے جان جسم انکے آگے پڑا تھا۔ یہ وقت کچھ اور سوچنے کا نہیں تھا۔ وہ مسیح اور شیر کی طرف لپکے۔ شیر اچھل کر دور جا گرا تھا۔ یہ پتہ چلانا مشکل تھا کہ مسیح مر چکا ہے یا شیر یا دونوں ہی ختم ہوگئے تھے۔ انکی ایک گولی شیر کو لگی تھی کیونکہ انہوں نے گھلتے ہوئے اندھیرے میں صاف اسکی دہاڑ سنی تھی اور اسے اچھل کر گرتا ہوا دیکھا تھا۔ ہوسکتا تھا دونوں ہی گولیاں شیر کے لگی ہوں۔ یہ بھی ممکن تھا کہ

گولیاں کھاکر گرنے سے پہلے شیر نے مسیح کا کام تمام کر دیا ہو۔انہوں نے احتیاطاً شیر پر ایک گولی اور داغی۔اسکے جسم میں تشنج سا ہوا اور پھر وہ ساکت ہو گیا۔

مسیح کے خونیں جسم پر پہنچ کر انہوں نے اس کی نبض دیکھی اور اس کے دل کی حرکت سنی۔ان کی خوشی کی انتہا نہ رہی کیونکہ مسیح زندہ تھا۔ صرف خون بہہ جانے کی وجہ سے بیہوش ہو گیا تھا۔شیر کا حملہ اس کی پسلیوں پر ہوا تھا۔سر میں بھی چوٹ تھی۔اس کے کپڑے تار تار ہو رہے تھے اور بدن کے ہر حصے پر خراشیں تھیں۔

التمش نے سرعت سے مسیح کو اٹھا کر جیپ میں ڈالا۔مردہ شیر کو فاریسٹ عملے کے لئے چھوڑا جو فائر کی آواز سنکر وہاں پہنچنے لگے تھے۔

مسیح کی زندگی اور موت کا سوال تھا۔ہوا کے دوش پر سوار وہ مسیح کو لئے ہسپتال پہنچے جہاں ہر طرح کی سہولتیں میسر تھیں۔اس وقت دنیا کا سب سے بڑا تحفہ ان کے لئے مسیح کی زندگی تھی۔

ہسپتال کی پوری مشنری حرکت میں آگئی۔مسیح کے جسم سے بہت خون بہہ چکا تھا۔لیکن خوش قسمتی سے وقت ضائع نہیں ہوا۔کیونکہ اختر بخت جیسے ذمہ دار شخص نے گھر کے سبھی لوگوں کے خون کی جانچ کروا رکھی تھی۔

مسیح اور التمش کے خون یکساں نکلے اور التمش نے خود کو پیش کر دیا اس وقت تو مسیح کے لئے انہیں اپنی جان دینی ہوتی تو دریغ نہیں کرتے۔ خون دینے کے بعد کافی کا ایک پیالہ پی کر ڈاکٹر کے منع کرنے پر بھی وہ چل

پڑے۔ انہیں ڈورا اور کاکل کو خبر دینی تھی کہ مسیح اب خطرے سے باہر تھا مسیح مرد تھا۔۔۔قوی تھا۔تیزی سے رو بہ صحت ہونے لگا۔۔۔۔اس نے پہلی بار جب آنکھیں کھولیں تو التمش کو سامنے زندہ سلامت دیکھ کر اس کی آنکھوں میں اطمینان و مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ اور اس نے دوبارہ آنکھیں بند کر لیں۔

ڈورا اپنے بیٹے کو موت کے منہ سے واپس آتا دیکھ کر فوراً چرچ گئی۔ جہاں اس نے صلیب کے آگے موم بتیاں جلائیں۔ویسے اسے خوشی بھی تھی کہ اس نے بھینسے کا چھوٹا سا دھات کا بنا سر مسیح کے جیب میں ڈال دیا تھا۔ پھر بھی دل ہی دل میں اپنے بیٹے کی حالت زار کا ذمہ دار وہ التمش کو سمجھتی تھی اس کے دل و دماغ میں وبال سے اٹھ رہے تھے جس کا اظہار وہ کسی کے سامنے نہیں کر سکتی تھی۔ کیونکہ ہر کوئی مسیح کی وفاداری کے ساتھ التمش کی فراخدلی کو سراہ رہا تھا۔ التمش کے منع کرنے پر بھی مقامی اخباروں نے ان کی اور مسیح کی تصویروں کے ساتھ تفصیلی خبرنامہ چھاپا۔ انعامی رقم کو التمش کی درخواست پر جانوروں کے تحفظ کی مہم کے لئے دیدیا گیا۔

ابتدائی ہیجان کے بعد کوٹھی میں زندگی اپنے معمول پر آرہی تھی۔ مسیح کی غیر حاضری کی وجہ سے التمش پر کام کا بوجھ بہت بڑھ گیا تھا۔ اسی لئے جب کاکل نے مدد کی پیشکش کی تو انہوں نے قبول کر لیا۔ مسیح سے "باغان" کے کام کی اونچ نیچ وہ بہت کچھ سمجھ چکی تھی چائے کی پود لگانے کا انتظام ہو چکا تھا لیکن مسیح کے حادثے کی وجہ سے فی الحال روک دیا گیا تھا۔ باغان میں چائے

کے بیج بونے کی بجائے نرسری میں پنیری بنائی جاتی جسے بعد میں باغاں میں بکھیر دیا جاتا۔ اس کی بڑی حفاظت کی ضرورت تھی۔ پود کی جھاڑی بنتے تین سے سات سال لگ جاتے ہیں لیکن آنے والے سو سال تک یہ پودے اپنی بہار دیتے رہتے ہیں۔ ایسے سات ہزار پودے لگائے گئے تھے۔ جنہیں وقت آنے پر باغاں میں بکھیرنا تھا۔

ساری مصروفیات کے باوجود کاکل اپنی بنیادی ذمہ داری خوب نبھا رہی تھی۔ شہزاد اور زینو اب دل لگا کر پڑھ رہے تھے۔ پہلے جہاں وہ کامک رسالوں کی صرف تصویریں دیکھ کر خوش ہوتے تھے اب ان تصویروں سے متعلق کہانیاں خود ہی پڑھنے لگے تھے۔ کاکل نے ان کے معمول میں کوئی فرق نہیں آنے دیا تھا۔

بچوں سے نپٹ کر جب وہ لائبریری پہنچی تو التمش نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ ایک خط اسکی طرف کھسکا دیا۔ پتے پر التمش کے توسط سے "پیناڈرنا" لکھا تھا۔ ہاں، وہ چیاؤزو کا ہی خط تھا۔ اس نے التمش اور کاکل کا شکریہ ادا کیا تھا اور لکھا تھا کہ اگلے مہینے وہ اپنے وطن جانے والا تھا۔ کاکل کے لئے نیک تمنائیں بھیجی تھیں۔ وردو اور نیل کے بھی شکریہ کے خط آئے تھے جس میں انہوں نے ہندوستانیوں کے خلوص اور مہمان نوازی کو سراہا تھا وہ ہنوز اپنے مشاہدہ اور مواد کو موزوں شکل دینے میں مصروف تھے۔

وردو نے لکھا تھا کہ ہندستان میں ان کی توقع سے زیادہ مواد حاصل ہوا تھا۔ نیل کا خیال تھا کہ انڈیا میں فن تعمیر کا وہ خزانہ اور تحقیق کا سامان

موجود ہے کہ پیڑھیاں گزر جائیں تو بھی یہ کام مکمل نہیں ہو سکتا۔ اس نے حیرت کا اظہار کیا تھا کہ اکثر ہندوستانی اپنے تہذیبی ورثے سے نا بلد ہیں۔ وہ دلی میں نیشنل آرکائیوز کے

Microphotograph کا شکر گزار تھا جس نے اس کی بڑی مدد کی تھی۔

وہاں ایک خط اور بھی تھا۔

"کیرن نے شادی کر لی ہے" ـــ التمش نے لاپرواہی سے خط کو ایک طرف ڈالتے ہوئے کہا۔

کاکل کی سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ خبر مبارکبادی کی مستحق تھی یا تاسف کی جہاں تک التمش کا تعلق تھا وہ جان گئی تھی کہ دلوں کو توڑنا ان کا محبوب مشغلہ تھا۔ کیرن جیسے کتنے دل انہوں نے اپنی انا کی چوکھٹ پر روند کر پھینک دیئے ہونگے۔ خود وہ اپنی خودداری لئے کہاں کہاں جائے! کیسے اپنے جذبات کے اس آتش فشاں سے دامن بچائے جو اندر ہی اندر جیسے اسے سوختہ کئے جا رہا تھا!

یونانی سیفو کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اسئے آتش فشاں کے دہانے میں چھلانگ لگادی تھی کیا کسی سے ناکام محبت نے ہی اسے یہ قدم اٹھانے پر مجبور کیا ہوگا؟ لیکن کاکل سیفو نہیں تھی کہ کسی کی محبت میں جل کر خاکستر ہو جانا ہی محبت کا انجام مطلق سمجھے۔ وہ سمجھتی تھی کہ کئی بار ڈگمگا جانے کے باوجود اپنے جذبات پر قابو رکھنا ہی کردار کی عظمت ہے۔

نہ وہ سیفو تھی نہ کیرن ۔۔۔

"سرکار" ۔۔۔ خدمتگار نے اندر آکر کہا "کوئی دو لوگ آپ سے ملنا چاہتے ہیں ۔"

التمش کی تیوری چڑھ گئی ۔۔۔ عام طور پر بغیر اپوائنٹمنٹ کے کوئی ان سے ملنے نہیں چلا آتا تھا ۔ خدمت گار ان کی چڑھی ہوئی تیوری کا مطلب سمجھ گیا

"میں نے پوچھا سرکار" ۔۔۔ انہوں نے کہا وہ جو بھی ہوں آپ انہیں دیکھ کر خوش ہو جائیں گے ۔ ان کے ساتھ ایک بچہ بھی ہے ۔" ۔۔۔ ملازم نے رک رک کر جملہ پورا کیا ۔

"میں دیکھوں ؟" ۔۔۔ کاکل نے کرسی سے اٹھتے ہوئے کہا ۔ "نہیں ، تم ٹھہرو میں دیکھتا ہوں" ۔ پھر انہوں نے کچھ سوچ کر کہا "تم بھی ساتھ آجاؤ" ۔۔۔ کبھی کبھی باغاں میں کام کرنے والے لوگ کسی مدد کے لئے چلے آتے تھے لیکن مسیح انہیں نپٹا لیا کرتا تھا ۔ التمش کو ان سے ملنے میں کوئی عار نہیں تھا کیونکہ ان کی بہبودی راست ان کا فرض تھا ۔ خدمت گار کے مطابق کوئی عورت بھی وہاں تھی جو اپنا بچہ لیکر آئی تھی ۔ اسی لئے انہوں نے کاکل کو بھی ساتھ لے لیا ۔

التمش اٹھ کر چلے اور ان کے پیچھے کاکل بھی ۔ کاریڈور سے نکل کر وہ ہال میں پہنچے ۔

"چچی جان !" ۔۔۔ التمش کے منہ سے نکلا اور کاکل سن سی رہ گئی ۔ کیونکہ سامنے صوفے پر حور بانو بیٹھی تھیں اور پاس اس کے والد فدا حسین

ایک شیر خوار بچے کو کندھے سے لگائے کھڑے تھے۔

تعارف کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ التمش خود ہی سمجھ گئے تھے۔ انہوں نے آگے بڑھکر فدا حسین سے ہاتھ ملایا۔

کاکل نے حور بانو کو سلام کیا۔ اپنے والد سے ملتے ہوئے اسے ایسا لگا جیسے کسی اجنبی سے مل رہی ہو۔

"یہ تمھارا بھائی فواد حسین ہے"۔ فدا حسین نے بڑی مسرت سے بچے کو کاکل کی گود میں دیکر کہا۔ کاکل نے خجالت سے التمش کی طرف دیکھا۔ وہ اسکی حالت زار سے اچھی طرح واقف زبان کو گال میں دبائے ہنسی روکے ہوئے تھے۔

"چچی جان آپنے اپنے آنے کی خبر نہیں دی؟"۔ التمش کا لہجہ مٹھاس سے بھرپور تھا۔

"اپنے ہی گھر جانا ہو تو خبر دینے کی کیا ضرورت ہے"۔ حور بانو نے ٹھسے سے گلوری منہ میں رکھتے ہوئے کہا۔ "تم کیسی ہو؟"۔ اس بار انکا خطاب کاکل سے تھا۔ وہ کاکل کا اوپر سے نیچے تک جائزہ لے رہی تھیں۔

کاکل دل ہی دل میں انکی ہمت کی قائل ہو گئی۔ جس صفائی سے جھوٹ کہہ کر انہوں نے کاکل کو اوٹی پہنچایا اور التمش جیسے جہاندیدہ شخص کو اپنی انگلیوں پر نچادیا وہ انہی کا حصہ ہو سکتا تھا۔ اور اب وہ خود وہاں موجود تھیں۔ بہ نفس نفیس۔ جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

حور بانو کا ٹھسہ اب بھی وہی تھا البتہ بدن اب کچھ اور بھر گیا تھا۔ ناک نقشہ اسی طرح تیکھا اور خوبصورت تھا۔ لیکن ان خوبصورت آنکھوں میں اب غرور کا وہ شائبہ نہیں تھا جو کاکل نے پہلی ملاقات میں دیکھا تھا۔ اب ان کی آنکھوں میں ٹھہراؤ اور چتون میں سنجیدگی آگئی تھی۔ شائد جب عورت ماں بن جاتی ہے تو ایسا ہی ہوتا ہے۔ یہ رتبہ فدا حسین نے انہیں سونپا تھا۔

کاکل نے دیکھا اسکے والد کی صحت اب پہلے سے کہیں اچھی تھی۔ ان کے رخساروں میں سرخیاں اتر آئی تھیں۔ بالوں میں اکا دکا سفید بال جھانک رہا تھا لیکن انکے انداز کی چستی اور آنکھوں کی چمک بتاتی تھی کہ وہ اپنی موجودہ زندگی سے خوش اور شادماں تھے۔ اچھے لباس کا انہیں ہمیشہ شوق رہا تھا چنانچہ اس وقت بھی وہ نیا اور بہترین سوٹ پہنے ہوئے تھے۔ پہلے ان کی خوش لباسی کی ذمہ دار کاکل کی ماں تھی اور اب وہ سوٹ حور بانو کا مرہون منت تھا۔

ملازم نے جب دیکھا کہ مہمانوں کو قبول کر لیا گیا تو وہ حکم کا منتظر تھا کہ انکا سامان کن کمروں میں رکھا جائے۔ حور بانو نے خود ہی اسے وہ کمرہ بتا دیا جہاں پچھلی بار وہ ٹھہری تھیں۔ انہیں خود پر زبردست اعتماد تھا۔ جب انہوں نے پہلی شادی کی تھی تو انکے عمر رسیدہ شوہر نے انہیں چہکنے والی بلبل کی طرح اپنی انگلی پر بٹھائے رکھا تھا۔ شوہر کے مرنے کے بعد گویا ان کے ہر بن مو سے اپنی مدافعت کے لئے ہتھیار نکل آئے۔ تنہائی اور ہراس کا مقابلہ وہ خود سیری اور خود پسندی سے کرتی رہیں۔ لیکن وہ اندر سے بودی تھیں۔ انہوں نے بہادری اور خودسری کا جو غلاف خود پر چڑھائے رکھا تھا اسے دیکھتے

ہوئے فدا حسین انہیں آئیڈیل شوہر کے روپ میں بھا گئے جو ہمیشہ ان کے احسانوں کے تلے ڈرے سہمے اور ان کے حکم کے منتظر رہ سکتے تھے۔ وہ فدا حسین کی دائمی وفاداری خرید سکتی تھیں۔ کاکل کی ماں نے ان سے اندھی محبت کی تھی۔ ان کے لئے خود کو مسمار کر دیا تھا۔ لیکن حور بانو کی بات مختلف تھی۔ یہاں ان کا واسطہ ایک منجھی ہوئی عورت سے تھا جس نے اپنے مالدار بوڑھے شوہر سے میدان کارزار کے سارے گن سیکھے تھے۔

فدا حسین کو حور بانو کے ساتھ بچے کو اٹھائے سیڑھیاں چڑھتے دیکھکر کاکل کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ کاش اسکی ماں نے بھی چند دن سکون اور راحت کے دیکھے ہوتے۔ بچپن سے جوانی تک اسنے اپنی ماں کو کشمکش میں مبتلاء دیکھا تھا۔ کیا وہ اسکی ماں کا ہی قصور تھا جس نے اسکے والد کو احساس ذمہ داری سے محروم رکھا! مرنے والے کہاں اپنی صفائی پیش کر سکتے ہیں! یاد کا ایک طوفانی ہجوم تھا جو اسکے وجود پر حاوی ہو گیا۔

وہ بھول گئی کہ وہ کہاں کھڑی تھی۔ دھیرے سے ایک ہاتھ اسکے شانے پر آیا۔ وہ وہاں التمش کی موجودگی بھول گئی تھی۔ انہوں نے اسے پلٹا کر اپنے مقابل کیا۔ پتہ نہیں وہ کیسے اسکے دل کی بات جان لیتے تھے۔ ابھی چند لمحوں پہلے ان کے ہونٹوں پر تمسخرانہ مسکراہٹ تھی۔ اب وہ ہونٹ خاموش تھے اور ان اتھاہ آنکھوں میں ہمدردی اور احساس کی نرمی سمٹ آئی تھی۔ انہوں نے رخسار پر بہہ آئے اسکے آنسوؤں کو انگلی سے چھو کر جھٹک دیا اور جھول آئی لٹ کو کان کے پیچھے کر کے کہا۔

" پیناڈرنا، یہ موتی انمول ہیں انہیں ضائع نہ کرو " ۔ کاکل کو ایسا لگا جیسے وقت ٹھہر گیا ہو ۔ وہ تنہا نہیں تھی ۔ اسنے اپنا ماتھا دھیرے سے التمش کے سینے سے ٹکا دیا اور آنکھیں بند کر لیں اسے بس ایک ایسے دم ساز کی ضرورت تھی جو اسکی دھڑکن سے اپنی دھڑکن ملا کر یقین دلاتا کہ وہ تنہا نہیں تھی ۔ بعد میں التمش خواہ اسکی کمزوری کو اس کی شکست سمجھیں اسکا مذاق اڑائیں یا اس سے خفا ہو جائیں ۔ اسے اب کسی بات کی پرواہ نہیں تھی ۔

پہلی بار اسے اپنے باپ سے نفرت ہوئی ۔ کیوں آئے تھے وہ وہاں اس نے تو اپنے ماضی کو دفن کر دیا تھا ۔

" نہیں میں پیناڈرنا نہیں ہوں تامش " ۔ انکی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ان کے روبرو اس نے پہلی بار ان کا نام لیا ۔ آج اس نے تکلف کی دیوار بھی توڑ دی ۔

" کون ہو تم ۔ مجھے اپنا پتہ دو ۔ میں تھک رہا ہوں تمھیں کھوج کھوج کر " ۔ التمش نے دونوں ہاتھوں میں اسکا چہرہ تھام کر کہا ۔ ان کی آنکھوں میں تپش سی تھی جسکی لپٹیں کاکل تک پہنچ رہی تھیں ۔ انکی آواز بالکل سرگوشی تھی کیونکہ وہ صرف اسکے لئے تھی ۔ " کون ہو تم ؟ " انہوں نے کہا

" کس طرح پتہ دوں " ۔ کاکل نے جیسے مادرا سے کہا " میں خود کھو گئی ہوں " ۔

چہ پرسی از سرو سامانیم عمریست چوں کاکل
سیہ بختم ، پریشاں روزگارم ، خانہ بردوشم

اسے ہمیشہ یہ شعر اپنے حسب حال لگتا تھا۔ آج زبان پر آگیا۔ اے میرے حبیب تو میرے اثاثے کے بارے میں کیا پوچھتا ہے۔ میں تجھے کیا بتاؤں کہ میری حیات تو کاکل کی طرح ہے جس سے سیہ بختی، پریشاں روزگاری اور خانہ بدوشی جڑی ہے۔

التمش نے اسکے منہ پر ہاتھ رکھ دیا برداشت کے مصمم ارادے کے باوجود خود خزیدگی کے وہ الفاظ اس کے مُنہ سے نہیں نکل رہے تھے جیسے کوئی اور طاقت اس سے یہ سب کہلوا رہی تھی۔ اس نے گھر چھوڑنے کے بعد جس ہمت واستقامت کا ثبوت دیا تھا۔ آج وہ سب برباد ہوگیا۔ وہ آج ایک ایسا سادیت پسند بچہ بن گئی تھی جو خود کو تازیانے لگا کر خود ہی اپنے آپ پر رحم کھا رہا ہو۔

" ابھی تم نے میرے سینے پر سر رکھا تھا" ۔ التمش نے اسکا چہرہ اپنی طرف پھیر کر کہا " کیا میرے دل نے تم سے کچھ نہیں کہا ؟ یا تم سننا نہیں چاہتیں ؟ ۔ میں تمھیں اپنانا چاہتا ہوں کاکل ۔ ہمیشہ کے لئے اس بنجارہ زلف کو سنوارنے کا حق مجھے دے دو" ۔ انہوں نے اسکی سرکش زلف کو نرمی سے چھو کر کہا ۔ وہ زیر لب کہے جا رہے تھے ۔ انکے الفاظ کا سحر اسکے وجود پر چھانے لگا تھا اسکے آنسو خشک ہونے لگے ۔ ساتھ ہی وہ دھیرے دھیرے ہوش کی دنیا میں واپس آئی ۔ یہ سب کیا کہ رہے تھے التمش ۔ کیا اسکی محرومی کا ماتم اتنا بڑھا کہ انہیں اس پر رحم آنے لگا ۔ اسنے تو صرف عارضی دمسازی کی تمنا کی تھی ۔ سامنے سراب کو کھڑا دیکھنا نہیں چاہا تھا ۔ التمش اس سے ایک بے رحم مذاق

کر رہے تھے ۔ تب کیا ہو گا جب اسکی آنکھ کھلے گی ۔ کیا تب وہ ان کی آنکھوں کا تمسخر، ہونٹوں کی پاگل کر دینے والی مسکراہٹ سہہ سکے گی ؟ ۔ لیکن نہیں وہ اسکے ساتھ کھلواڑ نہیں کر رہے تھے ۔ وہ لہجہ، آنکھوں میں وہ نرمی اسی وقت آتی ہے جب انسان دل کے ہاتھوں مجبور ہونے لگتا ہے ۔ ہمدردی اور محبت میں بڑا فرق ہے ۔ ہمدردی کا تعلق دماغ سے اور محبت کا دل سے ہوتا ہے ۔ التمش جو کچھ کہہ رہے تھے وہ انکے دل کی آواز تھی ۔ اسے لگا وہ کچے دھاگے کے ایسے جھولے پر بیٹھی تھی جو اسے کبھی شادمانی کی طرف لیجاتا تھا تو کبھی ناامیدی اور بربادی کی طرف ۔ نہیں، ! اسے کچھ وقت چاہیئے تھا ۔ ان خوابناک باتوں کے تجزیئے کے لئے جو نشہ آور شراب کی طرح اسکے رگ و پے میں سرائیت کر رہی تھیں ۔ یہی وقت تھا سنبھلنے کا ۔ اسنے خود کو جھنجھوڑا ۔ التمش نے کئی بار اس سے بے ضرر فلرٹ کیا تھا لیکن آج انکے انداز کچھ اور ہی تھے جو اسکے لئے زندگی اور موت کا سوال بن سکتے تھے ۔ اس نے آہستگی سے خود کو ان کی گرفت سے آزاد کیا اور یک بیک دوڑتی ہوئی سیڑھیاں چڑھ گئی ۔ التمش سیڑھیوں کے پائیدان پر کھڑے اسکی تتلی کی طرح ہیولے کو معنی خیز مسکراہٹ سے دیکھتے رہے ۔

"پینا ڈرنا!" انہوں نے زیر لب کہا ۔

اگلے دن التمش مدراس چلے گئے ۔

" اسکا دوسرا بھائی کہاں ہے" ۔ شہزاد نے چوپایوں کی طرح جھک کر فواد حسین کو دیکھتے ہوئے پوچھا ۔ اسکے خیال میں ہر شہزاد کا کوئی زینو ہونا

ضروری تھا۔ اور زینو بھی اس سے متفق تھا۔

" چھپ گیا ہے " ۔ زینو آنکھ مچولی کے لئے تیار ہوتا ہوا بولا۔ " چلو ڈھونڈتے ہیں "

" مگر جب اسکے ممی ڈیڈی آئے تھے تو اسکا بھائی ساتھ نہیں تھا " شہزاد نے جاسوسی دکھائی

" شاید وہ تامش کے ساتھ رات میں آیا ہوگا۔ " تم ادھر جاؤ میں ادھر جاتا ہوں " ۔

اور دونوں فواد حسین کے جڑواں بھائی کی تلاش میں مصروف ہو گئے جسکا وجود ہی نہیں تھا۔

ادھر ادھر تلاش جب ناکام رہی تو شہزاد تخت کے پاس پہنچا جہاں فواد انگوٹھا چوسنے کا شغل کر رہا تھا۔

" مل گیا مل گیا " ۔ شہزاد نے نعرہ لگایا " دوسرا بھائی مل گیا " ۔ اسکے نعرے نے فواد حسین کو دہلا دیا اور وہ گلا پھاڑ پھاڑ کر رونے لگا۔ حور بانو دوڑی آئیں ۔ انہوں نے ابھی ابھی تو اسے نہلا کر اس کے کپڑے بدلے تھے۔ زینو بگٹٹ بھاگا آیا اور فواد کو دیکھکر بولا۔ " یہ تو دوسرا ہوا پھر پہلا کہاں گیا ؟ " اور دونوں اسی انہماک سے پہلے بھائی کو ڈھونڈنے میں مصروف ہو گئے جو انکی دانست میں کہیں جا چکا تھا۔

کاکل نے اتنے میں آکر ان دونوں کو بتایا کہ کھیل ختم ہوا۔ اب انہیں بھی غسل کر کے کپڑے بدلنے ہیں ۔ دونوں کشاں کشاں اسکے ساتھ

چلے گئے۔

کاکل نے اپنے والد اور حور بانو سے تعلقات بالکل رسمی رکھے تھے۔ پھر بھی وہ دونوں التمش کے مہمان تھے۔ بن بلائے ہی سہی۔ نوکروں کو ان کے آرام کیلئے ضروری ہدایات دے کر اس نے اپنا فرض پورا کر لیا تھا۔ ویسے وہ انتظام نا بھی کرتی تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ دو چار دن میں ہی حور بانو نے کوٹھی میں اپنا سکہ جما لیا تھا۔ وہ نوکروں سے اس طرح کام لے رہی تھیں جیسے چچی ہونے کے ناطے التمش کے گھر پر انکا پورا حق تھا۔ وہ آئی کیوں تھیں اور کب واپس ہونگی یہ کاکل نہیں جانتی تھی۔ نہ التمش نے ان سے ان کے آنے کا جواز مانگا تھا۔ خود حور بانو نے اپنی شاطرانہ چال کو یکسر بھلا دیا تھا جو کاکل کو اوٹی پہنچانے کی ذمہ دار تھی۔ کاکل کو حیرت اس بات کی تھی کہ حقیقت جاننے کے بعد بھی التمش کا برتاؤ دونوں سے نہایت مہذب اور بااخلاق تھا بلکہ وہ تو کبھی کبھی حور بانو سے مذاق بھی کر لیا کرتے۔ حور بانو زیادہ تر فواد کی دیکھ بھال میں مصروف رہتیں۔ بلکہ سیر کو جاتے ہوئے فدا حسین اور وہ شہزاد اور زینو کو بھی ہمراہ لیتے۔ اس نے تو شہزاد اور زینو میں جھگڑا ہوتے بھی دیکھا تھا کہ کون فواد کی پرام دھکیلے گا۔

کاکل التمش کے جانے سے خوش نہیں تھی۔ وہ خود میں انکا سامنا کرنے کی ہمت نہیں کر پاتی تھی۔ تنہائی میں انکے الفاظ کی شیرینی کو پرکھنا چاہتی تھی۔ اپنی یکطرفہ محبت کا اقبال اور اس پر صبر بھی اس نے کر لیا تھا۔ اب التمش نے اسے ایک نئے اور مشکل تر امتحان سے دوچار کر دیا تھا۔ وہ ہرگز

نہیں چاہتی تھی کہ وہ مروت یا جذبہ ترحم سے اسے اپنانے کو تیار ہوں۔ وہ کسی بھکاری کا کشکول نہیں تھی جسے خیرات سے بھر دیا جائے۔

وہ ابھی ابھی شہزاد اور زینو کے ساتھ مسیح کو دیکھ کر آئی تھی۔ وہ اب روبصحت تھا۔ پسلیوں کے پنجر پر پٹیاں اور پلاسٹر قمیص کے نیچے چھپا تھا ورنہ کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ شیر کا نوالہ بنتے بنتے رہ گیا۔ سر کی پٹی کھل چکی تھی۔ بائیں کنپٹی پر زخم کا نشان اب بھی خونیں رنگ تھا۔ ڈاکٹر نے چلنے پھرنے سے منع تو نہیں کیا تھا لیکن احتیاط ضروری تھی۔ ڈورا نے دوبارہ اسکے زخموں کو چاندنی سونپی تھی۔

التمش روز مسیح کو دیکھنے کے لئے آتے رہے۔ ان کے مدراس جانے کے بعد بھی ان کی ہدایت پر ان کی طرف سے پھولوں کا گلدستہ روز پابندی سے پہنچتا رہا۔

مسیح کے لئے کاکل کا مزاج پرسی کے لئے آنا، ہمیشہ ایک تازہ معطر ہوا کے جھونکے کی مانند ہوتا تھا۔ لیکن اب وہ کاکل کے ماتھے پر فکر کے آثار دیکھ کر بے چین تھا۔ وہ اسکے ماضی کو التمش سے زیادہ جانتا تھا۔ کوٹھی میں حور بانو اور فدا حسین کی آمد سے بھی واقف تھا ڈورا کاکل کے لئے اسے متفکر دیکھ کر خوش تھی۔ اسے لگ رہا تھا جیسے اسنے آدھی جنگ جیت لی۔

ہسپتال سے واپس آکر کاکل اپنے کمرے میں شہزاد اور زینو کا اگلے دن کا ہوم ورک تیار کر رہی تھی۔ اس نے نظر اٹھا کر دیکھا۔ وہاں اسکے والد کھڑے تھے۔ آج ان کا بیٹا انکی گود میں نہیں تھا۔ اس نے طوعاً و کرہاً ہاتھ سے

بیاض رکھی اور اٹھ کھڑی ہوئی ۔ یہ وہی خود غرض شخص تھا جس نے اس بھری دنیا میں اسے بے یار و مددگار چھوڑ دیا تھا ۔ اسکی فرشتہ صفت ماں کا استحصال کیا تھا ۔ خود کو بے حمیتی سے ایک مالدار عورت کے ہاتھوں بیچ دیا تھا اور اب جبکہ اس نے اپنے لئے ایک ٹھکانہ ڈھونڈ لیا تھا تو وبال بن کر وہ وہاں بھی آ پہنچا تھا ۔

" میں جانتا ہوں بیٹی تم مجھ سے خفا ہو " ۔ جب کاکل نے انہیں اندر آنے کے لئے نہیں کہا تو وہ خود اندر آتے ہوئے بولے ۔ اس نے ان کی بات کا جواب نہیں دیا اسی طرح کرسی کی پشت تھامے دریچے سے باہر دیکھتی رہی ۔

" میں ۔۔ میں اب وہ نہیں رہا ہوں جو تھا " ۔ انکے لہجے میں ڈھکی چھپی اپیل تھی گویا وہ کاکل سے معافی مانگ رہے تھے ۔

" میں پیار کرتا تھا بیٹی تمھاری ماں کو بہت پیار کرتا تھا " ۔ انہوں نے زمین پر نظریں گاڑے کہا

" آپکی محبت بنجر زمین تھی بابا جو کبھی سیراب نہیں ہوتی ۔ میری ماں نے مٹا دیا خود کو آپ کہتے ہیں آپ بدل گئے ہیں ۔ آپ بالکل نہیں بدلے بابا ۔ آپ وہی ہیں ۔ آپ نے پہلے ایک عورت کا استحصال کیا اب دوسری کا کر رہے ہیں " ۔ الفاظ سخت تھے ۔

" کاکل میں دوسری بار اس گناہ کا سزاوار نہیں ہوں " ۔ فدا حسین بیڈ کے کنارے ٹکتے ہوئے بولے ۔

" پھر یہ نئے نئے قیمتی سوٹ، ہاتھ پر لگی مہنگی گھڑی ۔۔۔ "

"یہ سب میری اپنی کمائی کے ہیں بلکہ یہ کہتے ہوئے مجھے شرم نہیں آتی کہ یہ سب کچھ تمھاری ماں کا دیا ہوا ہے"۔

"میں سمجھی نہیں"۔کاکل نے تیوری چڑھا کر کہا۔اسے اپنے باپ کی نااہلی کا یقین تھا لیکن وہ جھوٹے نہیں تھے۔

"میں تمھیں یہی تو بتانا چاہتا ہوں"۔فدا حسین نے کہا۔"شاہدہ کی دمسازی اور قربانیوں نے جہاں مجھے بے حس بنا دیا تھا۔وہاں حور بانو کے برتاو نے مجھے جھنجھوڑ دیا۔شاہدہ جس نے میری ہر خواہش اور راحت کو اپنا مذہب بنایا ہوا تھا، وہاں حور بانو نے واضح کر دیا کہ میں ان کے ٹکڑوں پر پلنے والا نکھٹو شاعر ہوں"۔

"لیکن ابھی آپ نے بتایا کہ مرنے کے بعد بھی ممی کی مدد آپ کے شامل حال رہی"۔کاکل نے انکی بات کو نظر انداز کر کے انکے بیان کا مطلب جاننا چاہا۔"ہمارے پاس تو کچھ نہیں بچا تھا بابا۔!"

"تمھاری ماں کے مرنے سے پہلے حکومت کے بٹھائے پے کمیشن نے سرکاری ملازموں کی تنخواہوں پر نظر ثانی کی تھی۔اس پے کمیشن کی سفارشات سرکار نے منظور کر لی تھیں۔تمھاری ماں کے انتقال کے بعد ان کی تنخواہ کا Fixation ہوا جسکے نتیجے کے طور پر مجھے کافی بقایا ملا"۔کاکل انکی بات غور سے سن رہی تھی۔

"وہ پیسہ ٹھوکر کھانے کے بعد مجھے ملا تھا۔کاکل میں اس موقعہ کو ضائع نہیں کر سکتا تھا"۔انہوں نے اس شدت سے کہا جیسے کوئی انسان کھائی

میں گرتے گرتے آخری دم سنبھل گیا ہو۔" بجائے بیجا طور پر وہ پیسہ اڑانے کے میں نے اسے Real Estate میں لگا دیا۔ اب میں ایک باعزت پراپرٹی ڈیلر ہوں۔ اللہ کی عنایت سے مجھے کافی منافع ہو رہا ہے۔ ویسے میں حور بانو کا شوہر اور انکے بچے کا باپ ضرور ہوں۔ لیکن ان کے احسانوں تلے دبا انکے ٹکڑے توڑنے والا بے حمیت انسان نہیں ہوں جسکی کمزوریوں کو انہوں نے خرید اتھا"

اپنے والد کے منہ سے ان الفاظ کو سن کر کاکل کو ایسا لگا جیسے وہ کوئی خواب دیکھ رہی تھی۔ جو معجزہ اسکی ماں کی خاموشی اور خدمت نے نہیں دکھایا تھا وہ حور بانو نے کر دکھایا۔ اور بدلے میں اسکے والد نے انہیں وہ نعمت دی جس سے وہ محروم رہی تھیں۔ اب وہ صاحب اولاد تھیں۔ اور اسکے والد ایک احساس ذمہ داری کے ساتھ انکی جائیداد کی دیکھ بھال کر رہے تھے جو ان کے خوشامدی دوست نما دشمنوں نے تباہی کے راستے پر ڈال دی تھی۔ اب وہ حویلی میں نہ وہ مشاعرے تھے نہ پر تکلف دعوتیں تھیں۔ فدا حسین اور حور بانو نے اپنی اپنی زندگیوں میں ملے دوسرے موقع سے فائدہ اٹھایا تھا۔

لیکن ان کے اوٹی آنے کی وجہ کیا تھی؟

"کاکل میں تجھے لیجانے کے لئے آیا ہوں بیٹی"۔ فدا حسین نے مکمل خود اعتمادی سے کہا

"کہاں، حور بانو کی حویلی میں؟"۔ کاکل وہ دن کیسے بھول سکتی تھی جب حور بانو کی حویلی میں اسکے لئے سر چھپانے کی جگہ نہیں تھی۔

"نہیں کاکل، میں حور بانو کے ساتھ نہیں رہتا"۔ اسکے والد بولے "حور بانو میرے ساتھ رہتی ہیں"۔ وہ زعم سے بولے اور جانے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ "وہ حویلی کتب خانے میں تبدیل ہو گئی ہے۔ میں نے خود اپنا گھر بنالیا ہے"

کاکل نے اپنے والد کی نئی حاصل شدہ خوشیوں کو نیک تمناؤں سے نوازا۔ اور اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔

مسیح ہسپتال سے واپس آچکا تھا۔ لیکن ڈاکٹر کی صلاح کے مطابق وہ زیادہ تھکا دینے والا کام نہیں کر رہا تھا۔ کاکل ابھی ابھی پھولوں کا گلدستہ چھوڑ گئی تھی۔ جو ہنوز مسیح کے ہاتھ میں تھا۔ ڈورا اس سے کئی بار کہتے کہتے رک گئی تھی۔ اگلی بار جب وہ اسے سوپ دینے کے لئے آئی تو مسیح نے کہا۔

"آئی پریشان کیوں ہو؟"۔

"تیرا ہی سوچ کر پریشان ہے آئی"۔

"کیوں، اب تو میں بالکل ٹھیک ہوں!" اس نے مسکرانے کی کوشش کی۔

"آئی پھر تم اسی بات پر اتر آئیں"۔ مسیح نے سوپ کے گھونٹ لے کر ہنستے ہوئے ڈورا کو ٹالنے کی کوشش کی۔

"اب تو مسکری نئیں کر"۔ ڈورا نے کمر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "میں تو چھوکری بھی دیکھ لیا"۔

"کونسی لڑکی ڈھونڈھ لی ہے۔ کہاں ہے وہ؟۔ مسیح نے ازراہ مذاق

کرسی کے نیچے اور کارنس پر نظر دوڑائی۔

"آئی، بی بی کا بات بولتا ہے"۔ ڈورا بولی اور مسیح نے سوپ کا کٹورا پٹک دیا۔

"کیا کہہ رہی ہو آئی"۔ اسنے بپھر کر کہا" کہیں تم نے کاکل سے تو کچھ نہیں کہا؟"

"بولا ہے"۔ ہٹیلی ڈورا نے کہا" وہ بی تو تیرے سے پیار کرتا ہے۔ وہ کھد بولا ہے ڈورا کو"۔

مسیح سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ "کیا کہا تھا کاکل نے؟ ۔ وہ تقریباً چلایا۔ اسکی آواز اتنی اونچی تھی کہ کوارٹر کے باہر التمش تک جا پہنچی ۔ وہ مدراس سے واپس آچکے تھے اور اب تازہ دم ہونے کے بعد مسیح کی خیریت پوچھنے کے لئے کوارٹر چلے آئے تھے۔ وہ ڈورا اور مسیح کو مصروف دیکھ دخل انداز ہونا نہیں چاہتے تھے۔ لیکن وہ جیسے ہی واپس پلٹے مسیح کے جملے نے انہیں چونکا دیا۔ اگر کاکل کا نام نہ لیا جاتا تو وہ واپس چلے ہی گئے ہوتے یہ سوچ کر کہ ماں اور بیٹے میں کچھ اختلاف رائے ہو رہا تھا۔ لیکن جس طرح للی کے سفید نازک پھول بھینی بھینی خوشبو والے مسیح کا دامن نہیں چھوڑ رہے تھے۔ اسی طرح ایک لہراتی ہوئی ریشمی زلف جو بار بار کسی رخسار پر جھول جاتی تھی التمش کے تخیل کا ایک حصہ بن گئی۔

"آئی تم نے یہ بھی نہیں سونچا کہ میں عیسائی ہوں اور کاکل مسلمان ہم کسطرح کر سکتے ہیں شادی۔ میری مشکلیں مت بڑھاو آئی۔ میں جا رہا ہوں

"ٹھیر جا۔ کدر جاتا ہے" ۔ڈورا کی آواز آئی ۔

"کیا ہے آئی" مسیح نے دکھے دل سے پوچھا "کیا ابھی اور کچھ باقی رہ گیا ہے ؟"

"ہاں ، ہاں ۔وہ بات رہ گیا ہے جو میں کبھی کسی کو نئیں بولا" ۔ڈورا کی آواز اونچی ہوتی گئی ۔اب بولے گا ، جرور بولیگا۔ مسیح تم مسلمان ہے ۔ تم اکھتر بکھت کا پیٹا ہے" ۔

"آئی ۔!" مسیح چلایا ۔اسکے ساتھ ہی دوسری قیامت آگئی ۔دروازہ زور سے کھلا اور التمش طوفان کی طرح داخل ہوئے ۔

"بد نصیب عورت" ۔انکے لہجے میں شعلے لپک رہے تھے "کیا بک رہی ہے" ۔

التمش کو وہاں دیکھ کر ڈورا ساکت کھڑی ہوگئی ۔اسکے ہونٹوں کی دونوں جانب کھائیاں گہری ہوگئی تھیں ۔آنکھوں میں خوفناک چمک تھی ۔ وہ التمش کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے گھور رہی تھی ۔ مسیح کا سر چکرایا گیا اور وہ وہیں کرسی پر بیٹھ گیا ۔اسے یقین تھا کہ اسکی ماں پاگل ہوگئی ہے ۔

"نئیں ڈورا پاگل نئیں ہے" ۔ڈورا نے اپنے مخصوص انداز میں پاوں پٹک کر کہا "برسوں سے سینے میں گھاو دبا کے رکھا تھا" ۔اسنے سینے پر ہاتھ مار کر کہا ۔"کسی کو نئیں بولا"

التمش سپٹپہ نہیں کیا کر جاتے لیکن انہوں نے غیر معمولی تحمل سے کام

لیا۔ ڈورا کا الزام اتنا سخت تھا کہ غیض و غضب سے مٹ نہیں سکتا تھا۔ لیکن انکی آنکھوں میں چٹختی چنگاریوں نے خود ڈورا کی ہمت پست کر دی۔ اسنے ان کے سامنے گھٹنے ٹیک کر سر جھکا دیا۔

"چھوٹے سرکار ہم سچ بولتا"۔ اسکی آواز لرز رہی تھی "مسیح تمھارا بھائی ہے"۔

اور پھر اس نے من وعن اپنی کہانی کہہ سنائی۔ وہ قسمیں کھا کر کہہ رہی تھی کہ جب بیگم کی بیماری میں اسے کوٹھی پر بلایا گیا تھا۔ تبھی وہ اختر بخت کی ہوس کا شکار ہوئی تھی۔ اختر بخت لاکھ اپنی بیوی کو پیار کرتے ہوں۔ پھر بھی مرد تھے۔ بیگم کی طویل علالت نے انہیں اپنا ضبط توڑنے پر مجبور کر دیا تھا۔

التمش کی سرد نظر اور بھینچے ہوئے ہونٹ بتا رہے تھے کہ ان کا ذہن کس بحران سے گزر رہا تھا۔ جب ڈورا نے اپنی بات ختم کی اور سینے پر کراس بنایا تو وہ بغیر کچھ کہے پلٹے اور کوارٹر کے باہر چلے گئے۔

"آئی کیوں کہا۔ کیوں کہا تم نے یہ سب کچھ۔ کیوں کہا؟" مسیح نے یوں کہا جیسے اسکے بدن میں بس ایک رمق زندگی کی بچ گئی ہو۔

"جو سچ تھا وہ بولا"۔ ڈورا کا سنگلاخ چہرہ اور بھی فولادی ہو گیا۔

"تو لو"۔ مسیح نے اسکا ہاتھ اپنے سر پر رکھ کر کہا "اب کہو تم سچ کہہ رہی ہو"۔

ڈورا کو غصہ آگیا کہ خود اسکا بیٹا اسکی بات کا یقین نہیں کر رہا تھا۔

اسنے ایک جھٹکے سے مسیح کا ہاتھ دھکیل دیا" ڈورا کو جھوٹ بولنے کا جرورت نئیں ہے" اور اندر چلی گئی۔

مسیح کی صحت پر یہ تازیانہ گہرا تھا۔ اسکا دل ڈوب رہا تھا۔ چہرے پر کی سفیدی کاغذ کی سفیدی میں تبدیل ہو گئی تھی۔ اسے لگا جیسے گھٹنوں سے اسکی سکت جاتی رہی تھی۔ وہ بمشکل تمام اٹھا۔ پاس رکھے گلاس سے پانی پی کر لڑکھڑاتا ہوا باہر نکل گیا اور ڈورا اسے پکارتی رہ گئی۔

التمش اپنے والد کی شخصیت سے بہت متاثر تھے۔ ان کا دل کس طرح مان لیتا کہ ڈورا کا الزام سچ تھا۔ لیکن جہاں شک اپنا بیج بوتا ہے وہاں وہ وفادار درخت اگ آتے ہیں جو ذہن کے تلوے چھلنی کر دیتے ہیں۔ لیکن ڈورا کا الزام سچ تھا تو سارا سینیریو ہی بدل جاتا تھا۔ اپنے والد کے کردار پر زبردست ایقان کے باوجود نئے زمانے کا پرور دہ ذہن منطقی طور پر سچائی تک پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا۔

کیا یہی وجہ تھی کہ انکے والد نے اپنی وصیت میں ڈورا اور مسیح کے لئے کافی دریادلی کا ثبوت دیا تھا۔ کیا یہی وجہ تھی تھی کہ ڈورا نور سے جتنا پیار کرتی تھی خود ان سے کھنچی رہتی تھی، کیوں کہ وہ سمجھتی تھی کہ التمش کی وجہ سے مسیح کا حق جائیداد میں مارا جائیگا!۔

اپنی بیوی سے والہانہ محبت اور اپنے کڑے اصولوں کے باوجود اختر بخت بھی انسان تھے، مرد تھے، کیا انکی ایک وقت کی بھول کو اپنی بیوی سے بے وفائی سمجھا جا سکتا تھا۔ غیر جانبداری سے سوچنے کی کوشش کرتے ہوئے

بھی التمش کو لگا کہ اپنے والد کا جو مرقع انہوں نے اپنے ذہن میں بسا رکھا تھا اب ان سے نظریں چرا رہا تھا۔ اگر مسیح بھی ان ہی کی اولاد تھی تو انہوں نے جان بوجھ کر اسکے ساتھ ناانصافی کی تھی جو انکے کردار کی سب سے بڑی کمزوری ثابت ہوئی تھی۔ مسیح کے بچپن اور لڑکپن کو بھی التمش کی برابری نہیں دی گئی حتیٰ کہ وہ احساس کمتری میں بدل کر اسکی فطرت کا جز بن گیا جسے وہ فراخ دلی سے چھپاتا رہا۔

ان کے سامنے رکھے ایش ٹرے میں بجھے ہوئے سگریٹوں کا انبار لگا تھا اور پیشانی پر گہری شکنیں تھیں۔ ڈورا نے ایک ہی وار میں ان کے محل مسمار کر دیے تھے اور ان کھنڈروں میں کھڑے وہ اپنا مقام پہچاننے کی تگ و دو میں لگے تھے۔ لیکن انکی پریشانیوں کا پیالہ ابھی چھلکا نہیں تھا کہ ڈاک میں آئے ایک خط نے یہ کسر بھی پوری کر دی۔ اتفاق کی بات تھی کہ انکے ہر مسئلے کا سلسلہ جا کر کاکل سے ملتا تھا۔

مدراس جانے سے پہلے التمش کے اقرار محبت اور پھر فدا حسین میں خوشگوار تبدیلی نے کاکل کے دل سے غیر یقینی کے تکلیف دہ احساس کو مٹا دیا تھا۔ اس نے جہاں تک غور کیا اسے یقین ہوتا گیا کہ التمش نے جو کچھ کہا سچے دِل سے کہا تھا۔

دل میں ارمانوں کا ایک ہجوم لئے وہ لائبریری میں داخل ہوئی۔
"کس کی تلاش میں آئی ہو؟" ۔ انکا لہجہ برف کی مانند سرد تھا۔
وہ ہونق سی انہیں دیکھتی رہ گئی۔ ان کے بال بکھرے ہوئے تھے اور

آنکھوں میں بیحد تکان کے آثار۔ انہوں نے ٹائی کی گرہ ڈھیلی کر کے اسے یونہی چھوڑ دیا تھا۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ وہ کیسی ذہنی دوزخ پار کر کے بیٹھے تھے۔ انکے لہجے میں سانپ کی پھنکار تھی۔

"کس کی تلاش میں آئی ہو" ۔ "انہوں نے اپنی خونیں نظریں اٹھا کر دوبارہ اس سے پوچھا اور اٹھ کر اسکے قریب چلے آئے۔" میری! ۔ مسیح کی یا تمہارے اس ناکام عاشق کی جسنے یہ خط لکھا ہے" ۔ انہوں نے ایک خط اس پر دے مارا۔ وہ آنکھیں پھاڑے انہیں دیکھتی رہ گئی۔

" اب تمھاری ان حیران آنکھوں کا جادو مجھ پر نہیں چلے گا کاکل فدا حسین "

" کیا کہہ رہے ہیں آپ ؟ "

" خط پڑھو! التمش کا لہجہ تحکمانہ تھا۔ اس لہجے میں کسی اور نے اس سے بات کی ہوتی تو وہی خط وہ اسکے منہ پر دے مارتی لیکن اسے بھی معاملے کے تہہ تک پہنچنا تھا۔ اس نے خط کھولکر پڑھنا شروع کیا۔ خط التمش کے نام تھا۔ جوں جوں وہ پڑھتی گئی اسکے رونگٹے کھڑے ہوتے گئے کیونکہ وہ خط حفیظ کا تھا جسے کاکل نے دھتکار دیا تھا۔ خط میں حفیظ نے بہت ہی ناشائستہ الفاظ میں خود اپنے اور کاکل کے معاشقے کی داستان لکھی تھی اور انکشاف کیا تھا کہ جب کاکل کو حقیقت کا پتہ چلا کہ وہ غریب ہے تو اس نے اس سے شادی سے انکار کر دیا آگے لکھا تھا کہ اب وہ اپنی محنت اور جفا کشی سے اتنا کماتا ہے کہ کاکل کو ہر آسائش مہیا کر سکتا ہے اور پھر حفیظ نے التمش سے التجا کی تھی کہ اسکی روٹھی

مجبو ۔ کو نوکری سے برخواست کر دیں، کیونکہ اب اسے نوکری کی کوئی ضرورت نہیں ہے ۔۔ نہ صرف یہ بلکہ اسے واپس حفیظ کے پاس جانے پر آمادہ کریں ۔۔

ظاہر ہے وہ خط حفیظ کی زخمی انا کا رد عمل تھا لیکن کاکل کے لئے پروانۂ تباہی ۔ التمش نے دیکھا خط کاکل کے ہاتھوں میں لرز رہا تھا۔

"اور کتنوں کے ساتھ تم نے یہ کھیل کھیلا ہے؟" انکی آواز بڑی مسطح اور سنجیدہ تھی ۔

"یہ ۔۔۔۔ یہ جھوٹ ہے" ۔ وہ اتنے قریب تھے کہ اپنی بات سنانے کے لئے اسے پیچھے جھکنا پڑا ۔

"کیا جھوٹ ہے؟ التمش نے جھک کر اس کی وحشت زدہ آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا" ۔ کیا مسیح کے نام تمھارا نوٹ جھوٹ ہے؟ ۔ کیا کیوپڈ کا وہ قیمتی مجسمہ جھوٹ ہے جو اس نے تمھیں تحفہ دیا ۔؟ کیا اسکے ساتھ وہ سیر سپاٹے جھوٹ ہیں؟ ۔ کیا اس غریب حفیظ کی درخواست بھی جھوٹ ہے جو تمھاری بے وفائی کے باوجود تمھیں اپنانا چاہتا ہے؟ کاکل تم ہمیشہ اپنے جذبات کو پیسے میں تولنے کی عادی ہو؟" انہوں نے خط کی طرف اشارہ کیا۔

"تم اسے ٹھکرا کر چچی جان کو بیوقوف بنا کر یہاں چلی آئیں ۔
In search of greener pasture مسیح پر ڈورے ڈالے ۔ اسکے نیک اور پارسا دل کو بھٹکایا ۔ ادھر معصومیت کا لبادہ اوڑھ کر مجھے دام میں پھانسنے کی کوشش کی ۔

جرم کی ایک طویل فہرست تھی جس پر اسے لپنے اقبال جرم کی مہر ثبت کرنی تھی۔

" لیکن مس کاکل فدا حسین " ۔وہ اسکی طرف درشتگی سے جھکے ۔ تم مجھے اتنا آسان شکار نہیں پاؤ گی " ۔انہوں نے ایک جھٹکے سے اسے ٹھکرا دیا۔

" تم نے مسیح کو اس لئے الجھائے رکھا کہ تم جانتی تھیں وہ میری جائیداد میں آدھی کا وارث بن سکتا تھا " ۔

کیا کہہ رہے تھے وہ کاکل سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ بالوں کے نیچے ان کی لمبی انگلیوں کا لمس اس کی گردن پر رینگ رہا تھا۔

" تم نے ایک تیر سے دو شکار کرنے چاہے ۔ مسیح اپنی قسم نبھانے کے لئے پادری بن جاتا تو میں تو تھا ہی " ۔انکے لہجے کا گہرا طنز۔ گردن پر تنگ ہوتی گرفت اسکے اوسان خطا کر رہی تھی ۔اس نے جب خود کو انکی گرفت سے آزاد کرانا چاہا تو انہوں نے دوسرا ہاتھ اسکی کمر میں حمائل کر کے اسکی راہ فرار مسدود کر دی۔

" میں، میں نے کیا کیا ہے ؟ " وہ بمشکل بول پائی۔

" کیا تمنے ڈورا کے سامنے اقبال نہیں کیا تھا کہ تم مسیح کو چاہتی ہو ؟ "

انکی گرفت اسکی گردن پر تنگ ہوتی گئی۔ " جواب دو " ۔

" کہا تھا ۔۔۔" اس نے درد سے دوہری ہو کر کہا " لیکن ۔۔۔" اس سے پہلے کہ وہ کچھ اور کہتی انہوں نے اسے ایک جھٹکے سے آزاد کر دیا۔ اگر اس نے کرسی کی پشت کا سہارا نہ لے لیا ہوتا تو انکے قدموں میں ڈھیر ہو جاتی۔

" اور یہ ـــ یہ کون حفیظ ہے جسکو تمہارا انتظار ہے" ۔ انہوں نے حقارت سے کہا " تم اپنے معصومیت کے لبادے میں ایسی مکار دلہن ہو کاکل جسکے لئے تین سیجیں سجی ہیں" ۔ وہ سنبھلنے کی کوشش کر رہی تھی لیکن التمش اسے سانس تک درست کرنے کا موقعہ نہیں دے رہے تھے ۔ وہ تو اپنے اندھیرے دل میں کئی شمعیں جلائے وہاں آئی تھی جسے التمش نے ایک ہی پھونک میں بجھا دیا۔

" بس ، بس التمش صاحب " ۔ کاکل جو انکے الزام پر الزام سہے جا رہی تھی انکے آخری جملے پر چراغ پا ہو گئی ۔ " میں آپ کو اپنے کردار پر حملہ کرنے کی اجازت نہیں دے سکتی " ۔ اس نے جھنجھلا کر کہا۔

" کردار ! اجازت ! " وہ خطرے کی طرح اسکی جانب بڑھے ۔ اس سے پہلے کہ وہ اپنی مدافعت کرتی اسکی کلائی انکے ہاتھ میں تھی ۔ ایک جھٹکے سے انہوں نے اسے اپنی طرف کھینچا اور اپنی باہنوں میں محصور کر لیا۔

" تم کردار کی بات کرتی ہو ؟ کیا تمہارا خوبصورت جسم میری باہنوں کی حرارت سے موم نہیں بن جاتا ؟ ۔ میں چاہتا تو تم سے کیا کچھ نہ وصول کر سکتا تھا خواہ مخواہ میں نے اپنی شرافت کا ثبوت دیا" ۔ انہوں نے ٹھوکر لگا کر اپنے پیچھے دروازہ بند کر دیا۔

" اگر میں جانتا کہ تم اتنی تجربہ کار ہو تو میں بھی تمھیں ایک اور خوبصورت تجربہ دے سکتا تھا پینا ڈرنا ۔ اب بھی کوئی دیر نہیں ہوئی " ۔ اس بار انکا پینا ڈرنا کہنا گالی کی طرح لگا۔

انہوں نے اسکے دونوں ہاتھ پشت پر اپنے ایک ہاتھ سے جکڑ رکھے تھے دوسرے ہاتھ سے انہوں نے گردن سے اوپر اسکا چہرہ ایسے تھاما ہوا تھا کہ وہ جنبش بھی نہیں کر سکتی تھی۔ شدت تکلیف سے اسکا جسم کمان بنتا جا رہا تھا لیکن انہیں اس پر رحم نہیں آیا۔ رحم کا سوال ہی نہیں اٹھتا تھا کیونکہ اس وقت انکے ذہن کی ہیجانی کیفیت نے انہیں اور بھی زیادہ غضبناک بنا دیا تھا انکی آنکھوں میں چنگاریاں سی بھر گئی تھیں۔ وہ کاکل کی بے چارگی کا بھرپور مزہ لے رہے تھے۔ وہ جتنا ان سے آزاد ہونے کی کوشش کرتی انکی گرفت اتنی ہی تنگ ہوتی جاتی۔ کشمکش نے اسے تھکا دیا اور التمش سے چھٹکارا پانے کی کوشش ایک ناکام تمنا بن کر رہ گئی۔

کاکل کی حالت اس وقت ایک محصور ہرن کی تھی جسکے فرار کا ہر راستہ مسدود تھا۔ قوی جب کمزور کو پوری طرح اپنے بس میں کر لیتا ہے تو احساس فتح کے بعد اسمیں جذبہ ترحم جاگتا ہے۔ شاید یہی وجہ تھی کہ کاکل کی خوفزدہ آنکھوں میں دیکھتے دیکھتے انکی آنکھوں سے بے رحمی اور درشتگی کافور ہونے لگی۔ اسکے جگہ ایک اور کیفیت نے جنم لیا جسے کوئی نام نہیں دیا جاسکتا تھا۔

اتنی وحشت ، اتنی وحشت صدقے اچھی آنکھوں کے
تم نہ ہرن ہو میں نہ شکاری دور اتنا کیوں بھاگو ہو

انہوں نے شعر کو زیر لب ، نثر کی طرح پڑھا۔ اور ان حیران خوفزدہ آنکھوں میں دیکھتے ہوئے انکے لب کاکل کے لبوں سے پیوست ہو گئے۔

خطرے سے فرار کا ہر راستہ جب مسدود ہو جاتا ہے تو انسان بے بسی سے آنکھیں بند کر لیتا ہے۔ یہی حال اس وقت کاکل کا تھا۔ اسکا دل دھونکنی بن گیا تھا۔ اسکے بال و پر میں زخمی پرندے کا تشنج تھا جس پر اسکا اختیار نہیں تھا لب مہر بند تھے اور روح زخمی۔ لیکن یہ کیفیت دیر تک قائم نہیں رہی۔ کیونکہ جو عمل سزا کے طور پر شروع ہوا تھا۔ رفتہ رفتہ وارفتگی میں بدل گیا۔ التمش کے مشاق لب اب کاکل کی بند آنکھوں، اسکے رخسار اور گردن کا طواف کر رہے تھا اور کاکل ایک بار پھر انکی باہوں میں خود کو محفوظ محسوس کرنے لگی تھی۔ سدا ان باہوں میں رہنے کی تمنا نے سر اٹھایا تھا۔ التمش کی گرفت ڈھیلی ہونے پر بھی وہ وہیں تھی جہاں کئی بار اسنے تصور میں خود کو پایا تھا۔ اب انکے دل ایک ساتھ دھڑک رہے تھے۔ یکسانیت سے جیسے دو ساز جگل بندی میں ایک دوسرے کا ساتھ دے رہے ہوں۔

"دیکھ لیا نا"۔ التمش کے ہونٹوں نے گویا کاکل کے لبوں سے سرگوشی کی۔

"کاکل فدا حسین میں اب بھی تم پر مکمل دسترس رکھتا ہوں۔ کیا مسیح یا حفیظ نے بھی کبھی تمھیں بے خودی کا ایسا حسین تجربہ دیا تھا؟"۔

التمش کے یہ الفاظ کاکل کے پندار پر کاری زخم کی طرح لگے۔ وہ ایسے جاگی جیسے کسی نے اونچی پہاڑی سے اسے دھکا لگا دیا ہو۔ اسے انکی گرفت سے نکلنے کی زحمت نہیں کرنی پڑی کیونکہ انہوں نے خود اسے پرے ہٹا دیا تھا۔ انتہائی غصے کے عالم میں کاکل نے ہاتھ اٹھایا جو زوردار طمانچے کی شکل میں

التمش کے رخسار پر پڑا۔اور وہ آندھی کی طرح دروازہ کھول کر نکل بھاگی۔

وہ کیسے اس مغرور شخص کو باور کراتی کہ ان کے علاوہ کبھی کسی نے اسے چھونے کی جرأت نہیں کی تھی ۔۔اور خود اسے کیا ہوگیا تھا ؟ التمش کے سنگین الزامات کے باوجود ایک ٹوٹی ہوئی شاخ کی طرح اس نے خود کو انہیں سونپ دیا تھا۔ کیوں اسے ان پر بھروسہ تھا کہ وہ اسکی ناموس کو خجل نہیں کرینگے ۔۔انہوں نے تو کبھی اسے کوئی تیقن نہیں دیا تھا۔ پھر بھی کیوں انکی شخصیت نے کہرے کی طرح اسے اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا جہاں سوائے انکے اسے اور کچھ نظر نہیں آیا۔احساس کا یہ غلبہ صرف التمش کے ساتھ کیوں جڑا ہوا تھا جبکہ وہ مسیح کے جذبات سے بالکل بے بہرہ تھی جنہیں التمش کی نظروں نے تاڑ لیا تھا۔التمش کے توجہ دلانے کے بعد اسے ہر وہ موقعہ یاد آرہا تھا جب مسیح کی نظریں بے لگام ہوتے ہوتے رک جاتیں تھیں ۔۔اسکی دمسازی جسے اس نے محض انس سمجھا تھا در اصل مسیح کی شریف النفسی کے لئے ایک امتحان تھا۔ وہ نادانستہ ہی مسیح کے ذہنی سکون کی بربادی کی ذمہ دار بن گئی تھی ۔ لیکن التمش کا یہ الزام سراسر جھوٹ تھا کہ وہ مسیح کو انکی جائیداد کا ساجھے دار سمجھتی تھی۔

بغرض محال جو کچھ التمش نے کہا ہو سچ بھی تھا تو اس سے انکا کیا تعلق تھا وہ انکے پاس نوکری کرنے آئی تھی غلامی نہیں ۔آخر وہ اپنے آپ کو سمجھتے کیا تھے! لیکن یہاں وہ خود ان سے آنکھ نہیں ملا سکتی تھی ۔اسکی جو درگت بنی اسکی ذمہ دار وہ خود تھی ۔۔التمش نے اسے کافی موقعہ دیا تھا

کوٹھی کا پر سکون ماحول میدان کارزار بن گیا تھا۔ لیکن جنگ یہاں فریقین کے مابین نہیں تھی۔ افراد خود اپنے آپ سے برسرپیکار تھے۔ کوٹھی میں بس ایک ہی خوش دل و بے فکر جوڑا تھا، وہ تھے فدا حسین اور حور بانو جنہوں نے زندگی کے ضمیمے میں اپنے لئے خوشیاں فراہم کی تھیں۔

کاکل اپنے باپ کی نئی حاصل شدہ مطمئن زندگی سے خوش تھی۔ وہ اسے ساتھ لیجانا چاہتے تھے اور پریشان کن موقع تھا بھی ایسا ہی کہ اگر وہ انکے ساتھ واپس چلی جاتی تو چند ہی دنوں میں کوٹھی، اسکے مسائل اور وہاں کے باسی اسکے لئے قصہ پارینہ بن جاتے۔ لیکن اب اسے اپنی جنگ آپ لڑنے کی عادت ہو گئی تھی دوسرے، وہ اپنے والد کی مسرور و شاداں زندگی میں ایک نیا عنصر بنکر تہلکہ نہیں مچانا چاہتی تھی۔ حالانکہ حور بانو نے بھی اسے خلوص دل سے ساتھ چلنے کی دعوت دی تھی۔ اسکے لئے یہی کافی تھا کہ اسکے والد اب طفیلی زندگی نہیں گزار رہے تھے۔ اب وہ خود ایک سایہ دار درخت تھے جو کسی اور کا سہارا بن سکتے تھے۔

کوٹھی کے بظاہر خاموش اور گمبھیر ماحول کے بارے میں کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ اس سکون کے پیچھے کتنے وبال اٹھ رہے ہونگے۔

التمش نے ہمنت راو کو بلایا تھا کہ اپنے والد کی وصیت پر نظر ثانی کریں انکی انصاف پسند طبیعت ہرگز مسیح کا حق مارنے کے لئے تیار نہیں تھی۔ حفیظ کا خط ایک معمہ بنا ہوا تھا اور انکے مہمان بھی وہیں سے آئے تھے۔

حالانکہ حور بانو کا رشتہ التمش سے، انکے تایا شاہ احمد حسین کے مرنے کے بعد یونہی سا رہ گیا تھا لیکن انکی مہمان نوازی میں کوئی کسر نہیں چھوڑی گئی تھی۔ یہ تو اس کوٹھی کا انداز ہی تھا لیکن حفیظ کا خط آنے کے بعد التمش کی نظر میں فدا حسین اور حور بانو کا عندیہ مشکوک ہو گیا تھا۔ انہیں شک ہو گیا تھا کہ انکی آمد حفیظ ہی کے خط کی ایک کڑی تھی۔ غالباً وہ سمجھا بجھا کر کاکل کو ساتھ لیجانے کے لئے ہی آئے تھے۔ اور انکا شبہ یقین میں اس وقت بدل گیا جب فدا حسین نے خم ٹھوک کر کاکل کو ساتھ لیجانے والی بات چھیڑی۔ سارے مہرے اپنی جگہ بیٹھتے نظر آئے۔ حفیظ کے خط نے آکر انکے اور مسیح کے مابین خطوط متوازی کو مثلث میں تبدیل کر دیا تھا۔ جس لڑکی نے انکے سرکش دل پر قبضہ کر لیا تھا کیا وہ اتنی فلرٹ ہو سکتی تھی کہ ڈال ڈال پات پات اپنے مداحوں کو نچاتی پھرے اور وہ بھی دولت کی خاطر، انہیں یقین ہی نہیں آرہا تھا لیکن حالات ہی کچھ ایسے ہو گئے تھے کہ ہر محال بات پر انہیں یقین کرنا پڑ رہا تھا التمش نے حفیظ کے خط کا ذکر کرنا بھی ضروری نہیں سمجھا اور فدا حسین سے کہہ دیا اگر وہ اپنی بیٹی کو ساتھ لیجانا چاہیں تو انہیں کوئی اعتراض نہیں تھا۔

التمش نے طے کر لیا تھا کہ سارے مسائل ایک ایک کر کے نپٹائینگے انہیں میٹنگ کے لئے گوا جانا تھا۔ لیکن انکے کہنے پر میٹنگ کو چند دنوں کے لئے ملتوی کر دیا گیا تھا۔

ڈورا نے جو مسئلہ اٹھایا تھا اسکے خلاف انکے پاس کوئی ثبوت نہیں تھا خود مسیح بھی اس پر روشنی نہیں ڈال سکتا تھا۔ مگر مسیح تھا کہاں؟ کیا اسکی

اچانک غیر حاضری اس بات کا ثبوت نہیں تھی کہ اسکی غیر حاضری میں سارے مسائل طے ہو جائیں
التمش نے ایک کسیلی مسکراہٹ سے سوچا کہ کس طرح عرصہ تک انسان کے نفس کی خباثت کھل کر سامنے نہیں آتی انہیں افسوس تھا کہ اپنے بچپن کا ساتھی جسے وہ اپنے ہاتھ کی لکیروں کی طرح جانتے تھے وقت آنے پر اتنا مختلف ثابت ہو سکتا تھا۔

التمش نے ہمنت راو کی موجودگی میں ڈورا کو بلوا بھیجا۔ ڈورا اب انکے گھر کی پرانی خادمہ نہیں بلکہ کسی فاتح کی طرح آکر ٹیبل کے سامنے کھڑی ہو گئی۔ آج اسکے انداز میں ایک اٹل پن تھا۔ ایک خود اعتمادی جو انسان کو اسکی کامیابی ہی عطاء کر سکتی ہے اسنے کڑھی ہوئی نئی چادر پہنی تھی تانبے انگ شانوں پر سیاہ لٹیں پام کے پتوں میں لپٹی جھول رہی تھیں۔ آج اسے سوم کی ساتھ ٹوڈا بستی جانا تھا۔ اسے اب کسی کی اجازت کی ضرورت نہیں تھی۔

"ڈورا" ہمنت راو نے گلا صاف کر کے کہا۔ "تم جانتی ہو کتنا بڑا الزام لگا رہی ہو بریگیڈیر بخت پر؟"

"ڈورا جھوٹا الجام نئیں لگاتا"۔ اسنے راست ہمنت راو کی آنکھوں میں دیکھکر کہا۔ اسکے انداز میں غضب کی بغاوت تھی۔

"اگر یہ بات سچ ہے تو تم اتنے دن خاموش کیوں رہیں؟ اپنا حق کیوں نہیں مانگا؟" ہمنت راو نے جرح کی

"کونسا حک۔ ڈورا کو بڑا سرکار سب کچھ دیا"۔

"اگر یہ بات تھی تو تم نے اب یہ بتانا کیوں ضروری سمجھا؟"۔

"جروری ہو گیا۔" ڈورا نے زور دیکر کہا "مسیح بی بی کو پیار کرتا وہ اس سے سادی نئیں بناتا کیونکہ بی بی مسلمان ہے۔ہم کو بولنا پڑا مسیح بھی مسلمان ہے"۔اپنی حد تک ڈورا نے بات ختم کر دی۔

ہمنت راو نے التمش کی طرف دیکھا۔انکا صاف مطلب تھا کہ ڈورا نے اپنی اولاد کی خاطر اپنا راز فاش کیا تھا ورنہ کوئی عورت اپنے ناجائز تعلقات یوں مشتہر نہیں کرتی۔

"تم جا سکتی ہو ڈورا"۔التمش ساری کاروائی خاموش بیٹھے سنتے رہے ڈورا اپنے عظیم جثے کے ساتھ جانے کے لئے پلٹی لیکن اسی وقت دروازہ کھلا اور مسیح فادر رینے ڈکٹ کے ساتھ داخل ہوا۔مسیح کے ستے ہوئے چہرے سے ظاہر تھا کہ وہ زبردست ذہنی بحران کا شکار تھا۔فادر رینے ڈکٹ کو دیکھا تو ڈورا کسی ستون کی طرح ساکت کھڑی ہو گئی۔اس نے جھک کر انکے ہاتھ کو بوسہ دینا چاہا لیکن فادر نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔وہ اس سے خفا تھے۔

"ڈورا آج تم نے عیسائیوں کے نام پر کلنک لگا دیا"۔فادر نے کہا۔

انکی غیر متوقع آمد پر التمش اور ہمنت راو تعظیماً اٹھ کھڑے ہوئے ٹیبل کے پاس کرسیوں کی کمی تھی۔وہ سب مسیح سمیت صوفوں پر بیٹھ گئے مسیح کے چہرے کی رنگت بتاتی تھی کہ اس نے ڈاکٹر کی صلاح کے خلاف خود کو بہت تھکا دیا تھا۔سر کے زخم پر بندھی پٹی پر خون کا تازہ داغ تھا۔

ڈورا جانے لگی۔وہاں اسکا کام ختم ہو چکا تھا۔

"نہیں آئی ۔ ٹھیرو" ۔ مسیح نے کہا ۔

ڈورا تذبذب میں رک گئی ۔

"آئی مجھے معاف کرنا" ۔ مسیح نے بڑے اعتماد سے کہنا شروع کیا ۔ "تمھاری ضد کی کہانی ایک ماں کی ضد کی کہانی ہے ۔ تم شروع ہی سے نہیں چاہتی تھیں کہ میں پادری بنوں ۔ لیکن تم اس حد تک بڑھ جاوگی کہ مجھے مسلمان ثابت کرنے کے لئے اختر بخت کا ناجائز بیٹا بنادوگی ، میرے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا" ۔

"مسیح تو کیا بولتا ہے ۔ ڈورا تیرا ماں ہے" ۔ ڈورا نے کچھ کہنے کی کوشش کی لیکن مسیح نے اسے ہاتھ سے روک دیا ۔

"نہیں آئی مجھے کہنے دو ۔ تم نے اسی ہاتھ کو کاٹنے کی کوشش کی جس نے تمھیں اور مجھے سہارا دیا ۔" مسیح نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا جیسے اسے چکر آگئے ہوں ۔ التمش نے ٹھنڈے پانی کا گلاس مسیح کے لبوں سے لگا دیا وہ بھی سچائی جاننے کے لئے بے چین تھے لیکن مسیح کے بیمار چہرے اور کانپتے ہوئے ہاتھوں کی فکر لاحق ہو گئی تھی ۔ انہوں نے مسیح کا ہاتھ تھپتھپا کر اسے آرام کرنے کے لئے کہا ۔

"نہیں تامش مجھے کہنے دو ۔" مسیح آگے بڑھا ۔ "۔۔۔۔ میری غیرت نے گوارا نہیں کیا ۔ میں سچائی جاننا چاہتا تھا ۔ میں نے مقدس باپ فادر بینے ڈکٹ کا دامن تھاما ۔ اور آئی اب مجھے تمھیں ماں کہتے شرم آتی ہے" ۔ مسیح نڈھال ہو گیا ۔

ہمنت راو، التمش اور فادر پینے ڈکٹ مسیح کی باتوں کو غور سے سن رہے تھے۔ ادھر ڈورا کے لئے فرار کا راستہ بند تھا۔ جھوٹ کھلنے پر اسکی گردن شرم سے جھکی جا رہی تھی۔ اسکی آنکھوں کی وہ گستاخ چمک جو وہ لائبریری میں ساتھ لائی تھی اب مفقود تھی۔

"دو دن پہلے مسیح میرے پاس آیا"۔ فادر نے تفصیل بتائی۔ "اسے اپنی ماں کے بیان پر شک تھا۔ وہ چاہتا تو بڑی آسانی سے اس جھوٹ کا فائدہ اٹھا سکتا تھا۔ اتنی بڑی جائیداد کا حصہ دار بن کر۔ وہ لڑکی اسے حاصل ہو سکتی تھی جس سے پیار کا اقرار اسنے ایک سے زیادہ بار کنفیشن باکس میں کیا تھا۔ میں اسکا گواہ ہوں"۔

"فادر!"۔ مسیح نے بیچارگی سے فادر کو ٹوکا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اسکا راز عام ہو اور کا کل کی جگ ہنسائی ہو۔ یہ بات عیسائی اصولوں کے خلاف تھی

"میں جانتا ہوں کہ یہ بات ٹھیک نہیں ہے کہ میں تمھارا راز کھولوں"۔ فادر نے کہا "لیکن ایک تباہ کن جھوٹ کا پردہ فاش کرنے کے لئے اس سے متعلق سچ کو عام کرنا ضروری ہو جاتا ہے"۔ فادر نے کچھ توقف سے بات آگے بڑھائی۔

"مسیح ایک انگریز ڈاکٹر کا لڑکا ہے"۔ جو آج سے تیس سال پہلے مشن میں کام کرنے کے لئے آیا تھا۔ میں اسکا نام نہیں بتاؤنگا۔ میں نے ہی سفارش کر کے بیگم کی خدمت کے لئے مشن سے ڈورا کو بھجوایا تھا۔ کیونکہ وہ مستعد اور اچھا کام کرنے والی تھی۔ ڈورا جب بیگم کی خدمات کے لئے آئی تھی تبھی

ماں بننے والی تھی لیکن یہ بات کوئی نہیں جانتا تھا۔ صرف اسکا دوست سوم جانتا تھا جو ڈورا کو عیسائی ہونے پر بھی اپنانے تیار تھا۔ یا پھر یہ بات میرے اپنے علم میں تھی"۔ فادر نے اپنی بات ختم کی۔ لائبریری میں ایسی خاموشی تھی جیسے سب کو سانپ نے سونگھ لیا ہو۔ ڈورا وہیں فرش پر گھٹنوں میں سر دیئے بیٹھی تھی۔

"اب کہو آئی جو کچھ فادر نے کہا وہ سچ ہے یا نہیں؟" مسیح نے ماں سے پوچھا۔

ڈورا نے جب سر اٹھایا تو اسکی آنکھوں میں پسپائیت کے آنسو تھے۔ وہ فادر کے آگے گھٹنوں کے بل جھک گئی۔

"گاڈ اور ہولی گھوسٹ ڈورا کو معافی نئیں دیگا۔ مگر فادر آپ میرے کو معاف کر دے"۔ فادر نے ڈورا کے سر پر ہاتھ رکھ دیا اور وہ کھڑی ہو گئی۔ اس میں کسی سے آنکھیں چار کرنے کی ہمت نہیں تھی۔ ممتا سے مجبور ہو کر جو جھوٹ اس نے گڑھا تھا اسکا پردہ یوں فاش ہو جائیگا اور وہ بھی بیٹے کے ہاتھوں اس نے کبھی سوچا نہ تھا۔ وہ ایک ہارے ہوئے جواری کی طرح لڑکھڑاتی لائبریری سے باہر نکل گئی۔

فادر اور مسیح کے ساتھ ہمنت راو بھی اپنی فائلیں سمیٹے کھڑے ہو گئے معاملے کی تہ کو پہنچ کر وہ بھی اب مطمئن تھے ورنہ اختر بخت کی وصیت بے معنی ہو کر رہ جاتی اور انہیں سرے سے التمش کی جائیداد کا قانونی تجزیہ کرنا پڑتا۔

فادر کو خدا حافظ کہنے کے بعد جب التمش واپس لوٹے تو انہیں تنہائی کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اختر بخت پر جو الزام ڈورانے لگایا تھا وہ التمش کے لیے ایک ناقابل برداشت دھکا تھا جس نے انکے ذہنی توازن کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا۔

جب وہ لائبریری میں واپس آئے تو مسیح بھی انکے ساتھ اندر چلا آیا۔ کچھ دیر تک وہ دونوں بالکل چپ چاپ بیٹھے رہے۔ التمش نے سگریٹ نکالا تو مسیح نے اٹھکر لائٹر سے اسے جلا دیا۔

وہ خاموشی بڑی بوجھل خاموشی تھی۔ شائد دونوں ہی کچھ کہنا چاہتے تھے لیکن کہہ نہیں پا رہے تھے۔ آخر التمش اٹھے اور اپنے ٹیبل پر دراز سے کچھ نکال کر احتیاط سے مسیح کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ وہ کونپل اور کاکل کا نوٹ تھا۔ کونپل پریس ہو کر اور بھی خوبصورت گئی تھی۔

مسیح اس کونپل کو جانتا تھا جو غنچہ بننے سے پہلے ہی سوکھ گئی تھی۔ اس نے کاکل کا نوٹ پڑھا۔ ایک اداس مسکراہٹ اسکے لبوں پر آئی۔ اس نے کونپل بمسل کر نوٹ چاک کر دیا۔

"اب اسکی ضرورت نہیں تامش۔ مجھے اپنا راستہ مل گیا ہے"۔ اسنے کہا "میں جا رہا ہوں۔ لیکن جانے سے پہلے تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں"۔ اسنے کچھ توقف کیا پھر بولا۔ "وہ ہستی جسکا نام کاکل ہے۔ ہے ہی ایسی کہ کوئی اسے پیار کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ میں نے بھی کیا۔ اور جانتا ہوں تم نے بھی کیا۔ لیکن تمھارے اور میرے پیار میں فرق رہا۔ اس سے میرا پیار ایک کشمکش اور

تمھارا جیتی ہوئی بازی۔ کیونکہ اسنے بھی صرف تمھیں چاہا۔ جبکہ مجھے ایک اچھا دوست سمجھا۔ ہاں۔ میں نے کنفیشن باکس میں کئی بار کاکل سے محبت کا اقرار کیا ہے میں سخت آزمائش کے دور سے گذرا ہوں۔ دل کا بوجھ ہلکا کرنے کی کوئی اور صورت تھی بھی نہیں۔ اعترافِ گناہ احساسِ گناہ کی شدت کو کم کر دیتا ہے"۔

"کاکل سے محبت کو تم گناہ سمجھتے تھے؟"۔ التمش نے راکھ دان میں سگریٹ جھٹکتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں۔ تم سے بے وفائی میرا گناہ تھا۔ اپنے چنے ہوئے راستے سے بھٹک جانا گناہ تھا۔ تمھارے حق پر نظر ڈالنا گناہ تھا۔ کاکل شروع ہی سے تمھاری تھی تامش"۔

اب التمش اس سے کیا کہتے کہ صرف وہی نہیں کاکل کا دعویدار کوئی اور بھی تھا۔ انہوں نے ٹیبل کا خانہ کھینچا اور اسمیں سے حفیظ کا خط نکال کر مسیح کے حوالے کیا۔

مسیح جیسے جیسے وہ خط پڑھتا گیا اسکی تیوریاں چڑھتی گئیں۔

"اور تم نے اس خط پر یقین بھی کر لیا۔؟"۔ مسیح نے حیرت سے التمش سے پوچھا۔"میں کیسے یقین کر لوں تامش کہ تم اتنے سادہ لوح ہو یا پھر کاکل کی محبت نے تمھیں اتنا حساس بنا دیا ہے۔"

"التمش اسے سوالیہ نظروں سے دیکھتے رہے۔

مسیح حفیظ کے بارے میں سب کچھ جانتا تھا۔ کاکل نے اپنی پچھلی

ساری زندگی اسکے سامنے کھول کر رکھ دی تھی۔

" تھیں زندگی میں کبھی کسی نے ٹھکرایا نہیں! ورنہ تم اس خط کا مطلب فوراً سمجھ جاتے کہ یہ خط حفیظ کی زخمی انا کی چیخ ہے"۔ التمش سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔

" تامش اب تم اقرار کر لو کہ تم کاکل کو پیار کرتے ہو۔ یہ اسکا پیار ہی تھا کہ تم حسد کی آگ میں جلتے ہوئے اس بیہودہ خط کا اعتبار کر بیٹھے" مسیح نے بات ختم کی اور اٹھ کھڑا ہوا۔

" کہاں جا رہے ہو مسیح۔ کچھ دیر اور رک جاو۔" مسیح کی باتوں نے التمش کے دل پر بوجھ سا ہٹا دیا تھا۔

" نہیں تامش مجھے جانا ہوگا۔ چرچ میں سب میرے منتظر ہونگے"۔

" تمھارا مطلب ہے تم ہمیشہ کے لئے چلے جاوگے؟"۔

"کیا تمھیں اس بات کی خوشی نہیں ہے کم از کم یہ فیصلہ میں نے خود کیا ہے"

مسیح نے مسکرا کر کہا" ورنہ دوسرے ہی میرے لئے فیصلے کیا کرتے تھے"۔

التمش کو اور کچھ کہنے کی ضرورت نہیں تھی۔ انہوں نے اٹھکر گرم جوشی سے مسیح سے ہاتھ ملایا۔ وہ دروازے کی طرف بڑھا۔ رکا اور بولا۔

"Wish you all the best تامش۔" اور باہر نکل گیا۔

کاکل کے ذہن کو گویا چیونٹیاں چاٹ رہی تھیں ۔ التمش سے آخری ملاقات پر اسکی برداشت کا پیالہ چھلک گیا تھا وہ اب اس کوٹھی میں پل بھر نہیں رہنا چاہتی تھی کیا پایا تھا اسنے وہاں آکر ۔ دل بھی کھویا دل کا سکون بھی ۔ اسکے باوجود وہ التمش سے نفرت نہیں کر پاتی تھی ۔ جس سے پیار کیا اس سے نفرت کیسی ۔ لیکن پیار کرنے والوں کو پیار کی عزت بھی رکھنی پڑتی ہے ۔ اسکی خیریت اسی میں تھی کہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے کوٹھی چھوڑ دے ۔ التمش کو وہ ہرگز اس خوش فہمی میں رہنے دینا نہیں چاہتی تھی کہ انکی حقارت کے باوجود وہ پامال بنی وہیں پڑی رہے ۔ وہ تھک چکی تھی ۔ اسے اب اس بات کی بھی پرواہ نہیں تھی کہ التمش کی رائے اسکے بارے میں بدلتی ہے یا نہیں ۔ وہ خوشگوار لمحے جو اس نے التمش کے ساتھ گزارے بیشک اسکی متاعِ دل تھی جسے کوئی نہیں مٹا سکتا تھا ۔

اسنے عزم مصمم کے ساتھ سیڑھیاں طے کیں اور لائبریری میں پہنچی ۔ لائبریری جو چند گھنٹوں پہلے میدان کارزار بنی ہوئی تھی ۔ اس وقت بالکل پرسکون تھی جیسے اسکے در و دیوار نے حق و باطل جرم اور انصاف کے وہ منظر دیکھے ہی نہ ہوں ۔ جو کچھ اس چار دیواری میں ہوا کاکل کے فرشتوں کو بھی اسکی خبر نہیں تھی ۔

پتوں والی ڈائری ہمیشہ ٹیبل کے اوپر والے خانے میں رکھی ہوتی تھی اس نے ڈائری کھولی ۔

"لیسر یچا ۔۔۔ پاولوا ۔۔۔ پریرو" ۔ اسکی انگلی مس پریرو کے پتے پر رک

گئی۔ وہی ایک لیڈی تھیں جنہیں وہ شہزاد اور زینو کی ذمہ داری سونپ سکتی تھی۔ کیونکہ ایک بار التمش نے بڑے بھروسے سے انہیں بلانے کی بات کی تھی۔ اسنے ٹائپ رائٹر پر کاغذ چڑھایا اور مس پریرو کے نام خط ٹائپ کیا۔

اس خط کا آج ہی جانا ضروری تھا۔ التمش نے مسیح کے بارے میں جو کچھ کہا ہو۔ وہ جانتی تھی کہ وہی اسکا سچا دوست تھا جس پر وہ بھروسہ کر سکتی تھی وہ مسیح سے خاص طور پر کہنا چاہتی تھی کہ اسکے جانے کے بعد التمش کو حفیظ کے بارے میں سب کچھ بتادے لیکن کچھ سوچ کر اپنا ارادہ بدل دیا۔ اگر وہ حفیظ کے بارے میں صداقت جان لیتے تو کیا فرق پڑتا۔ اس نے طئے کیا کہ مسیح کو مس پریرو کا خط دیکر واپس ہوجائیگی۔

ڈورا کا صاف ستھرا گھر آج بکھرا پڑا تھا۔ آج وہاں سوم کی موجودگی نے اسے بوکھلایا نہیں۔ وہ اسے کئی بار دیکھ چکی تھی۔

بی بی مریم کے مجسمے کے آگے رکھے گلدان خالی تھے آج ڈورا نے ان میں پھول نہیں سجائے تھے۔ کاکل نے ماحول کے بوجھل پن کو محسوس کیا لیکن کچھ پوچھا نہیں کیونکہ وہ خود ایک تلاطم اپنے دل میں لیئے آئی تھی۔

"مسیح کہاں ہے؟"۔ اسنے سوم سے پوچھا کیونکہ ڈورا نے اسکی طرف بالکل توجہ نہیں دی۔

"کیوں پوچھتا ہے بی بی؟"۔ سوم نے مشکوک نظروں سے اسے دیکھا

"ڈاک نکلنے سے پہلے مجھے یہ خط اسے دینا ہے"۔

"لاؤ مجھے دیدو" سوم نے کاکل کے ہاتھ سے خط لے لیا"۔ ہم ڈال دیگا"

"کیا بات ہے سوم ۔ڈورا کچھ بولتی کیوں نہیں ؟" ۔کاکل نے ڈورا کو ٹرنک میں کپڑے رکھتے دیکھ کر پوچھا۔

" ڈورا ٹوڈا ہے بی بی ۔" سوم کے لہجے میں غرور تھا۔ وہ اردو اچھی خاصی بول لیتا تھا۔"ڈورا اپنے کمٹم واپس جارہا ہے"۔

"کب واپس آوگی ڈورا؟" ۔کاکل نے پوچھا۔

ڈورا نے اسکی بات سنی اور نفی میں سرہلا دیا۔اسکی آنکھیں شکست خوردہ تھیں ۔اپنے ڈیل ڈول کے باوجود پہلی بار وہ کاکل کو بوڑھی لگی ۔وہ ڈورا سے پوچھنا چاہتی تھی کیا اس نے التمش سے اجازت لے لی تھی ۔لیکن جب وہ خود ہی کوٹھی کو خیرباد کہہ رہی تھی تو اسے کیا کوئی رہے یا جائے ۔اس نے سوچا مسیح کے انتظار میں رک جائے لیکن کوارٹر کے غیر دوستانہ ماحول میں اسکا رکنا مناسب نہیں تھا۔

ڈورا جارہی تھی ۔اسنے اپنی جڑیں کبھی نیلگری کی ان اودی اودی پہاڑیوں سے نہیں اکھیڑی تھیں ۔اسنے وہاں جنم لیا تھا، اسکا سب کچھ وہیں تھا اسکا اعتقاد، اسکے ریت رواج کنکودر اور منی در، وہ نصف دائروی شکل کے جھونپڑے ۔وہ سب کچھ لینے تھے جہاں جانے کا فیصلہ اس نے کر لیا تھا۔ سوم اب بھی اسکا وفادار تھا۔

لیکن مسیح کہاں تھا۔وہ اس سے ملے بغیر اوٹی کیسے چھوڑ سکتی تھی؟

وہ اسی ادھیڑبن میں کوٹھی کی طرف واپس ہو رہی تھی کہ خود مسیح عین اسکے سامنے آکھڑا ہوا۔

" مسیح! " اسنے خوشی سے کہا۔

" میں تمھاری ہی طرف آرہا تھا " ۔ مسیح نے کہا ۔ اسکی نیلی سنجیدہ آنکھیں آج اور بھی زیادہ بردبار لگ رہی تھیں ان میں ایک طمانیت تھی جسے کوئی بہت ہی مشکل عقدے کا حل نکالنے کے بعد محسوس کرتا ہے۔

" باغاں میں چلوگی میرے ساتھ " ۔ مسیح نے کہا اور وہ ٹہلتے ہوئے باغاں میں نکل آئے ۔ کتنے ہی دلچسپ اور ہم آہنگ لمحے گزارے تھے انہوں نے وہاں ۔ اسے مسیح کی خاموش دم سازی پر دنیا بھر کا بھروسہ تھا۔ جسے التمش گھناونا رنگ دے رہے تھے۔

" نہیں کاکل ، التمش بالکل ٹھیک کہہ رہے تھے " ۔ مسیح نے اسکے مقابل ہوتے ہوئے کہا " میں نے کبھی تمھیں محض دوست نہیں سمجھا۔ تم پہلے ہی دن سے میری ساری ہستی پر چھانے لگی تھیں ۔ "

" مسیح ۔! " کاکل نے حیرت سے اسے دیکھا۔

" ہاں اب میں تم سے سب کچھ کہہ سکتا ہوں ۔ ہر وہ سچائی جس نے پادری بننے کے میرے ارادے کو ڈگمگادیا تھا۔ میں بزدل تھا کاکل جو کبھی تم پر اپنی محبت کا اظہار نہ کرسکا۔ لیکن اب میں بزدل نہیں ہوں ۔ میرے دماغ میں سے وہ دھند مٹ چکی ہے اور اپنا راستہ ۔ صحیح راستہ مجھے صاف نظر آرہا ہے اس وجہ سے نہیں کہ میں تمھیں اپنا نہیں سکتا بلکہ اس تمنا کی پابجائی میں جو لڑکپن ہی سے میرے دل میں گھر کر چکی تھی۔

کاکل اسے کیا جواب دیتی جو اسے بہت عزیز تھا۔ اسکے احسان کا شکریہ

کس طرح ادا کرتی جو مسیح نے اس پر اپنی محبت کا اظہار نہ کر کے کیا تھا۔ ورنہ وہ اپنے وہاں قیام کے دوران ایک پرخلوص دوست سے محروم ہو جاتی۔

"کب جا رہے ہو مسیح؟" اس نے بھرائی آواز میں پوچھا۔

"کبھی کے چلا گیا ہوتا۔ لیکن تم سے ملے بغیر کیسے جاتا۔"

"میں بھی تمھیں دیکھے، تم سے ملے بغیر کیسے جا سکتی تھی!" کاکل بولی۔

"تو کیا تم بھی جا رہی ہو؟" مسیح نے حیرت سے پوچھا۔

"جا رہی ہوں مسیح۔ یہی میرے لئے بہتر ہے۔"

"اور تامش۔ انکا کیا ہو گا؟"۔

"تامش کو کسی کی ضرورت نہیں مسیح۔ پتھروں پر پھول نہیں اگا کرتے" ماضی قریب میں لائبریری میں وقوع پذیر ہوئے سین سے ناواقف کاکل نے کہا۔

"کاکل میری بات سنو۔ رک جاؤ، تامش کے واپس آنے تک رک جاؤ"۔

"تو کیا تامش بنگلور چلے گئے؟"۔ اس نے حیرت سے پوچھا۔ "شاید یہ پہلا موقع تھا کہ التمش اسے بتائے بغیر میٹنگ میں چلے گئے تھے۔ انکا یہ عمل کاکل کو بہت کچھ کہہ گیا کہ اسکا کوٹھی چھوڑ جانے کا فیصلہ صحیح تھا۔

"چند دن اور رک جاؤ کاکل"۔ مسیح نے زور دیا۔

"نہیں مسیح اب تمھارے جانے کے بعد اور بھی تنہا ہو جاؤنگی"۔ اس نے قطعیت سے کہا۔

"God Bless You" کاکل"۔ مسیح جانے کے لئے تیار ہوا۔

"پھر کبھی نہیں ملوگے؟" ۔کاکل نے پوچھا۔

"انسان چھوڑی ہوئی منزل پر کوئی کھوئی ہوئی چیز ڈھونڈنے جاتا ہے۔ میں نے کچھ کھویا نہیں کاکل ۔میں نے جو کچھ چاہا تھا سب کچھ پایا۔اب مجھے نئی منزلوں کی طرف بڑھنا ہے۔"

کاکل نے اسکی طرف ہاتھ بڑھایا جسے مسیح نے گرم جوشی سے تھام لیا۔ وہ دیر تک ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے ۔جذبات جن میں کہیں بھی دوستی اور خیرسگالی کے علاوہ کچھ بھی نہیں تھا۔کاکل کی آنکھیں لبریز تھیں۔

مسیح نے ہاتھ چھوڑا اور پلٹ کر پگڈنڈیوں پر ہولیا وہ اسکی چال کی استقامت، ہلکی ہوا میں اڑتے اسکے بال اور چوڑے شانوں کو دور تک دیکھتی رہی۔

مس پریرو آچکی تھی۔

کاکل کے والد اور حور بانو جاچکے تھے جاتے ہوئے حور بانو نے بہ اصرار اسے ساتھ چلنے کے لئے کہا لیکن کاکل نے تو طے کر لیا تھا کہ اپنی جنگ خود لڑیگی۔جب وہ ٹیکسی میں بیٹھنے لگے تو شہزاد اور زینو مصر ہوگئے کہ فواد حسین کو چھوڑ جائیں۔اب انہیں پتہ چل گیا تھا کہ دنیا میں سبھی جڑواں نہیں تنہا بچے بھی آتے ہیں۔اور تنہا چلے بھی جاتے ہیں۔

مس پریرو ایک خوشگوار عمر رسیدہ خاتون تھیں۔جنہیں برسوں کا تجربہ تھا۔انہیں بچوں کو اپنا گرویدہ بنا لینا آتا تھا۔شہزاد اور زینو نے انہیں بھی حرفِ مکرر کی طرح قبول کر لیا تھا۔کیونکہ وہ نہیں جانتے تھے کہ کاکل ہمیشہ کے لئے انہیں چھوڑ کر جارہی ہے۔انہیں چھوڑنا خود کاکل کے لئے سوہانِ روح تھا لیکن زندگی میں کبھی تکلیف دہ فیصلے کرنے ہی پڑتے ہیں۔اسنے مس پریرو کو بچوں کے بارے میں ہر چھوٹی بڑی تفصیل بتائی۔انکے عادات واطوار سے واقف کروایا اور ایسا کرتے کئی بار اسکی آنکھیں ڈبڈبا آئیں۔

"تم بچوں سے بہت پیار کرتی ہو۔کیوں جارہی ہو"۔مس پریرو نے ہمدردی سے پوچھا۔

"مجھے دوسری نوکری مل گئی ہے"۔وہ انہیں سچ کیوں بتاتی۔اسکے کھوئے ہوئے انداز سے مس پریرو کو اسکی بات کا یقین نہیں آیا۔وہ جہاندیدہ تھیں پھر بھی انہوں نے زیادہ کریدنا مناسب نہیں سمجھا۔

کاکل نے حسب معمول بچوں کو کھانا کھلایا انکے لباس تبدیل کئے اور

"شب بخیر" کہکر پیار کیا۔ حسب معمول دونوں نے اسکے گلے میں باہیں حمائل کر کے اسکے پیار کا جواب دیا۔ کمرے میں واپس آکر اسنے اپنا مختصر سامان پیک کیا جسمیں مسیح کا دیا ہوا کیوپڈ کا مجسمہ بھی تھا۔ محبت کے اس دیوتا نے اپنے سارے ہی تیر اسکے دل میں پیوست کر دیئے تھے اور اب مسکرا رہا تھا۔

صبح سویرے اس نے فون کر کے ٹیکسی منگائی۔ وہ جانے سے پہلے شہزاد اور زینو کو گلے لگانا چاہتی تھی لیکن ڈر گئی کہ کہیں اسکا جانے کا ارادہ نہ بدل جائے۔

اس نے مس پریرو کو خدا حافظ کہا اور ٹیکسی میں بیٹھ گئی۔ اسے چھک چھک ٹرین سے ہی میٹو پلاٹ فارم جانا تھا۔

ٹیکسی سے وقت کم لگتا لیکن وہ زیادہ مہنگی ہوتی۔ اسے میسور جانا تھا جسے اسنے دیکھا بھالا تھا۔ وہ اسی ہوٹل میں ٹھہر سکتی تھی جہاں وہ دسہرے کے موقع پر التمش اور بچوں کے ساتھ ٹھہری تھی۔ وہ ہوٹل گو مہنگی تھی لیکن وہاں ایک اکیلی لڑکی کے لئے خطرہ نہیں تھا۔ اسے یقین تھا کہ کوشش کرنے پر میسور میں اسے کوئی نوکری مل سکتی تھی۔

وہ صبح غیر معمولی خوشگوار تھی جبکہ اسکا دل رو رہا تھا۔ وہ سب کچھ جو وہ اوٹی میں چھوڑ آئی تھی۔ اسکے قدم بہ قدم چل رہا تھا۔ کھٹا کھٹ، کھٹا کھٹ ٹرین آگے بڑھتی رہی اور اسکے دل میں ایک ایک تصویر ابھرتی رہی۔ ہرے بھرے چائے کے باغات۔ شہزاد، زینو مسیح۔ ایک چہرہ اور بھی تھا جو کبھی اتنا قریب آجاتا کہ وہ اسکے تنفس کی گرمی محسوس کرتی اور کبھی اتنی دور چلا جاتا

کہ اسکی پہنچ سے باہر ہو جاتا۔

ریلوے ٹریک کے ساتھ ساتھ چلتے منچلے سیاحوں کی کاریں تیز رفتا
سے گزرتی رہیں۔ بادلوں کی ٹولیاں اٹھکھلیاں کرتی رہیں، یوکلپٹس کی مہک
نے بھی اسے روکا لیکن وہ ان سب سے دامن چھڑا کر چلی آئی تھی ایک نظر بھ
ان پر نہیں ڈالی۔ دل کی ویرانیوں کا بھرم بھی تو اسے رکھنا تھا!

ٹرین رکی۔ وہ خاموشی سے اپنا سوٹ کیس لئے پلیٹ فارم کے چھوٹ
سے اسٹیشن پر اتر آئی۔ سوٹ کیس لینے کے لئے ایک قلی آگے بڑھا لیکن اس
نے انکار کر دیا اور چل پڑی۔

کچھ دیر بعد ایک اور ہاتھ بڑھا جس نے سوٹ کیس اسکے ہاتھ سے
ہی لیا۔ اسنے گھبرا کر پیچھے دیکھا۔ وہ وہی چہرہ تھا جس نے راستہ بھر اسکا سا
نہیں چھوڑا تھا۔ ہونٹوں پر وہی پاگل کر دینے والی مسکراہٹ اور آنکھوں میں
ہزار محبت کے پیغام لئے اسے دیکھ رہا تھا کاکل کے لب کھلے لیکن آواز نے
ساتھ چھوڑ دیا۔

"چلو بیٹا ڈرنا۔ گھر چلو"۔ التمش نے اسکا ہاتھ پکڑ کر کہا۔

* ۰ * ۰ * ۰ * ۰ * ۰ * ۰*